شوال تا ذوالحجہ ۱۴۴۳ھ
مئی تا جولائی ۲۰۲۲ء

بانی مُدیر: حافِظ طیّب نواز شہید رحمۃ اللہ علیہ

”اے دشمنانِ اسلام! جان رکھو کہ ہمارے ہتھیار کبھی ہمارے ہاتھوں سے نہیں چھوٹیں گے اور اگر تم دیکھو کہ ہمارے ہتھیار ہمارے ہاتھوں سے چھوٹے ہیں تو اس کی ایک ہی صورت ہوگی اور وہ صورت یہ ہوگی کہ ہم شہید ہو جائیں گے۔ لیکن یاد رکھو! ہمارے ہتھیار تب بھی گریں گے نہیں، بلکہ ہمارے بیٹے ہمارے ہتھیار اٹھا لیں گے اور تم سے جنگ جاری رکھیں گے!“

ہم محض رضائے الٰہی کے آرزومند ہیں!

ہم محض رضائے الٰہی کے آرزومند ہیں، ہم اپنی آنکھوں اور کانوں کو غیر اللہ کی طرف سے بند کر چکے ہیں اور دنیا ومافیہا سے ہاتھ اٹھا چکے ہیں، ہم نے محض اللہ کے لیے علمِ جہاد بلند کیا ہے، ہم مال ومنال، جاہ وجلال، امارت وریاست حکومت وسیاست کی طلب وآرزو سے آگے نکل گئے ہیں، خدا کے سوا ہمارا کوئی مطلوب نہیں۔ اگرچہ ہم عاجز وخاکسار، ذرۂ بے مقدار ہیں لیکن بلاشک محبتِ الٰہی سے سرشار اور غیر خدا کی محبت سے بالکل دستبردار ہیں۔

یہ سب کچھ محض اللہ کے لیے ہے، اس جذبۂ الٰہیہ میں نفسانی خواہشات اور شیطانی وسوسے کا شائبہ بھی نہیں، اگرچہ یہ بات فقیر کے اکثر واقفانِ حال پر ظاہر ہے لیکن مزید تاکید کے لیے پھر نئے سرے سے کہتا ہوں کہ میں خدائے علام الغیوب کو گواہ بناتا ہوں کہ کفار اور دشمنوں کے ساتھ جو جذبۂ جہاد فقیر کے دل میں موجزن ہے، اس میں رضائے الٰہی اور اعلائے کلمۃ اللہ کے مقصد کے سوا عزت وجاہ ومال ودولت شہرت ونا موری، امارت وسلطنت، برادران ومعاصرین پر فضیلت وبزرگی یا کسی اور چیز کا فاسد خیال ہرگز دل میں نہیں ہے، ”اور ہم جو بات کہہ رہے ہیں، اللہ اس کا گواہ ہے“۔

امیر المومنین سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نوائے غزوۂ ہند

جلد نمبر: ۱۵، شمارہ نمبر: ۴

شوال تا ذوالحجہ ۱۴۴۳ھ | مئی تا جولائی ۲۰۲۲ء

بحمد اللہ... مسلسل اشاعت کا پندرہواں سال!

لا إله إلا الله محمد رسول الله

افغانستان، کشمیر، پاکستان، بنگلہ دیش، برما، ہندوستان

''میری امت کا ایک عظیم گروہ حق (کو غالب کرنے) کے لیے لڑتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ان سے لڑنے کے لیے بہت سے لوگوں کے دل کفر کی طرف مائل کرتا رہے گا اور اللہ تعالیٰ انہیں ان سے رزق عطا فرماتا رہے گا حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا (غلبے والا) وعدہ پورا ہو جائے۔''

(صحیح النسائی)

اس شمارے میں

تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے اس برقی پتے (Email) پر رابطہ کیجیے: editor@nghmag.com

www.nawaighazwaehind.co
www.nawai.io/Twitter
www.nawai.io/Channel
www.nawai.io/Bot
www.nawai.io/ChirpWire

قیمت: اس مجلے کی قیمت آپ کی دعا...... اور اس دعوت کو فی اللہ آگے پھیلانا ہے!

اعلانات از ادارہ:

- بعض تکنیکی وجوہات کے سبب مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' کا مئی تا جولائی (۲۰۲۲ء) کا شمارہ یکجا شائع کیا جا رہا ہے، اسی اعتبار سے شمارۂ ہٰذا کی ضخامت بڑھا دی گئی ہے۔
- مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' میں شائع ہونے والے 'مستعار' مضامین (بشمول سوشل میڈیا پوسٹس/سٹیٹس/ٹویٹس) مجلّے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں اور ان مضامین وغیرہ میں موجود تمام خیالات اور ان کے مصنفین کے تمام افکار و آرا سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

ہم تیرے ﷺ دشمن ماریں گے!

زوالِ امت کا اگر نقطۂ آغاز جاننا چاہیں تو مولانا سیّد ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی نقل کردہ کسی ادیب کی بات ذہن میں گردش کرتی ہے کہ قوموں کے زوال اور فرد کی نیند کا دقیق وقت معلوم نہیں ہے۔ پھر بھی شاید من حیث المجموع جس زوال پذیری کا امت ’ظاہراً‘ شکار ہوئی، اس کا نقطۂ آغاز دیکھیں تو سقوطِ اندلس میں مل جائے۔ وہی سقوطِ اندلس جس کے شروع ہونے کے ساتھ ہی پوری امتِ مسلمہ پر جہاد فرضِ عین ہو گیا[1]، وہی جہاد فی سبیل اللہ جو طریقِ عروج ہے، ذروۃ سنام الاِسلام۔ ہم اپنے خطّۂ برِّ صغیر میں دیکھیں تو اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد برِّ صغیر میں سلطنتِ اسلامیہ کا شیرازہ بکھرنا شروع ہو گیا، باقاعدہ شامت نواب سراج الدولہ رحمۃ اللہ علیہ کی مرشد آباد میں اور سلطان فتح علی ٹیپو رحمۃ اللہ علیہ کی میسور میں شہادت کے بعد ظاہر ہوئی۔ زوال و غلامی کا ایک بلا واسطہ نتیجہ وہ ’بیانیہ‘ ہوتا ہے جسے اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے یوں پیرایۂ شعر میں ڈھالا:

تھا جو ’ناخوب‘، بتدریج وہی ’خوب‘ ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

غلامی کے نتیجے میں جو بہت سے ناخوب، خوب بلکہ خوب تر ہوئے اور ہماری ’قوم‘ کا ضمیر جو بدلا تو اس میں نہایت تکلیف دہ معاملہ، اللہ کے پیغمبر، محمدِ مصطفیٰ احمدِ مجتبیٰ (علیہ اَلف صلاۃ وسلام) کی اہانت کے معاملے میں ایک خاص intelligentsia کا پیدا ہونا ہے، جو خود تو عزت، غیرت اور حمیت جیسے الفاظ، اصطلاحات و جذبات سے نابلد ہے، لہٰذا دینُ اللہ کو بھی اپنے جیسا ’بے حمیت‘ ظاہر کرنے پر مصر ہے۔ پھر انہی لادین و لادانش وروں کی محنت کا نتیجہ یہ بھی ہے کہ دنیا میں قائم نیو ورلڈ آرڈر[2] کو ہر ہر خطّے میں دیسی کالے بھورے انگریز میسر آ گئے، جنہوں نے اپنے اپنے خطّوں میں عالمی نظامِ کفر کے استحکام و استقلال کے لیے محنتیں کیں، بلکہ دوسروں کی جنگوں کو اپنی جنگ مانا، جانا، بلکہ منوایا، تاحال منوا رہے ہیں اور پھر ان دوسروں ہی کے لیے فصیلِ جاں سے گزر گئے۔ ان محنتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے متعلق جو ہمارا کماحقہ رویہ ہونا چاہیے تھا وہ مفقود سا ہو گیا۔ بہر کیف، زیرِ نظر سطور میں بیان کردہ بات ایک زاویۂ نظر ہے، امت کے مخصوص طبقے کی طرف اشارہ ہے اور من حیث المجموع، امتِ محمدؐ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جو حقیقی کماحقہ تعلق رکھتی ہے اس کا ذکر چند نثر پاروں کے بعد آئے گا۔

ہنومان اور ہنومان جیتی و گاؤ و گنیش جیسوں کی پوجا کرنے والے بھگوا کے پجاریوں نے اپنی ناپاک زبانیں کھولیں اور طاہر و مطہر، مصفّیٰ و مجلّیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی زوجۂ مطہرہؓ کے بارے میں انتہائی خسیس انداز میں گستاخی کی۔ اس گستاخی پر ردِّ عمل بھی ظاہر ہوا مگر ردِّ عمل اسی نظام و حصار کے اندر اندر جس کی حدود و لکیریں دشمن کے نظام نے متعین کیں اور کھینچیں۔

کیش ان کیری سٹوروں سے بھارتی مصنوعات اور چند دیناروں، درہموں اور ریالوں کی چاکلیٹوں کا وقتی ہٹا دینا، در جن سوا درجن اسلامی ملکوں کا بھارت کے سفیر وغیرہ کو بلا کر احتجاج کرنا، معافی کا مطالبہ کرنا، پر زور الفاظ میں مذمت وغیرہ، اس کے بعد امارات کے ’شیخوں‘ کی مودی کے ساتھ وہی رنگ رلیاں، پھر انہی امن کی آشاؤں کی جپتی مالا۔ چند دن مزید گزریں گے، کچھ ٹھنڈ واقع ہو گی تو بڑے سٹوروں پر چاکلیٹیں اور ٹافیاں پھر واپس آ جائیں

---

[1] جہاد فی سبیل اللہ کی فرضیت کو سمجھنے کے لیے مجددِ جہاد شیخ عبد اللہ عزام رحمہ اللہ کی معرکۃ الآراء تالیف ’ایمان کے بعد اہم ترین فرضِ عین‘ دیکھی جا سکتی ہے۔

[2] نیو ورلڈ آرڈر: دنیا میں نافذ سرمایہ دارانہ نظام جو اکثر سرمایہ دارانہ جمہوریت ہے اور کہیں کہیں سرمایہ دارانہ بادشاہت و آمریت، الغرض دنیا میں حالاً قائم عالمی نظام۔

گی۔ جب کہ جس intelligentsia کا اوپر ذکر ہوا اس نے پورا زور لگا کر اہانتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نہایت معمولی شے باور کروایا، کسی مکھی کو مار دینے یا چیونٹی کو مسل دینے سے بھی کم۔ حالانکہ اسی بزعمِ خود intelligentsia سے اگر پوچھیں تو یہ جدید نظام کی 'بائبل' سے ریاست اور سربراہِ ریاست کے تقدس اور اس کے خلاف زبان درازی کو قابلِ گردن زدنی جرم قرار دیں۔

پھر نظامِ کفر کی محنت و غلبے کا نتیجہ یہ ہے کہ بعض دیگر حلقہ جات بھی حضور علیہ اَلف صلاۃ وسلام کی شان کے معاملے میں وہ موقف عملاً اختیار کرتے نہیں، زبانی بیان کرتے بھی نظر اب نہیں آتے جو ابو بکرِ صدیق، عمرِ فاروق اور محمد بن مسلمہ رضوان اللہ علیہم اَجمعین کا تھا۔ حتیٰ کہ بعض تو اس حد تک گزر چکے ہیں کہ حال میں ہندوستان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کے خلاف ہونے والے مظاہروں کو 'حرام' قرار دیتے رہے۔

پچھلی سطور میں بیان کردہ 'بیانیہ' اور 'عمل'، ایک خاص طبقے کا تھا، لیکن اصل 'بیانیہ' اور اصل 'عمل'، جسے بعض انجان 'ردِّ عمل' سے تعبیر کریں گے وہی ہے جو اللہ جل جلالہ نے رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی فرمایا، یہی آپ علیہ الصلاۃ والتسلیم کی رضا تھی، یہی صحابہؓ کا طریقہ تھا جو جھارکھنڈ کے رانچی سے یورپ کے ناروے تک رہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلقِ عشق و اطاعت میں جھارکھنڈ کے صدر مقام رانچی میں جلوس نکلتا ہے اور رسولؐ اللہ اور امتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمن پولیس اس جلوس پر اندھا دھند گولیاں برساتی ہے۔ نتیجے میں ساحل اور مدثر نامی دو مسلمان لڑکے جامِ شہادت نوش کرتے ہیں۔ ہم میں سے اکثر ہی نے مدثر شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ماں کی ماتم کرتی وہ ویڈیو سنی اور دیکھی ہو گی۔ اگر وہ ویڈیو نہیں دیکھی تو امتِ غیور کے پاکباز مرد حضرات! نگاہیں نیچی کر لیجیے اور مدثر شہید کی ماں کی گفتگو سنیے۔ سبحان اللہ...... اللہ اکبر! ہم یہاں مدثر شہید کی ماں کی دو مواقع پر کی گئی گفتگو کے الفاظ نقل کرتے ہیں، گو کہ دنیا کا ہر قلم اس ماں کے جذبے اور حدتِ ایمانی کو تحریری صورت میں نقل کرنے سے عاری ہے۔ مکرر عرض ہے کہ یہ باتیں مدثر شہید کی ماں نے صفِ ماتم پر بیٹھ کر مسلمان عورتوں کے سامنے کیں:

> ''میرا چھوٹا سا بچہ، اپنے اسلام کے لیے شہید ہوا ہے۔ اس ماں کو فخر ہے۔ اس ماں کو فخر ہے (کہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر وہ اپنی جان کو دیا ہے، اس نے شہیدی جگہ (مقامِ شہادت) کو پایا ہے۔ مجھے کوئی غم نہیں!''
>
> ''ارے نہ (نہیں)! کیا وہ سمجھ رہے ہیں...... مسلمان کا بچہ کمزور ہے؟ [اپنی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہتی ہیں] شیر ماں (نے) پیدا کیا ہے، شیر ماں (نے)! شیر بچہ پیدا کیا ہے! شیر بچہ کو شیر ماں نے پیدا کیا!
>
> اسلام زندہ باد تھا، اسلام زندہ باد ہے اور اسلام زندہ باد ہمیشہ رہے گا! اس (اسلام) کو کوئی نہیں روک سکتا! ایک مدثر، اسلام زندہ باد بولتے گیا، اس کے پیچھے دیکھو سیکڑوں مدثر کھڑا ہو گیا!''

یہ ملتِ احمدِ مرسلؐ ہے، اک شوقِ شہادت کی وارث
اس گھر نے ہمیشہ بیٹوں کو سولی کے لیے تیار کیا

یہ رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق ہے کہ اس زمانے میں بھی اور اس زمانے میں بھی آج کے بھگوا بھارت میں جہاں بدترین ظلم و بھگویت (بربریت نہیں!) برپا ہے وہاں پر دو مسلمان اٹھتے ہیں اور گستاخہ نپور شرما کے حمایتی گستاخ درزی کو گوشت کاٹنے والی چھریوں سے جہنم واصل کر دیتے ہیں۔ کئی مسلمان جو بظاہر شریعت پر عامل بھی نہیں وہ بھی گستاخہ نپور شرما کے قاتلوں کے لیے بیش قیمت انعامات کا اعلان کرتے ہیں۔

یوپی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کے دفاع اور نپور شرما و گستاخ ہندتوائی دہشت گرد بی جے پی کے خلاف مظاہروں کی قیادت کے جرم میں نوجوان سٹوڈنٹ لیڈر آفرین فاطمہ کا گھر بلڈوز کر دیا گیا اور ان کے والد جاوید محمد صاحب جو خود ایک سیاسی شخصیت ہیں پابندِ سلاسل ہیں۔ اسی طرح ہندوستان میں جب ایک گدی نشین صاحب نے حضور علیہ ألف صلاۃ وسلام کے گستاخ کو قتل کرنے والے کے لیے انعام کا اعلان کیا تو ان صاحب کو نامعلوم افراد شہید کر کے فرار ہو گئے۔

نہتا ہونے کے باوجود غیرت کی اعلیٰ مثال ناروے میں مقیم دو پاکستانی مسلمان بہنوں کے عمل میں بھی ہے، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارے جانے والے قرآنِ مجید کی بے حرمتی کرنے والے گستاخ سے صنفِ نازک ہونے کے باوجود نمٹا۔ ناروے میں جولائی ۲۰۲۲ کے پہلے عشرے میں ایک ملعون گستاخ نے اپنے غنڈوں کے ٹولے کے ہمراہ قرآنِ مجید کو نذرِ آتش کیا۔ وہیں قریب میں دو مسلمان بہنیں بھی موجود تھیں، جیسے ہی ان کے علم میں یہ فعلِ بد آیا انہوں نے بلند آواز میں پوچھا 'اس نے قرآن جلایا ہے ؟!'، اثبات میں جواب ملتے ہی انہوں نے ایمانی غیرت کے سبب اس اس گستاخ کو برا بھلا کہا، پھر محض زبانی برا بھلا کہنے پر اکتفا نہیں کیا وہ اپنی گاڑی میں بیٹھیں اور اس گستاخ کی گاڑی کا پیچھا شروع کر دیا اور اپنی جدید و نازک گاڑی سے اس کی فور بائی فور جیپ نما گاڑی کو ٹکر ماری، جس کا گاڑی پر کچھ اثر نہ ہوا اور گستاخ نے گاڑی بھگا لی۔ ان بہنوں نے بھی اپنی گاڑی کو اس کے تعاقب میں چھوڑ دیا اور پوری قوت سے اس کی گاڑی سے اپنی گاڑی پھر ٹکرائی اور نتیجتاً گستاخ کی بھاری بھر کم گاڑی الٹ گئی۔ اقبالؒ کا یہ مصرع ایسے ہی عالی ہمت و عالی بخت لوگوں کے لیے ہے کہ

ع مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی!

اس واقعے کے بعد یہ دونوں بہنیں گرفتار ہیں، فک اللہ أسرہما! ایسی ہی بہنوں کے متعلق ایک مجاہد شاعر نے کہا تھا:

جب جوانوں میں مفقود تھیں غیرتیں
تم کو حاصل حمیت کی معراج تھی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کا انتقام بلاشبہ مسلمانوں پر واجب ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقام لینے کا بہترین طریقہ جہاد فی سبیل اللہ اور شریعتِ محمدی علی صاحبہا ألف صلاۃ وسلام کے نفاذ کی مبارک محنت کرنا ہے۔

شریعتِ مطہرہ ہم سے نفاذِ اسلام کا مطالبہ کرتی ہے، سیکولر آئین و قانون کا نہیں! اور بالفرض کسی مقبول یا غیر مقبول عذر کی بنا پر کوئی سیکولر آئین و قانون اور جمہوریت کی چھتری کے تحت ماضی میں پناہ لیتا بھی رہا ہو تو آج اس کے لیے ایسا کرنے کا کوئی اخلاقی جواز نہیں بچتا۔ ہندوستان کا سیکولر آئین و قانون لاکھ سیکولر سہی لیکن نپور شرما اور اس کی ویڈیو عام کرنے والے مسلمان صحافی محمد زبیر کے معاملے نے ایک بار پھر ثابت کیا کہ قانون کی کتابیں اور ویدیں بے جان ہوتی ہیں، اصل قوت وہ دماغ، زبان اور ہاتھ ہوتے ہیں جو معاملات کو پرکھتے، فیصلہ سناتے اور معاملات پر فیصلوں کو نافذ کرتے ہیں۔ پچھلے چند سالوں میں بابو بجرنگی کی باعزت رہائی، بابری مسجد کے رام مندر میں بدلنے سے لے کر آج کی بلڈوزر حکومت و عدلیہ اور نپور-زبیر کیس میں قانون کا دوغلا پن سب کے سامنے واضح ہے۔ بھارت کے سیکولر آئین کی دفعات 153A اور 295 کے تحت نپور شرما اور مسلمان صحافی محمد زبیر

کے خلاف پرچے کاٹے گئے۔ نپور شرما آزاد گھومتی رہی۔ جبکہ محمد زبیر پر ۲۰۱۸ء میں کی گئی کسی ٹویٹ پر قانون چار سال بعد حرکت میں آیا اور انہی دفعات کے تحت محمد زبیر کو حوالات میں ڈال دیا گیا۔ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا نہایت احسان ہے کہ ہندوستان میں آج 'ہندو مسلم بھائی بھائی' کا غیر حقیقی، بلکہ ہماری صاف گوئی پر ہمیں عذر دیجیے کہ فریب پر مبنی نعرہ دم توڑ رہا ہے۔ سیکڑوں برسوں سے دین و تعلیماتِ دین کے نگہبان مدارسِ دینیہ سے جدید تعلیمی اداروں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی و جامعہ ملیہ اسلامیہ بلکہ جے این یو تک مسلم طلبہ و طالبات اپنی خودیٔ مسلمانی پہچان رہے ہیں۔ بلا شبہ ہندوستان میں طاری گھٹاٹوپ اندھیری رات میں یہ ایک واضح روشنی کا چراغ ہے۔

لیکن خودیٔ مسلمانی کو پہچان کر محض کمیونٹی رائٹس اور بھارت کے 'سیکولر' آئین میں پناہ کسی کو نہیں ملنے والی۔ پس ہندوستان کے حالات مسلمانوں سے تیاری کے متقاضی ہیں۔ وہ تیاری جس کا حکم اللہ ربّ العزت نے ہمیں دیا ہے اور ہمیں ہمارے دشمنوں کی پہچان بھی کروائی ہے اور ساتھ ہی ہم جو کچھ اللہ کی راہ میں لگائیں گے تو یہ ضمانت بھی دی ہے کہ وہ ضائع نہیں ہو گا بلکہ اللہ اس کا پورا پورا بدلہ بلکہ اس سے بھی بہتر ہمیں عطا فرمائیں گے۔ آج سے چھ ماہ قبل ہم نے چند نقاط اس ضمن میں عرض کیے تھے، انہی کو دوبارہ یہاں درج کیے دیتے ہیں:

- اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف بحیثیت مجموعی رجوع ہو، اللہ ہمارا خالق و مالک ہے، وہی ہمارا معبود اور حاکم ہے، لہٰذا اللہ کی عظمت کے مقابل کسی مخلوق کی عظمت ہم قبول نہ کریں۔ اُس ربِ عظیم کے مقابل کسی عدالت، کسی ریاست، عوام یا خواص کے کسی حکم و فیصلے کی تقدیس ہم نہ کریں۔ وطنیت اور جمہوریت، یہ سب عصرِ حاضر کے تراشیدہ بت ہیں، ان سب کا انکار جبکہ صرف للّٰہیت اور اسلامیت کا ہم اقرار کریں۔

یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے
غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبویؐ ہے

بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام تیرا دیس ہے تُو مصطفوی ہے

صرف اللہ کے سامنے ہم جھکیں، اللہ کے احکامات کی پیروی کریں اور اللہ کے احکامات کے مقابل کسی کے اصول و احکامات کو ہم خاطر میں نہ لائیں۔ یہی 'لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ' کا تقاضہ ہے۔

- دوسرا، 'لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ' کی یہ دعوت ہم عام کریں، اس کلمے کا معنیٰ و مفہوم، فرائض اور تقاضے خود بھی ہم سمجھیں اور دوسروں کو بھی سمجھائیں، یہ کلمہ تمام معبودوں اور بادشاہوں سے انکار جبکہ صرف ایک اللہ کی عبادت اور اطاعت کا اعلان ہے۔ یہ دعوت ہم اپنوں کے سامنے بھی رکھیں اور پرایوں کے سامنے بھی۔ سب کو ہم سمجھائیں کہ ہماری دنیا و آخرت کی تمام تر بھلائیاں بس اس کلمہ کو ماننے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے میں ہیں۔ ہمارے اخلاق و کردار، معاشرت و معاملات، دعوت و خدمتِ خلق،، دوستی و دشمنی کا ڈھنگ سب شریعت کے مطابق اور کلمۂ توحید کی عملی تصدیق کرنے والے ہوں۔ اسلام و شریعت پر عمل اور اس کی دعوت کے سبب اگر مشاکل و محرومی کا سامنا ہو، تو سامنا کیا جائے اور اگر اس کی خاطر سب کچھ کی قربانی بھی دینی پڑے اس سے دریغ نہ ہو۔ ہماری دعوت و تحریک اور فکر وسعی شرعی اصولوں کے گرد ہو، نہ کہ قومی و شخصی مفادات کے گرد۔ ہمیں یقین ہونا چاہیے کہ اس طرزِ فکر و عمل کا فائدہ اسلام کو بھی ہو گا اور بطورِ قوم ہم مسلمانوں کو بھی، لیکن قومی فوائد کے نام پر اگر احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی ہم کریں، تو ہمیں سمجھنا چاہیے کہ یہ ہماری قوم کے لیے بھی کبھی کوئی برگ و بار نہیں لائے گی۔

- ہندوستان میں اصول ہمارا یہی رہے کہ جو ہمیں نہ چھیڑے ہم بھی اس کو کچھ نہ کہیں اور جو ہمیں چھیڑے تو پھر ہم اس کو نہ چھوڑیں اور اس کے لیے منظم تیاری اور صف بندی کی جائے۔ جو چھوٹا بڑا ہتھیار جمع کیا جا سکے کیا جائے۔ بندوقیں اور پستولیں مہیا نہ ہوں تو چھوٹے بڑے چاقو، زنجیریں، ہتھوڑے اور ڈنڈے تیار رکھے جائیں۔ خود بھی اور خاص کر اپنی خواتین کو ذاتی دفاع (self defence) کی تربیت دی جائے۔
- دلوں میں شہادت کا جذبہ پیدا کیا جائے، ظاہر ہے شہادت سے بڑھ کر کوئی سعادت نہیں اور اپنے دین و ایمان، اہل و عیال اور مسلمانوں کے دفاع میں جان دینا افضل شہادت ہے۔
- دنیا بھر میں الحمدللہ جگہ جگہ میادینِ جہاد گرم ہیں، یہاں غلبۂ دین اور مظلوموں کی نصرت کے لیے مجاہدینِ اسلام بر سرِ پیکار ہیں، دفاعِ امت کے اس ہر اول دستے، ان ابطالِ اسلام سے آپ لاتعلق مت رہیے۔ ضروری ہے کہ ان میدانوں میں آپ بھی شریک ہوں اور تحریکِ جہاد کی نصرت و تائید میں آپ کا بھی بھرپور حصہ ہو۔ آپ کا قریب ترین میدان، جہادِ کشمیر ہے، اس جہاد میں آپ جان و مال سے شریک ہوں۔ تحریکِ جہاد میں آپ کی یہ شمولیت اور کسی بھی سطح پر آپ کی شرکت ہندوستان بھر میں اسلام اور مسلمانوں کی تقویت کا ان شاءاللہ سبب بنے گا۔

آج بھارت میں ہندوؤں کا بچہ بچہ، چھوٹی لڑکیاں اور نوجوان عورتیں تک اسلحے کی تربیت حاصل کر رہی ہیں، تلواریں لہرا رہی ہیں اور رام و کرشن کے باغیوں کو کاٹ دینے کی قسمیں کھا رہی ہیں، حتیٰ کہ ایک بین الاقوامی ادارے کی بنائی گئی دستاویزی فلم کے مناظر میں دیکھا جا سکتا ہے کہ ایک ہندو لڑکی دیسی ساختہ بارود سے بم بنانے اور مسلمانوں کو اڑانے کی باتیں کر رہی ہے۔ اسی دستاویزی فلم میں سکول کی بچیوں کے ایسے مناظر ہیں جن میں چھوٹی بچیوں کو بندوق کے حصوں/پرزوں کی پہچان کروائی جا رہی ہے کہ یہ بندوق کی نالی (barrel) ہے، یہ لبلبی (trigger) ہے، یہ کُندہ ہے۔ اس رائفل کے کُندے کو یوں کندھے سے ٹکانا ہے، یوں نشانہ باندھنا ہے اور چہرے پر سنجیدگی کے ساتھ گولی چلانی ہے جس سے مخالف قتل ہو جائے گا۔ سکول کی بچیوں کو رائفل کی تربیت دینے والی استانی پوچھتی ہے کہ کیا ساری زندگی سبزیاں ہی کاٹتی رہو گی؟ یہ بچیاں اس کے بعد اپنی مسلح قوت کا مظاہرہ بھارت کی شاہراہوں پر کرتی ہیں جس میں نعرے لگاتی ہیں کہ 'کشمیر ہمیں پکار رہا ہے! بھارت ماتا ہمیں پکار رہی ہے، اپنی پیشانی پر خون کا سِندور لگاؤ اور دشمن کا استقبال گولیوں سے کرو اور اگر اس دیش میں رہنا ہو گا، وندے ماترم پڑھنا ہو گا!'۔

جارحیت اور جنگ کی اس قدر تیاری کو چند سیاسی و سفارتی حکمتِ عملیوں سے پچھاڑنا دیوانے کا خواب ہے۔ ہمیں اپنے بیٹوں کو ۱۸۵۷ء سے پہلے کے شاہی خاندان کی 'شہزادیاں' نہیں بنانا کہ جنھوں نے انگریز کے حملے کے بعد جب قدم زمین پر رکھے اور بھاگیں تو ان کے ملائم پیر پھٹ گئے اور خون بہنے لگا۔ آج بھارت میں بھگوا دہشت گرد مسلمانوں کی بیٹیوں کا رقص دیکھنے اور ان کی عزتیں پامال کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم جانیں کہ کشمیر نے کس کو پکارا ہے؟ ماتھے پر سرخ پٹی باندھ کر ایمان اور عزتوں کے دشمن کو خون میں نہلانا کس کی سنت ہے؟ لا الٰہ الا اللّٰہ کے کلمے کو پوری دنیا میں غالب کر کے بطورِ شعار پڑھنا پڑھانا کس دین کی تعلیم ہے؟

آج ہم اہلِ ایمان کو ایک چومکھی لڑائی لڑنا ہے۔ ایک طرف ہندتوا وادی (ہندو دہشت گرد) ہیں جن سے مسلح دفاع و ٹکراؤ درکار ہے تو دوسری طرف وطنیت اور سیکولرازم کا بت ہے جسے فکری محاذ پر شکست سے دوچار کرنا ہے۔ ہمیں جہادِ ہند اور غزوۂ ہند کے اہم تر دروازے، 'کشمیر' کی تحریکِ جہاد میں پورا عسکری زور ہندو بنیے پر رکھنا ہے تو ساتھ ہی رہبروں کے روپ میں رہزنوں کی چالوں سے بھی باخبر رہنا ہے۔ صفوفِ مجاہدین ہی کے دائیں بائیں اٹھنے والے خوارج سے بھی ہمیں اپنا دامن بچانا ہے، وہ خوارج جنھوں نے عراق و شام کے پُر بہار جہاد کو خزاں میں بدلا، جنھوں نے یمن تا مالی

جہادی صفوں میں نقب لگائی اور جن کے ہاتھوں امتِ مسلمہ کے عوام کی نہ عزتیں محفوظ ہیں نہ جانیں۔ ان داعشیوں نے امرائے جہاد کو ناحق قتل کیا، اپنی مخالفت کرنے والے اہل السنۃ والجماعۃ کے ہر عالم کی تکفیر کی اور دمشق تا کابل عالی قدر علمائے کرام کو چھریوں سے ذبح کیا۔ ایسے خوارج کا اولاً فکری محاذ پر اور خدانخواستہ یہ خوارج جنگ کو عسکری میدان تک لے جائیں اور مجاہدینِ امت پر وار کرنے لگیں تو عسکری میدان میں ان کے خلاف اپنا دفاع بہر حال اولیٰ ولازمی ہے، لیکن ہماری دانست میں اولاً ان خوارج سے آگے بڑھ کر اقدامی جنگ چھیڑنا دین و عقل کی بات نہیں۔

غزوۂ ہند کے لیے ارضِ نصرت و اعداد پاکستان میں بھی وطنیت، جمہوریت کا سراب اور آئین کی بالا دستی ہی کا نظریہ ہے جس نے اسلام کو اس ملک میں نافذ نہیں ہونے دیا۔ پاکستان میں نفاذِ اسلام کا پہلا مرحلہ نظامِ باطل کی پہچان اور بطلان ہے اور اس کے بعد جمہوری تماشوں اور غیر اسلامی آئین کی لگائی باڑ میں میں نہیں شریعتِ مطہرہ کی حدود میں نفاذِ اسلام کی مبارک محنت ہے۔ محض سٹریٹ پاور، دھرنوں، جلسوں اور جلوسوں سے اسلام غالب ہونے والا نہیں، چند بلدیاتی انتخابات اور اس میں اگر اہلِ خیر غالب آ جائیں تو ندی نالوں کی صورت اختیار کی ہوئی سڑکوں کی درستگی اور لوڈ شیڈنگ سے نجات ہمارا بنیادی مسئلہ نہیں۔ آئین کی حدود میں پر امن تحریکات کبھی سود مند نہیں ہو سکتیں اور اگر یہ مظاہرے اور دھرنے اور پھر بیلٹ کا زور کسی اسلامی پارٹی کو غالب کر بھی دے تو یہ نظام اسی اسلامی پارٹی سے ہر غیر اسلامی فعل کرواتا ہے اور پھر کچھ عرصے بعد اس نظام کے حقیقی پاسداران یعنی اسٹیبلشمنٹ ان اسلامی پارٹیوں کا دھڑن تختہ کر دیتے ہیں۔ ہمارے سامنے حال ہی میں، مصر میں اخوان المسلمون اور تیونس میں حزب النہضۃ کی 'ناکام' مثالیں ہیں۔ اور اب تو دنیوی اعتبار سے بھی 'کامیاب' مثال ہمارے پڑوس میں امارتِ اسلامیہ افغانستان کی ہے۔ دراصل ہم خون کے بہنے بہانے سے ڈر جاتے ہیں اور پر امن راستوں کی طرف تکنے لگتے ہیں، حالانکہ شریعت کے بتائے ہوئے نظام اسلام کے نفاذ کے طریقے 'دعوت و جہاد فی سبیل اللّٰہ' میں جمہوریت کے مقابلے میں شاید دس فیصد بھی خون نہیں بہتا۔ دنیا میں آنے والا ہر انقلاب خون بہا کر آیا ہے، سافٹ ریوولیوشن (soft revolution) کوہ قاف یا یوٹوپیا کے جھوٹے قصے کہانیاں ہیں۔ پہلی اور دوسری جنگِ جہانی سے آج تک دنیا میں جتنا خون بہا ہے اس کا نوّے فیصد سے زائد نام نہاد جمہوریت ہی کی دیوی کے نام پر بہایا گیا ہے۔ اور وہ 'امن' جو ہم چاہتے ہیں، تو اس امن کو تو ربِّ ذوالجلال نے اتباعِ شریعت سے جوڑ دیا ہے۔ ماہِ جولائی ۲۰۲۲ء کے اوائل میں افغانستان میں امارتِ اسلامیہ کے تحت ہونے والے علمائے کرام و اکابرینِ ملت کے جلسے میں عالی قدر امیر المومنین، شیخ الحدیث والتفسیر مولوی ہبۃ اللّٰہ اخوندزادہ (نصرہُ اللّٰہ وحفظہٗ) نے کیسے جامع انداز میں ایک ہی جملے میں امن اور خوشحالی کو بیان فرمایا:

> ''جس قدر شریعت کا اتباع ہو گا...... اس قدر امن ہو گا...... پھر اقتصاد بھی بہتر ہو گا اور ترقی بھی ہو گی!''

اتباعِ شریعت کیا ہے؟ ذاتی زندگی میں ہوائے نفس کو چھوڑ دینا۔ دستر خوان سے بستر تک۔ تربیتِ اولاد سے بازاروں تک۔ سبھی امور میں شریعت کے طریق کی پابندی۔ ہر طاغوت کا انکار، وہ طاغوت قومی ہو یا بین الاقوامی، لسانیت، وطنیت، قومیت کے بتوں کو توڑ کر عدل و انصاف کو قائم کرنا۔ جب یہ ہو گا تو امن بھی ہو گا! اور اگر ہم شریعت کے بتائے طریق کو ذاتی زندگی سے بھی بے دخل کر دیں گے اور اجتماعی کوششیں بھی بیلٹ اور دھرنوں کی ہوں گی تو نتیجہ وہی ہو گا جو پچھلے ستّر برس سے زائد سے ہم دیکھ رہے ہیں۔

پس ڈھاکہ سے کلکتہ تک اور میسور سے دہلی تک، سری نگر تا مظفر آباد اور اسلام آباد تا کراچی، ہر مسئلے کا حل اپنی باگ شریعت کے حوالے کر دینے میں ہے۔ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کا دفاع و انتقام اتباعِ شریعت میں ہے کہ مختلف مواقع پر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے اپنے گستاخ کو قتل کرنے کا حکم فرمایا ہے اور اسی پر علمائے حق کا اجماع ہے۔

زیرِ نظر اداریے کی آخری سطور کے طور پر ہم غیرت مند امتِ مسلمہ کو سپہ سالارِ امت، شہیدِ اسلام، امامِ عزیمت، فخر العرب والعجم، شیخ اسامہ بن محمد بن لادن رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃ کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے مزکیٰ وفقیہ عالمِ دین، جماعت قاعدۃ الجہاد جزیرۃ العرب کے ایک مرکزی قائد شیخ حارث بن غازی النظاری شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول سے، حالاتِ حاضرہ اور امتِ مسلمہ کو بالعموم اور مجاہدینِ امتِ مسلمہ اور ان کے انصار واعوان کو بالخصوص درپیش مشکلات و آزمائشوں میں تسلی اور نصیحت پیش کرتے ہیں۔ جہاں یہ قول امت کے لیے بشارت ہے وہیں یہ قول امریکہ اور اس کے سرغنے جو بائیڈن سے لے کر بھگوا بھارت اور اس کے مودی تک کے لیے وعید ہے کہ وہ اسامہؒ اور اسامہ جیسوں کی شہادت پر خوشیاں نہ منائیں کہ ان شہادتوں کے سبب ان ظالموں کا یومِ حساب اس دنیا میں بھی قریب نہیں اقرب ہو گیا ہے!

شیخ حارث بن غازیؒ نے فرمایا:

> ”اے امریکیو! جان رکھو کہ ہمارے ہتھیار کبھی ہمارے ہاتھوں سے نہیں چھوٹیں گے اور اگر تم دیکھو کہ ہمارے ہتھیار ہمارے ہاتھوں سے چھوٹے ہیں تو اس کی ایک ہی صورت ہو گی اور وہ صورت یہ ہو گی کہ ہم شہید ہو جائیں گے۔ لیکن یاد رکھو! ہمارے ہتھیار تب بھی گریں گے نہیں، بلکہ ہمارے بیٹے ہمارے ہتھیار اٹھالیں گے اور تم سے جنگ جاری رکھیں گے!“

اللهم وفقنا كما تحب و ترضى وخذ من دمائنا حتى ترضى. اللهم زدنا ولا تنقصنا وأكرمنا ولا تهنّا وأعطنا ولا تحرمنا وآثرنا ولا تؤثر علينا وأرضنا وارض عنا. اللهم إنّا نسئلك الثّبات في الأمر ونسئلك عزيمة الرشد ونسئلك شكر نعمتك وحسن عبادتك. اللهم انصر من نصر دين محمد صلى الله عليه وسلم واجعلنا منهم واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلم ولا تجعلنا منهم، آمين يا ربّ العالمين!

♦♦♦♦♦

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

خطبہ از: امیر المومنین فضیلۃ الشیخ ہبۃ اللہ اخند زادہ

امیر المومنین شیخ الحدیث والتفسیر، مولانا ہبۃ اللہ اخند زادہ (حفظہ اللہ ونصرہٗ) کی کابل، امارتِ اسلامیہ افغانستان میں علمائے کرام اور اکابرینِ ملت کے جلسے میں کی گئی تقریر کا اردو ترجمہ

الحمد لله وكفىٰ وسلام على عباده الذين اصطفىٰ أما بعد،

فأعوذباالله من الشيطان الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ○ [1]

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الدين النصيحة". قيل "لمن يا رسول الله؟!"، قال: "لله و كتابه ورسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم". أو كما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم. [2]

صدق الله و رسوله النبى الكريم و نحن على ذلك من الشاهدين والشاكرين والحمد لله ربّ العالمين!

جلسہ ہٰذا اور مجلس ہٰذا کے قابلِ قدر بزرگان، حضرت شیخ صاحب اور آپ کے نائبین، اس کانفرنس میں شریک قابلِ قدر علمائے کرام، مجاہدینِ اولوالعزم، متدین و مخلص عوامی قائدین، اسلامی امارت کے محترم اور قابلِ قدر ذمہ داران اور افغانستان کے لائق قدر، اہلِ شرف، مسلمان عوام جو اس جلسے میں شریک ہیں، سبھی کو......

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

قابلِ قدر حضرات!

سب سے پہلے میں افغانستان کے اہلِ ایمان کو خصوصاً اور پوری دنیا میں بستے مسلمانوں کو عموماً افغانستان میں جو فتح رب جل جلالہ نے عظیم انعام کے طور پر عطا کی ہے، کی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ میں اس جلسے میں موجود تمام شیوخِ کرام، مجاہدینِ کرام، متدین و مخلص مسلمانوں کو بھی اس فتح کی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

اس فتح میں، دورانِ جہاد جس جس نے قربانیاں پیش کی ہیں، مجاہدین اور عوام میں سے جو لوگ شہید ہوئے ہیں ان کے لیے دعا کرتا ہوں کہ اللہ جل جلالہ ان کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور ان کی شہادتوں کو قبول فرمائے۔ مجاہدین اور افغانستان کے عوام نے جو زخم اور تکلیفیں اس جہاد کے دوران برداشت کی ہیں، اللہ جل جلالہ وہ سب اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ افغانستان کے اہلِ دین عوام نے پچھلے بیس سال میں جو بے شمار قربانیاں پیش کیں...... مجاہدین کے شانے سے شانہ ملا کر جو قربانیاں دیں، جہاد کو آگے بڑھایا اور کوششوں کو فتح سے ہم کنار کیا...... میں ان کا بہت زیادہ شکریہ ادا کرتا ہوں، رب جل جلالہ ان کی قربانیاں قبول کرے۔ اہلِ دین عوام اور مجاہدین میں سے شہید ہو جانے والوں کے یتیم بچوں کے حوالے سے پروردگارِ عالم سے مانگتا ہوں کہ ہمیں ان کی مدد کرنے والا اور ان کی حفاظت کرنے والا بنا دے۔ اللہ جل جلالہ اسلامی امارت، پیچھے موجود مجاہدین اور مخلص مسلمانوں کو ان یتیم بچوں کی صحیح پرورش کرنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ اس بیس سالہ جہاد میں ہونے والے یتیموں، بیواؤں اور طرح طرح سے ہونے والے معذوروں کی قربانی، رب جل جلالہ قبول فرمائے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم ان کی خدمت کر سکیں اور انہوں نے جو خدمت کی ہے اس کی قدر کر سکیں۔ اللہ جل جلالہ ان پر بھی رحم فرمائے اور قبول فرمائے جنہوں نے نمازیں پڑھنے کے بعد پہلا کام مجاہدین کے لیے دعا کا کیا، چاہے کبھی ایک بار ہی کیوں نہ کیا ہو۔ پوری دنیا میں جس کسی نے ہمارے جہاد کی حمایت کی، چاہے وہ قولی حمایت ہو، بصورتِ دعا ہو، اخلاقی لحاظ سے ہمارے جہاد کی حمایت ہو، رب جل جلالہ ان سب کاوشوں کو ہمارے جہاد کے برابر اجر عطا فرمائے اور اس جہاد کا اجر غزوۂ بدر کے جہاد جیسا عطا فرمائے۔ میں سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں، سب کا ممنون ہوں۔

آج کے زمانے میں اللہ جل جلالہ نے ہمیں امن عطا فرمایا ہے اور بہترین امن عطا فرمایا ہے۔ اسی طرح حال ہی میں ہمارے عوام قدرتی حادثات سے بھی گزرے، جیسا کہ پکتیکا اور خوست میں زلزلہ آیا۔ جو جو اس حادثے سے گزرا ہے تو رب جل جلالہ سے دعا ہے کہ دنیا و آخرت میں اس کو اجر سے نوازے اور اللہ جل جلالہ سب کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنے ان مصیبت زدہ بھائیوں کے ساتھ ہمدردی کریں اور ان کی خدمت کریں۔ ان کو اپنی دعاؤں میں نہ بھلائیے اور نہ ہی ان کی مدد کرنا بھولیں۔ اپنی روٹی میں سے ایک نوالہ اگر خود کھائیں تو ایک نوالہ ان مصیبت زدگان کے لیے چھوڑ دیجیے۔

محترم مسلمان بھائیو!

---

[1] (سورۃ العنکبوت: ۶۹)

[2] رواہ مسلم

علمائے کرام نے بہت اچھی باتیں کیں اور بہت اچھے مشورے دیے۔ افغانستان میں جہاد کی کامیابی محض افغانوں کے لیے کامیابی اور اعزاز کی بات نہیں ہے بلکہ یہ ساری دنیا کے مسلمانوں کے لیے ایک اعزاز ہے۔ (حالاً گزرے) رمضان کے شروع کے دنوں میں دنیا بھر کے مسلمانوں اور علمائے کرام نے مجھے رمضان المبارک کی آمد پر مبارک باد کے پیغامات بھجوائے، اور انہوں نے کہا کہ 'رمضان مبارک ہو! شیخ صاحب!'۔ دنیا بھر کے مسلمان اس بات پر خوش ہیں کہ اللہ نے مجاہدین کو فتح عطا فرمائی اور اسلامی عقیدے و مذہب کی حامل جماعت کو غالب فرمایا۔ یہ اس لیے ہے کہ مسلمان اسلام کو جانتے ہیں، انہوں نے اسلام کا مطالعہ کیا ہے، اسلام کے اخلاق اور احکام ان کو معلوم ہیں اور وہ یہ جانتے ہیں کہ اسلام ہر کسی کو اس کا حق دیتا ہے، اسلام کے تحت لوگوں کی زندگی پر امن اور محفوظ ہوتی ہے۔ جب مسلمان ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں 'السلام علیکم!'، جو یہ ثابت کرتا ہے کہ دینِ اسلام سلامتی کا دین ہے۔ ہر ایک دوسرے کو کہتا ہے کہ تم میری طرف سے محفوظ ہو، سالم ہو۔ اور ایمان کا درجۂ کمال تب حاصل ہوتا ہے جب ایک مسلمان کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ ہو۔ اسلام نے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ نہ کسی کو زبان سے تکلیف پہنچائیں، نہ ہاتھ سے، مال بھی محفوظ ہو اور عزت بھی۔ یہ اسلام کی تعلیم و تربیت ہے۔ پس جب لوگ دیکھتے ہیں کہ اسلامی شعار کے حامل کسی گروہ کو فتح ملی ہے تو لوگ خوش ہوتے ہیں۔ لوگ دیکھتے ہیں کہ اس بندے نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ جہاد کرے گا تا کہ اسلام ہر شے سے بالا ہو جائے اور اللہ کا کلمہ سب پر غالب آ جائے۔ یہ نعرہ ایک واجب اور لائقِ عزت نعرہ ہے۔ پس لوگ بہت خوش ہوتے ہیں جب اس نعرے کے تحت کوئی جماعتِ مجاہدین کامیاب ہو جائے۔ لوگوں میں یہ امید پیدا ہوتی ہے کہ یہ نعرہ اب عملی صورت اختیار کرے گا۔

جہاد فی نفسہٖ لوگوں کا قتل اور بستیوں کا اجاڑنا ہے، قتل العباد وتخریب البلاد! ہم نے پچھلے بیس سالوں میں یہ دیکھا ہے کہ گھر برباد ہوئے اور انسان قتل ہوئے، تخریب ہوئی۔ لیکن اس سب میں جس اچھائی کی امید تھی وہ یہ تھی کہ اس سب کے نتیجے میں ایک ایسا نظام آئے گا جو اسلامی نظام ہو گا۔ اللہ پاک نے یہ جہاد کامیاب فرمایا جس پر آج پوری امتِ مسلمہ خوش ہے۔ اور پُر امید ہے کہ وہ شعار، وہ نعرہ جو مجاہدین بلند کرتے تھے یا اپنی باتوں میں یا مذاکرات میں جو وعدے کرتے تھے کہ شریعت، خالص اسلامی شریعت کا نفاذ کریں گے، اب اس کا وقت آن پہنچا ہے۔ اب لوگ منتظر ہیں کہ اسلام کب آئے گا اور وہ نعرے کب عمل کی صورت اختیار کریں گے۔

دنیا کی حکومتوں میں سیاست اس طرح چل رہی ہے کہ ایک جماعت جب اقتدار میں ہوتی ہے تو اس کی مقابل جماعتیں دوسرا راستہ اختیار کر لیتی ہیں اور اسی (دوسرے راستے کی) طرف لوگوں کو بلاتی ہیں۔ کبھی اسلامی نعروں کے ذریعے دوسری جماعت کو گرانے کی کوشش کرتی ہیں۔ اور پھر جب یہ دوسری جماعت اقتدار میں آتی ہے تو لوگ اپنی حکومت کو اپنے ذاتی مفادات کی بقا کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو مسلمانوں کا کوئی غم نہیں ہوتا اور یہ مسلمانوں کے مفاد کی خاطر ایک بھی چیز عملاً نافذ نہیں کرتے۔ لہٰذا اب لوگ منتظر ہیں کہ دیکھیں جہاد کے دوران جو نعرے بلند کیے گئے تھے، وہ بھی عملی شکل اختیار کرتے ہیں یا نہیں؟!

مسلمانوں کی آرزو ہے کہ یہ نعرے عملی شکل اختیار کریں، چاہے یہ مسلمان دنیا بھر میں بستے ہوں یا افغانستان میں بستے ہوں، سبھی کی یہی آرزو ہے۔ یہ ان لوگوں کی آرزو ہے جن کے بچے اس جہاد میں شہید ہوئے۔ جن کے گھر برباد ہو گئے، یہ ان کی تمنا ہے۔ میرے بیٹے کا معزز خون، میرے معصوم بیٹے کی روح جو اس راستے میں کام آ گئی، یہ وہ خون ہے جو اللہ کے یہاں نہایت محترم ہے کہ اللہ جل جلالہ قرآن پاک میں ان کا ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ معزز لوگوں کو اس راستے میں قبول کرتے اور شہادت عطا فرماتے ہیں۔

یہ سب کچھ اس نعرے کے تحت ہوا کہ اسلام غالب آئے گا، شریعت غالب آئے گی، امن آئے گا۔ پس اب ان سب کے آنے کا وقت ہے۔ لفظِ امنیت میں، اس کی روح میں یہ پنہاں ہے کہ اسلام کے مقاصد عمل میں ظاہر ہو جائیں اور اسلام کے مقاصد کے راستے میں حائل رکاوٹیں ہٹ جائیں۔ بیس سال قبل افغانستان میں کوئی شریعت اور دین کی بات بھی نہیں کر سکتا تھا۔ جو اسلام کا نام لیتا وہ جیل جاتا، مارا پیٹا جاتا یا تعذیب کا نشانہ بنتا۔ اس جہاد کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب 'دعوت الی اللہ' آزاد ہو گئی۔ شریعت کی طرف دعوت آزاد ہو گئی۔ شریعت کی حاکمیت کا راستہ ہموار ہو گیا اور موانع راہ سے ہٹ گئے۔ لہٰذا اللہ جل جلالہ کی شریعت کو زمین میں نافذ، اور فوراً نافذ کرنے کے لیے ہمیں انتظار نہیں کرنا چاہیے، جیسا کہ ہم نے نفاذِ شریعت کا وعدہ کیا ہے وہ عملاً ہو جانا چاہیے۔

دنیا میں بستے کافروں کی جنگ ہمارے ساتھ زمین کے کسی ٹکڑے یا پیسوں کی خاطر نہیں تھی۔ ان کی ہمارے خلاف جنگ نظریے کی جنگ تھی، عقیدے کی جنگ تھی۔ وہ ہمارے خلاف اس لیے لڑتے تھے کہ ہمارے نظریے اور عقیدے کو ختم کر دیں، جہاد اور شریعت کی آواز کو ختم کر دیں۔ اور یہ جنگ ابھی بھی ختم نہیں ہوئی۔ آج بھی یہ جنگ جاری ہے اور قیامت کے دن تک جاری رہے گی۔ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ [1]...... یہ دو جماعتیں، دھڑے چل رہے ہیں، نہ میں ان کو اجازت دوں گا کہ یہ اپنا قانون مجھ پر نافذ کریں اور نہ یہ مجھے چھوڑیں گے کہ میں اپنا قانون ان پر نافذ کروں۔ اور یوں یہ مقابلہ تامرگ جاری رہے گا۔ میں مروں گا تو کوئی اور میری جگہ آ جائے گا، پھر اس کی جگہ کوئی اور...... اور اس کی جگہ پھر کوئی اور، یوں یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ میرے اور ان کے درمیان کوئی امن معاہدہ نہیں ہے۔ اسلام اور کفر کا جو مقابلہ ہے، نہ اس کو ختم کرنے کے لیے کوئی عہد ماضی میں ہوا ہے، نہ ایسا کوئی عہد ہے اور نہ اس کا امکان ہے کہ ایسا معاہدہ کبھی ہو گا۔

---

[1] یہ (مومن اور کافر) دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے بارے میں ایک دوسرے سے جھگڑا کیا ہے۔

دیکھیے یہ لفظِ شریعت منہ سے بولنے میں بڑا میٹھا اور معزز ہے، اس کو بولنے کا بہت مزا آتا ہے۔ لیکن جب اس کو عملاً نافذ کریں گے تو اس کے لیے آپ کو لڑنا پڑے گا، سختیاں برداشت کرنا ہوں گی، اور جہاں کہیں جائیں گے اس لفظِ شریعت کے ساتھ سر پر کفن باندھ کر جائیں گے۔ آج کی موجودہ دنیا آسانی سے آپ سے متفق نہیں ہو جائے گی کہ آپ اسلام کا نظام لانا چاہیں اور یہ دنیا والے آپ کو کہیں کہ لے آؤ۔ تاحال شریعت کا عملی پہلو، قصاص اور حدود اللہ نافذ نہیں ہوئیں۔ اگر ہم ان کا فوری نفاذ کرتے ہیں تو کافر اس پر ردِّ عمل دکھائیں گے۔ لیکن بھائیو! میں آپ سے کہتا ہوں کہ ہمارے ساتھ بس ایک ہی رب جَلَّ جَلَالُہٗ کی نصرت ہے، وہی ہمارا مددگار ہے اور اسی کی رضا ہمیں مطلوب ہے۔ باقی دنیا کے افکار ہم اللہ کے مقابل قبول نہیں کرتے۔ مومن کے لیے یہ صحیح نہیں ہے کہ ان (دنیا والوں) کی وہ باتیں مانیں جن سے اللہ ہم سے ناراض ہو جائے۔ ہم اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کو راضی کریں گے اور اس سے مدد طلب کریں گے جس نے دنیا کی سب سے متکبر قوت کو افغانستان میں شکست سے دوچار کیا اور بھگایا۔

قطر میں مذاکرات شروع ہوئے تو یہ ظاہر ہو گیا کہ امریکی یہاں سے اب جانے والے ہیں، شرطیں طے ہونے لگیں کہ یہ شرط ہو گی اور وہ شرط ہو گی۔ مجھ پر بھی یہ امر ظاہر ہو گیا کہ امریکی یہاں سے چلے جائیں گے لیکن یہاں اپنے غلاموں کو چھوڑ جائیں گے اور وہ غلام امریکہ کے جانے کے بعد ہم سے لڑیں گے اور پھر ہماری آپس میں جنگ ہو گی۔ افغان آپس میں لڑیں گے اور ایک دوسرے کو ماریں گے، اس حوالے سے میں بہت فکر مند تھا۔ لیکن رب جَلَّ جَلَالُہٗ نے ایسے نصرت فرمائی کہ امریکیوں کے جانے سے پہلے ہی یہ مسئلہ ختم ہو گیا۔ پروردگارِ عالم نے یہ مسئلہ ختم فرما دیا۔ افغانستان میں مسلمانوں کا قتل ہم نے کبھی ایک لمحے کے لیے بھی اپنا مقصد و ہدف نہیں بنایا۔ اگر ہم مسلمانوں کو قتل کرنا اپنا مقصد بنالیں گے تو ہماری جانیں قصاص میں چلی جائیں گی۔

ہاں، اگر ہماری جنگی کارروائیوں کے نتیجے میں افغان مسلمانوں کو ضرر یا نقصان پہنچا یا یہ قتل ہوئے تو اس لیے کہ ہم کافروں کو یہاں سے بھگانا چاہتے تھے اور اس وقت جس طرح کا پرامن ماحول ہے، اس طرح کا ماحول لانا چاہتے تھے۔ جو افغان ان کافروں کے ساتھ کھڑے تھے ان کو بھی مارنا ہمارا مقصد نہ تھا لیکن یہ خود کافروں کے گرد ایک حصار کی مانند کھڑے ہو گئے، ان لوگوں نے اپنے آپ کو ان کافروں کے لیے ڈھال بنالیا۔ ورنہ افغانوں کا قتل چاہے وہ چھوٹے ہوں یا بڑے، مرد ہوں یا عورتیں، کبھی بھی ہمارا مطمح نظر نہیں تھا۔ یہ افغان ہیں اور ہم ان کی عزت کرتے ہیں لیکن کافروں کو ہم عزت نہیں دیتے۔

جب ہمیں معلوم ہو گیا کہ کافر جا رہے ہیں تو ہم نے اپنے افغانوں پر دباؤ ڈالا کہ وہ ہتھیار ڈال دیں اور تسلیم ہو جائیں۔ جو کچھ انہوں نے کیا ہم نے وہ سب معاف کر دیا، حالانکہ انہوں نے بہت سے جرائم میں حصہ ڈالا تھا۔ مجاہدین کی لاشیں ٹینکوں سے باندھ کر گھسیٹیں، مجاہدین کے سروں پر ٹینک چڑھائے، انہوں نے ایسے ظلم کیے جو تاریخ میں پہلے نہیں کیے گئے۔ انہوں نے یہ ظلم حفاظِ قرآن پر ڈھائے، مدرسوں کے طالب علموں پر اور اولیائے کرام پر کیے۔ اگر مسجد و مدرسے کا طالبِ علم ولی نہیں ہے تو کوئی اور ولی ہے ہی نہیں۔ وہ اپنا سارا وقت اللہ کے ذکر میں گزارتے ہیں۔ انہوں نے اللہ کے ذاکرین اور اللہ کے اولیا پر ٹینک چڑھائے، خیر ہے۔ اگر اللہ کی شریعت مجھے اختیار دیتی ہے کہ اس سب کے باوجود میں ان کو معاف کر دوں تو میں معاف کرتا ہوں۔ بہرکیف، میں نے علما سے بات کی اور کہا کہ جو لوگوں کے ذاتی حقوق ہیں، وہ میں معاف نہیں کر سکتا۔ مگر شریعت نے جو حق مجھے عام معافی کا عطا کیا ہے وہ استعمال کرتے ہوئے میں انہیں معاف کرتا ہوں۔ میں نے یہ فتویٰ ان علمائے کرام سے حاصل کیا اور یہ اب بھی میرے پاس موجود ہے۔

مجاہدین کا جہاد للہ فی اللہ جہاد تھا اور اگر مجاہدین کا جہاد اور اخلاص للہ فی اللہ نہیں تھا، اور یہ بات مجھ پر ابھی اسی وقت ثابت ہو جائے کہ یہ اس وقت للہ فی اللہ نہیں ہے، تو میں اس منبر پر کھڑا ہو کر قسماً کہتا ہوں کہ ایک رات بھی طالبان کے ساتھ نہ گزاروں۔ اس لیے کہ میں مسلمان ہوں، آخرت کی فکر مجھے دامن گیر ہے، اپنے مسلمان ہونے کی فکر مجھے دامن گیر ہے، میں کسی ایسی جماعت میں وقت گزاروں گا جو میری آخرت کے لیے فائدہ مند ہو۔ اگر مجھے کوئی اور مخلص اور نیک گروہ دنیا میں نظر آ جائے تو میں طالبان کے ساتھ نہ رہوں گا اور اس دوسرے گروہ میں شامل ہو جاؤں گا لیکن میں ایسی کوئی دوسری جماعت نہیں پاتا۔ ان کی حقانیت اور صالحیت کی نشانی یہ ہے کہ اس اعلان کے بعد انہوں نے عام معافی کو نافذ کیا جو اب بھی نافذ العمل ہے۔ یہ بھی ہماری اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارا مقصد نہ پہلے کبھی افغانوں کو مارنا اور قتل کرنا تھا اور نہ ہی اب ہے۔ اگر ہم نے مارا ہے تو ایک عظیم مقصد کی خاطر، اسلام کے قیام کے مقصد کی خاطر، امن لانے کی خاطر اور اللہ کی وہ حدود جنہیں اللہ نے امن کے لیے لازم کیا ہے، ان کو نافذ کرنے کی خاطر۔

امن و امان قائم ہوا جو مقاصدِ جہاد میں سے تھا، اسلامی نظام کے شعبہ جات، وزارتیں، عدلیہ، صوبائی دفاتر اور حکومت میں اکثریت مجاہدین، علمائے کرام اور متدین افراد کی ہے۔ جس طرح شہروں میں عام عوام کے لیے امن و امان کا ماحول بنانا ضروری ہے، اسی طرح حکومت و نظام کے اندر بھی امن لانا ضروری ہے۔ حکومت میں ایسے لوگوں کی موجودگی ضروری ہے جو حکومتی اداروں کے اندر فساد، رشوت خوری اور بد معاشی کو ختم کر کے عدل نافذ کریں۔ حکومت میں قرابت داروں کو نوازنے کی روایت، قومیت اور علاقہ پرستی کے رجحان کو ختم کریں، لہٰذا حکومت میں امن لانا ضروری ہے۔ اگر حکومت و نظام میں رشوت خوری، خود غرضی، زور زبردستی، قرابت داروں کو نوازنے، قومیت اور علاقہ پرستی جیسے اعمال و افعال پائے جاتے ہوں تو پھر وہ حکومت نہیں رہتی، وہ افراد کی ذاتی اغراض کی محافظ بن جاتی ہے۔ ایسی حکومت چند روز چلتی ہے اور پھر ختم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا حکومت کے اندر امن کا ماحول لانا ضروری ہے، تصرفِ امیر یا اس کے ماتحت افراد کا تصرف، ان سب کے تصرفات کا تعلق

اُمت کے مسائل سے جڑا ہے، ہماری نظریں اُمت کے عام مسائل پر ہونی چاہییں نہ کہ اپنی ذاتی اغراض پر۔ ذاتی اغراض تو یہ ہیں کہ اپنے بیٹے، بھائی اور رشتہ داروں کو حکومت میں داخل کر کے حکومتی دفاتر کو اپنا گھر بنادیں اور عام عوام کے مسائل کو پس پشت ڈال دیں۔ یہ طریقہ تو پچھلی حکومت میں بھی رائج تھا لیکن امن نہیں تھا، امن و ثبات لانے کی پہلی شرط ذاتی خواہشات کو چھوڑنے اور ترک کرنے میں ہے۔ ہمیں اپنی تمام تر خواہشات کو شریعت کے تابع کرنا ہو گا، اپنے آپ میں، اپنے ادارے اور گھرانے میں شریعت کو نافذ کرنا ہو گا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر تمہارے گھر میں شریعت نہ ہو تو تم کیسے دعویٰ کرسکتے ہو کہ اس ملک میں شریعت نافذ کرو گے؟! اگر تمہارا ادارہ، تمہارا اپنا جسم شریعت کے تابع نہ ہو تو تمہارے اس دعوے کو لوگ کب تک سچا مانیں گے کہ تم اس زمین پر اللہ کا دین اور اللہ کی شریعت نافذ کرنا چاہتے ہو۔ پھر تو یہ دعویٰ جھوٹا ہوا۔ لہٰذا شریعت کا نفاذ اپنے آپ سے شروع ہوتا ہے، سب سے پہلے میں اپنے آپ کو شریعت کے تابع کروں گا نہ کہ شریعت میرے تابع ہو گی کہ جو میں کروں وہی شریعت کہلائے؟ نہیں! میں اپنے آپ کو شریعت کے تابع کروں گا۔ یعنی میزانِ شریعت میں مَیں اپنے آپ کو ڈالوں گا۔

اب کیسی شریعت؟ شریعت کیا کہتی ہے؟ ایک مسئول کو کہا جائے کہ فلاں آدمی کو تعزیر دو، فلاں کو قیدی بناؤ، اِس کو مارو، اُس کو گرفتار کرو...... اب کس بندے کو قیدی بنانا ہے؟ کس بندے کے ساتھ لب و لہجہ سخت رکھنا ہے؟ ان تعزیرات کے منازل و مراتب آپ کو معلوم ہونے چاہییں۔ بحیثیتِ اسلامی نظام کے ایک والی (گورنر) یہ تمام امور واضح ہونے چاہییں کہ یہ کس طریقے سے ہوں گے، کیونکہ آج آپ کے ذمہ اُمت کی سرپرستی ہے۔

سب انسان حقوق مانگتے ہیں، مرد، خواتین، سفید ریش بزرگ، جوان، عالم، یتیم اور بیوائیں سب حقوق مانگتے ہیں، ان کی ضروریات کو آپ نے پورا کرنا ہے۔ اگر آدمی اپنی ذاتی اغراض میں لگ جائے کہ پہلے اپنی اغراض پوری کروں بعد میں باقیوں کو دیکھوں گا، تو پھر بے امنی پھیل جائے گی۔ یعنی اگر اپنی ذاتی خواہشات کو ہم گلے لگائیں گے تو پھر امن قائم نہیں ہو سکتا۔ پچھلی حکومت و اداروں میں ذاتی خواہشات کا راج تھا، امن و امان نہیں تھا۔ مجاہدین نے اپنے شعار میں شریعت کو حاکم بنایا ہے، جب ذاتی خواہشات درمیان سے نکلیں تو امن و امان قائم ہوا، اس امن و امان کو برقرار رکھنے کے لیے شریعت پر عمل لازم ہے، خواہشات اور خود غرضی کو پیچھے چھوڑنا ہو گا۔ جس طرح شیخ صاحبان نے آپ کے سامنے بیان کیا کہ ذاتی خواہشات اور خود غرضی کو ہم اس وقت پیچھے چھوڑ سکتے ہیں جب آپ اپنے امرا کی اطاعت کریں، ان کے مقام و مرتبے کے مطابق۔ ضلعی مسئول کی اطاعت ان کے ماتحتوں پر واجب ہے، ان کی اطاعت اس حیثیت سے کریں جیسے امیر المومنین کی اطاعت کی جاتی ہے۔ ضلعی مسئول والی (گورنر) کی اطاعت کرے، والی (گورنر) وزیر کی اطاعت کرے اور اسی طرح ہر ایک اپنے اوپر متعین امیر کی اطاعت کرے اور ان کے منازل و مراتب کا لحاظ رکھے، پھر ذاتی خواہشات ختم ہوں گی۔

اور اگر اس طرح کی بے نظمی شروع ہوئی کہ ہر ایک کہے کہ میں ہی حاکم ہوں، دوسرے امیر کی ضرورت نہیں۔ ہر ایک دوسرے کے کام میں مداخلت کرتا رہے، ایک دوسرے کی شکایت کرتا رہے، ایک دوسرے کے ساتھ حسد و ضد کرتا رہے، تو پھر دنیاوی امور میں اختلافات پیدا ہو جائیں گے اور ایک دوسرے سے کندھے ٹکراتے رہیں گے جس طرح پچھلی حکومت میں یہ سب ہوتا رہا۔ پھر جب ذاتی خواہشات و اغراض پیدا ہو جائیں تو اس بات کا امکان ہی نہیں کہ امن و امان قائم ہو گا۔ شریعت کی حاکمیت ان دو جماعتوں کی مسئولیت ہے، ایک وہ حاکم جو صاحبِ اقتدار ہے اور دوسرے علمائے کرام، یہ دونوں اگر ساتھ ملے ہوں، حکام علمائے کرام کے شرعی احکام و اخلاق، ان کے نصائح اور ہدایات پر عمل کریں اور علمائے کرام ان مسئولین کو ہر قیمت پر انحراف سے روکیں، چاہے نرم لہجے سے یا سختی سے۔ اگر علمائے کرام اپنی یہ ذمہ داری ادا کریں اور حکام اپنے آپ کو علما سے مستغنی نہ سمجھیں تو پھر شریعت کا صحیح طور پہ نفاذ ممکن ہے۔

لیکن اگر حکام علما سے مستغنی ہو گئے، علما کے لیے ان کے دروازے بند ہو گئے، مہینہ مہینہ علما کا ان سے ملنا مشکل ہو گیا، حاکم علما سے ملاقات نہ کرتا ہو کہ میرے پاس ٹائم نہیں، میں حکومتی امور میں مصروف ہوں، یہاں اگر حاکم اور علما کے درمیان فاصلہ پیدا ہو گیا تو پھر شریعت نافذ نہیں ہو گی۔

طالبان کی جہاد میں جو ذمہ داری تھی اس کو انہوں نے نہایت ہمت اور بطریقِ احسن تکمیل تک پہنچایا۔ انہوں نے قربانیاں دیں، فدائی کارروائیاں کیں، اپنے گوشت اور ہڈیوں سے کفار کے ساتھ سخت مقابلہ کیا، رب جل جلالہ ان سب کی قربانیاں اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ انہوں نے میدان جیت لیا، ان کے ذریعے اللہ جل جلالہ نے فتح عطا فرمائی، یہ ان کے خون کی برکت ہے۔ اب نفاذِ شریعت کا وقت آیا ہے، طالب نہیں جانتا شریعت کیسے نافذ کرنی ہے؟ یہ علم عالم رکھتا ہے، شریعت کا حکم مولوی جانتا ہے۔ علما کو اس وقت نظام کے ساتھ کھڑا ہونا پڑے گا، ان کو ایسی اطاعت کرنی ہو گی کہ اپنے عمل سے دوسروں کو درس دیں، صرف افغانیوں کو نہیں بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو، کیونکہ دنیا بھر کے مسلمان اب افغانیوں سے ہدایت و رہنمائی چاہتے ہیں۔ دنیا آپ کی علمی و اخلاقی رہنمائی کی منتظر ہے، آپ کو چاہیے کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کا حال احوال و خیریت معلوم کریں۔ آپ کو چاہیے کہ ان کو بتائیں کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا، وہ آپ کے منتظر ہیں۔

آپ علمائے کرام صرف افغانستان میں شریعت کو کامیاب نہیں کریں گے، بلکہ دنیا بھر میں شرعی رہبری اور رہنمائی یہی افغانستان کے علما کریں گے۔ حاکم علما ہوں گے، وزارتوں میں علما

بیٹھیں گے، عدالتوں میں علما بیٹھیں گے، صوبائی دفاتر میں علما بیٹھیں گے، ضلعی دفاتر میں علما ہوں گے۔ اس (جلسہ ٔہذا کی) طرح مجالس ہوں گی اور ان مجالس سے میں آپ کی تشکیلات کروں گا کہ فلاں عالم فلاں علاقے میں چلا جائے، یہ عالم اور وہ عالم عدلیہ میں چلا جائے، اور یہ دونوں عالم وزارتوں میں جائیں گے وغیرہ۔ اب جب میں اس طرح کی تشکیلات کروں گا، تو یہ بتایئے کہ آپ مجھ سے اپنے عذر بیان کریں گے یا اطاعت کریں گے؟ اطاعت کریں گے ناں! جی ہاں اطاعت کریں گے۔

دیکھیے! میرے ساتھ آپ سب اطاعت پر عہد کریں گے، اگر آپ میری نہیں مانیں گے، تو سنیے میں کوئی سیاسی حکمران نہیں ہوں۔ میں جمہوری حکومت کا کوئی صدر نہیں ہوں۔ میں انتخابات و الیکشن والا فرد نہیں ہوں، میں جھوٹے دعوے کرنے والا حکمران نہیں ہوں جو لوگوں کو جھوٹی امیدیں دلاتے ہیں اور جن کا اصل مقصد نام و نمود ہوتا ہے کہ دنیا میں عزت کمائیں۔ اگر مجھے آپ بڑا تسلیم کرتے ہیں تو میری اطاعت کریں گے۔ جب میں کسی سفید ریش بزرگ شیخ صاحب کو کہوں گا کہ آپ کی تشکیل قندھار سے بدخشاں ہے...... تو میں آپ سے جواباً صرف اور صرف اطاعت کی توقع کروں گا۔

ایک مولوی صاحب کو میں نے قندھار بلایا کہ آپ کی کابل تشکیل کر دی گئی ہے آپ کابل چلے جائیں، انہوں نے کہا میں تھوڑا مریض ہوں، میری بیٹی بھی مریض ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ اس کرسی پر بیٹھ جائیں میں آپ سے استفتاء کرنا چاہتا ہوں۔ 'جب میں کسی کا انتخاب کروں کہ اس کی فلاں جگہ تشکیل ہے پھر اس کا یہ عذر کیسا؟ کیا یہ عذر قابلِ قبول ہے؟ مولوی صاحب میں آپ سے استفتاء کر رہا ہوں؟ تھوڑی دیر وہ خاموش رہے پھر جواب دیا، نہیں اس کا یہ عذر قابلِ قبول نہیں۔ میں نے کہا جب قابلِ قبول نہیں تو پھر چلے جائیں تشکیل پر، اور وہ اگلے دن چلے گئے۔ شاید ابھی ادھر بیٹھے ہوں۔ اگر اس طرح کی وحدت حاکم اور علما میں نہ ہو، تو شریعت کی حاکمیت قائم کرنا ناممکن ہے۔ شریعت کے نفاذ کا دارومدار علما پر ہے، علما کو شریعت کے ساتھ کھڑا ہونا پڑے گا، ہم عوام...... ہمارا کام، اور ہمارا جہاد یہ ہے کہ ہم ان علما کے فیصلوں پر عمل کریں، فیصلہ اور حکم علما کا ہوگا اور عمل ہم کریں گے۔ اور اگر ان کے فیصلوں اور احکام پر ہم عمل نہیں کریں گے، یا ان کو فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں دیں گے، عدالتوں میں سفارشیں چلتی ہوں گی، کسی کا کوئی ساتھی یا ہم قوم قیدی بن جائے تو دوسری طرف سے اس کی رہائی کے لیے سفارشیں چل رہی ہوں، کہ مولوی صاحب اس کو قید نہیں کرنا...... یہ سب میں نہیں چاہتا...... میں قاضیوں سے کہتا ہوں کہ مزہ تو اس عدالت کا ہوگا جیسی حضرت علیؓ کی عدالت تھی، جس میں حضرت علیؓ ایک یہودی کے ساتھ ڈھال کے مسئلے پہ قاضی کے پاس چلے گئے اور پھر قاضی نے فیصلہ بھی حضرت علیؓ کے خلاف یہودی کے حق میں دے دیا۔ یہودی نے کہا کہ قاضی نے امیر المومنین کا فیصلہ میرے فائدے میں کر دیا۔ میں کہتا ہوں کہ میں اللہ سے یہ نہیں مانگتا کہ مجھے کوئی عدالت لے جائے، لیکن اگر اس طرح کی آزمائش مجھ پر یا میرے مسئولین پر آجائے اور وہ حضرت علیؓ کی مانند ان کے ساتھ عدالت چلے جائیں تو یہ میرا ہدف ہے، ایسی عدالت میں چاہتا ہوں۔ رب جَلَّ جَلَالُہٗ ایسا عدل لے آئے۔ کیونکہ عدل ایک حکومت کی بقا کا ذریعہ ہے۔ ظلم کی حکومت باقی نہیں رہتی۔ ایک مظلوم جیل میں بیٹھا ہے، بغیر کسی جرم کے اس کو قید کرنا، اس کو زدو کوب کرنا اور اس پر تشدد کرنا، تو یہ ایسی بد دعاؤں کا ذریعہ ہے جن کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب و پردہ نہیں، رب جَلَّ جَلَالُہٗ اس کی بد دعائیں سن کر قبول کرے گا اور رب جَلَّ جَلَالُہٗ ایک گھنٹے میں نہیں بلکہ ایک سیکنڈ میں پوری امارت کو گرا دے گا، رب جَلَّ جَلَالُہٗ قدرت رکھتا ہے وہ بے نیاز ہے۔ اگر عدل ہوگا تو بقا ہوگی، لیکن اگر عدل نہ ہو، ظلم کا دور دورہ ہو، خطائیں پیدا ہو جائیں، انتقام شروع ہو جائیں، بغیر عدالتی فیصلوں کے قتل شروع ہو جائے، تو یہ ملک تباہ ہو جائے گا۔ کیونکہ ظلم کے ساتھ بقا نہیں۔ علما کے حق پر مبنی فیصلے اور حکومت کا عملی نفاذ اس ظلم کو روک سکتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ایک آدمی پر پانچ روپے کا دعویٰ ہو اور اس کو اس کے سر اور کمر پر مارا جاتا ہو، جبکہ دوسرے آدمی پر دو سو مربع زمین کا دعویٰ ہو اور اس کو کوئی کچھ نہ کہتا ہو، کیونکہ اس کی سفارش کرنے والا کوئی موجود ہے، وہ حکومت میں اپنے لوگ رکھتا ہے، اثر و رسوخ رکھتا ہے۔ جیسا کہ پچھلی حکومت میں ہم نے دیکھا کہ جس کا زور چلتا وہی قدرت زیادہ رکھتا اور بدمعاش کھلے عام گھومتے پھرتے۔

مجھے خبر ملی ہے کسی نے مجھ سے کہا کہ ادھر کابل میں ایک بدمعاش کھلے عام قافلے کی شکل میں گھومتا ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر آپ لوگ اس کو گرفتار نہیں کر سکتے تو میں اس کو گرفتار کروں گا۔ اس سے ملت کو تکلیف پہنچتی ہے کہ یہ بدمعاش آج بھی بلٹ پروف گاڑیوں میں لشکر کی صورت میں بازار میں گھومتا پھرتا ہے، حالانکہ یہ وہ بدمعاش ہے جو کل تک ہمیں اپنے پاؤں تلے روندتا تھا، آج وہ بدمعاش اس امارت میں دوبارہ غرور و تکبر کے ساتھ گھوم رہا ہے۔ تو کوشش کیجیے ظالم کے ہاتھ میں اختیارات نہ دیں۔ ایک بازو بن کر متحد ہو جائیں تاکہ یہ مردار خور ہماری مقدس سرزمین پر دوبارہ نہ آسکیں، ان کو موقع نہ دیں۔ یہ امن و امان رب جَلَّ جَلَالُہٗ لے کر آئے ہیں۔ "الفتنة نائمة لعن الله من أيقظها."، (فتنہ سو رہا ہے اس پر لعنت ہو جو اس کو جگائے)۔ اختلافات کا فتنہ سو رہا ہے، وحدت و اتفاق کی فضا قائم ہوئی ہے، امن و امان قائم ہے، اللہ کی لعنت ہو اس پر جو اس فتنے کو اٹھائے کیونکہ پوری ملت دربدر ہو جائے گی اور دوبارہ جنگ شروع ہو جائے گی۔ مفسدین اور زور و قوت دکھانے والوں کو نہ چھوڑیے گا، ان کو اپنی صفوں سے نکال باہر کریں، صف میں ایسے لوگوں کو نہ چھوڑیے گا جو لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا کا مصداق ہیں۔ (اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوتے تو سوائے فساد پھیلانے کے تمہارے درمیان کوئی اور اضافہ نہ کرتے)۔

علما، نیک افراد اور مدبرین کے ساتھ مشورہ کیجیے، برے لوگوں کے ساتھ مشورہ نہ کریں اور برے لوگوں کو اپنے ساتھ بھی نہ رکھیں۔ ان کو مضبوط نہ کریں، ان کی قدر نہ کریں، آج کل یہ جو سلسلہ جاری ہے قدر و اعزاز دینے کا، اس حوالے سے جس طرح شیخ صاحب نے کہا کہ ایک

توبہ ہے اور ایک معافی ہے، ہاں میں نے معاف کیا ہے، کوئی مجاہد کسی نئے جرم کے بغیر......یعنی کسی نے نیا جرم نہ کیا ہو، پرانے جرم پر پچھلی حکومت کے کسی اہلکار کو ماردے تو میں اس کے خلاف عدالتی کارروائی کروں گا اور اس عدالت کے لیے میں نے اصول وضوابط بنائے ہیں اور فتویٰ دیا ہے۔ معافی کا مطلب یہ ہے کہ اس کو قتل نہیں کیا جائے گا، اس کے پچھلے اعمال پر اس کا محاسبہ نہیں کیا جائے گا، لیکن اس معافی کا مطلب یہ بھی نہیں کہ ہم انہیں اپنے ساتھ بٹھا لیں، یا اپنی کوئی مسؤلیت ان کے سپرد کر دیں۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو اس سے شہداء کی اولاد و والدین اور مجاہدین کے دل چھلنی ہو جائیں گے۔ دوسرا یہ کہ یہ لوگ ایک بار امتحان سے گزرے ہیں، اب ان سے احتیاط کیجیے۔

علمائے کرام کو کہنا چاہتا ہوں کہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ آپ سب کی کاوشوں کو قبول فرمائے۔ آپ نصیحت کیجیے کہ 'الدين النصيحة'! مگر نصیحت کس کو کریں گے؟ آپ نے نصیحت ہمیں کرنی ہے، ہم آپ کی نصیحت کے محتاج ہیں۔ 'ولأئمة المسلمين' (اور نصیحت مسلمانوں کے اماموں کے لیے ہے)۔ لیکن آپ سے ایک درخواست ہے، وہ یہ کہ جب ہمیں نصیحت کرنی ہو تو ایسے طریقے سے کریں جو پُر اثر ہو۔ ایک نصیحت اعلانیہ ہوتی ہے، اس کا مقصد مسئولین کے عیوب سے لوگوں کو باخبر کرنا، یا اعلانیہ طور پر تنقید و اعتراض کرنا ہوتا ہے۔ اعلانیہ نصیحت سوائے معیوب بات کے کچھ نہیں[1]۔ یہ جو آپ میڈیا پہ کھڑے ہاتھ ہلا کر کہتے ہیں کہ یہ کام آپ نے کیوں نہیں کیا؟ امیر المومنین صاحب آپ یہ کیوں کر رہے ہیں؟ یہ تو شریعت کے خلاف ہے۔ دیکھیے یہ تو مجھے نصیحت نہیں ہے، نصیحت تو اسے کہتے ہیں جب میں اور آپ ایک ساتھ آمنے سامنے ہوں، پھر آپ مجھے نصیحت کریں۔ لیکن جب آپ عالمی میڈیا پر آکر بات کرتے ہیں، تو بجائے اس کے کہ وہ نصیحت اثر کرے الٹا اس کا نقصان ہوتا ہے، وہ نظام کو سست کر دیتی ہے، بے اعتمادی جنم لیتی ہے اور اس سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے علما اور امارت کے درمیان فاصلہ ہے اور علما امارت پر حملہ کر رہے ہیں۔ آپ کی نصیحت سر آنکھوں پر، قبول ہے، لیکن آپ سب کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے کہ جب سلطان کو نصیحت کرنی ہو تو اس کو ہاتھ سے پکڑ کر تنہائی میں لے جاؤ اور اس کو نصیحت کرو۔ اگر تمہیں وہ منکر پر امر کرے تو اس کی اطاعت نہ کرو۔ لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق (مخلوق کے کسی ایسے حکم کی تابعداری جائز نہیں جس سے خالق کی نافرمانی ہو)۔ اگر وہ تمہاری نصیحت قبول نہیں کرتا اور معصیت میں مبتلا ہے تو تم اس پر صبر کرو۔

آپ کو معلوم ہے کہ حجاج بن یوسف مدینہ کا حاکم تھا، جس نے امت کو ہلاک کیا۔ ایک لاکھ بیس ہزار صحابہ اور تابعین کو اس نے حکماً پھانسی دی۔ مزاحمت اور جنگ میں جن کو شہید کیا وہ اس کے علاوہ ہیں۔ حضرت انسؓ جو رسول اللہ ﷺ کے خادم تھے، آپؓ بزرگ صحابی تھے جو مدینہ منورہ میں رہ رہے تھے۔ آپؓ عبدالملک بن مروان کے پاس شام جاتے ہیں، اور اس کو صرف اس قدر کہتے ہیں کہ 'یہ حجاج لوگوں پر سختی کرتا ہے'۔ اس نے ایک لاکھ بیس ہزار صحابہ کو شہید کیا اور آپؓ نے صرف سختی کا لفظ استعمال کیا! وجہ یہ تھی کہ صحابہ کرامؓ کا مقصد یہ تھا کہ فتنہ وانتشار سے بچا جائے۔ حجاج بن یوسف کے مقابل آپؓ نے آواز نہیں اٹھائی کیونکہ حجاج نے اس وقت تک ایک لاکھ بیس ہزار مسلمانوں کو شہید کیا تھا، مگر اگر مسلمانوں کے اندر فتنہ، بغاوت اور اختلاف پھیل جاتا تو پھر ایک دن کے اندر ایک لاکھ بیس ہزار مسلمان شہید کیے جاتے۔ لہٰذا جب معصیت دیکھیں تو اس پر صبر کیجیے، مقابلے میں نہ آئیں، خدانخواستہ اگر مقابلہ شروع ہو گیا تو لوگوں کے درمیان فتنہ پھیلنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ شروع میں مصیبت کم ہو گی لیکن آہستہ آہستہ بڑھتی اور پھیلتی جائے گی۔ علمائے کرام تمام مسئولین کو نصیحت کریں، مسئولین بھی اپنے درمیان ایک دوسرے کو تواصو بالحق وتواصو بالصبر کی نصیحت کریں، اپنے درمیان دینی مذاکرے کریں، اپنے آپ کو ایک جسم کی مانند دکھائیں، ایک دوسرے کے خلاف مت بولیں، ایک دوسرے کی شکایتیں نہ کریں......کیونکہ یہ اعمال امارت کو کمزور کر دیتے ہیں۔ یاد رکھیے کہ یہ اب ایک اسلامی سلطنت ہے، سلطان کے تحت تمام امرا ہیں، ان کی قدر کیجیے۔

دشمن کے کاموں کا ادھر خاتمہ ہوا۔ جس طرح احزاب میں دشمن نے شکست کھائی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'آج کے بعد ہم ان پر حملہ آور ہوں گے، یہ ہم پر حملہ نہیں کر سکیں گے'۔ تو یہاں بھی احزاب نے شکست کھائی، ان کی ادھر جنگ ختم ہو گئی اور ان شاء اللہ آئندہ کوئی بھی کافر یہ ہمت نہیں کر سکے گا کہ افغانستان پر حملہ کرے۔ لیکن فتنے اور پراپیگنڈے کے حملے وہ کرتے رہیں گے۔ یہاں فتنہ انگیزی کی کوششیں وہ جاری رکھیں گے، حکومت اور رعیت کے مابین فاصلہ پیدا کریں گے، ایسے موضوعات اُٹھائیں گے جن سے اختلافات پیدا ہوں، حکومت کے اندر ایسا ماحول بنا دیں گے کہ ایک دوسرے پر تنقید کرے گا اور دوسرا تیسرے پر، اس طرح حکومت کمزور ہو جائے گی اور ان اختلافات کے نتیجے میں امارت ختم ہو جائے گی۔

لیکن اگر وحدت باقی رہی، علما اور حکومت کے درمیان فاصلہ ختم ہو گیا، تو وہ عناصر جو فاصلہ پیدا کرنے کی کوششوں میں لگے ہیں ان کا سد باب ہو گا، حکومت اور رعیت کے مابین فاصلہ ختم ہو جائے گا۔ آج یہ ساری کاوشیں پراپیگنڈے کے ذریعے ہو رہی ہیں، امارت پر تنقید کی جاتی ہے اور امارت کے مسؤولین کو غلط الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے، آخر یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ان کا میڈیا افغانستان سے چل رہا ہے۔ یہ میرا ملک ہے، یہ میرا نظام ہے، میں آزاد ہوں! آپ سے میں ایک سوال پوچھتا ہوں میں ناسمجھ بندہ ہوں، حکومت چلانا تو میں نہیں جانتا، لیکن کیا آپ کو یہ پسند ہے کہ میں اپنی رائے پہ چلوں یا یہ کہ دوسروں کے اشاروں پر چلوں؟ یہی پسند ہے ناں کہ میں اپنی رائے پہ چلوں! آج اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا عظیم فضل و احسان ہے کہ افغانستان مستقل اپنی رائے پہ چل رہا ہے، دوسروں کے اشاروں پر کام نہیں

[1](مفہومِ قولِ صحابی حضرتِ ابو درداء رضی اللہ عنہ)

کر رہا۔ مملکت اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ آزادی اور خود ارادیت حاصل نہ کر لے۔ آج دنیا یہ نہیں چاہتی کہ افغانستان اور حکومتِ افغانستان اپنے مستقل ارادے پر چلیں، وہ چاہتے ہیں کہ یہ ملک ان کے اشاروں پہ چلے۔ وہ ہمیں مشورے دیتے ہیں کہ فلاں کام کرو، فلاں نہ کرو...... فلاں کام کیوں نہیں کر رہے؟! بھلا تمہارا ہمارے کام سے کیا کام؟ ہماری فکر، ہمارے اصول اور ہماری حکومت سے تمہارا کیا کام ہے؟ تم کیوں مداخلت کر رہے ہو؟ میں یہ نہیں چاہتا کہ یہاں میرے ملک میں تمہاری فرمائشیں پوری ہوں اور نہ ہی تمہاری فرمائشیں ادھر پوری ہوں گی! میں ایک قدم بھی تمہارے ساتھ آگے نہ بڑھوں گا، نہ میں تم سے تعامل کرتا ہوں، نہ ہی شریعت پر سمجھوتہ کروں گا! ابھی تم نے ہمارے اوپر آگ والے بم برسائے ہیں، اگر ہمارے اوپر ایٹم بم بھی استعمال کر للو تو بھی ہم کبھی تمہاری بات نہیں مانیں گے......!

ہمارے اور اللہ کے درمیان ایک تعلق ہے، ہم نے کلمہ پڑھا ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا! ہم اپنی موت و زندگی کا مالک و خالق اللہ کو مانتے ہیں، تمہیں نہیں! دنیا کی کسی قوت کے سامنے بھی ہم تسلیم نہیں ہوتے، اگر تسلیم ہوتے ہیں تو صرف اللہ کے سامنے! جس قوت کے سامنے بھی ہم تسلیم ہوں گے وہ اللہ کی ہدایات کے تحت ہی تسلیم ہوں گے۔ جب اللہ کی ہدایت نہ ہو تو ہم ہرگز تسلیم نہیں ہوں گے۔ ہم سے ہرگز کوئی یہ امید نہ رکھے۔ میری تو یہ رائے ہے۔

ابھی تو یہ مجھ پر دنیا کے دوسرے کونے سے نعرے بلند کر رہے ہیں، باتوں کے ذریعے تسلیم کرنے کی کوششوں میں لگے ہیں۔ یا تو پورا ایٹم بم گرا کر ہم سب کو پگھلا دیں کہ آخر ہم نے تو مرنا ہی ہے۔ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور ان کا دل نکالا گیا اور مثلہ کیا گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'اگر مجھے ان کی بہن کے غم کا خیال نہ ہوتا تو میں کبھی ان کو نہ دفناتا، میں ان کو ایسے چھوڑ دیتا تاکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو بھیڑیوں کے پیٹ سے مظلومیت کے عالم میں اٹھاتے'۔ تاکہ اللہ کو آپؐ کی مظلومیت معلوم ہو۔ ہم آج یہ چاہتے ہیں کہ رب جل جلالہ کے سامنے ہماری اس دین پر مظلومیت ظاہر ہو جائے۔ جب تم ہم پر ظلم کرو گے تو اس سے ہمارے درجات بلند ہوں گے۔ شہادت سے ہمارے درجات کم نہیں ہوتے اور نہ ہی ہم ناکام ہوتے ہیں۔ یہ تو ہماری کامیابی ہے۔ اگر یہ ایٹم بم ہمارے اوپر استعمال کریں، ہمیں پگھلا دیں، تو بھی یہ ہمارا اللہ کے ساتھ وعدہ ہے کہ ہم ایک قدم بھی ان کے ساتھ ان چیزوں میں نہیں اٹھائیں گے جس سے ہمارا رب ناراض ہو۔ ہم دوسروں کی فرمائشوں اور مطالبات پر نہیں چلیں گے۔

رب جل جلالہ ایک عجیب آزادی و استقلال لائے ہیں اور ایسی آزادی و استقلال کئی صدیوں میں افغانیوں پر نہیں آئی ہو گی۔ ہم اس پر بھی اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ گزشتہ دس ماہ کے لیے یہ آزادی لے آئے۔ یہ دس مہینے اللہ جل جلالہ نے ان علما اور مجاہدین کے ہاتھوں پورے افغانستان میں امن و امان قائم کیا، یہ بہت بڑی خوشی کی بات ہے، یہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، یہ افتخار کی بات ہے۔ جو رب جل جلالہ نے مجاہدین کے حصے میں ڈالا ہے۔ لیکن اس کی بقا اسی میں ہے کہ سب متحد ہو جائیں۔

میرے محترم مسلمان بھائیو!

قیادت علما کی ہے، علما کوشش کرتے ہیں کہ یہ قوم اجتماعیت علما کی ایک تصویر ہو۔ علم کو ترقی دیں۔ جہاں تک اقتصاد کی بات ہے تو اس کا تعلق ملک کے امن سے ہے، جب ملک میں امن پائیدار ہو گا تو ان شاء اللہ خود بخود اللہ پاک اقتصاد کو بھی برابر کر دیں گے۔ اور اقتصاد اس سے برابر ہو گا جب اس ملک کے لوگ ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔ آپ خارجی امداد پر بھروسہ و اکتفا نہ کریں، نہ خارجی امداد ہمیں اٹھا سکتی ہے اور نہ ہی ہمارے اقتصاد کو بڑھا سکتی ہے۔ اقتصاد اگر ٹھیک ہو سکتا ہے، اگر کوئی ہمیں محتاجی اور غربت سے نکال سکتا ہے تو وہ ہماری اپنی ہمت ہے، ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دیں۔ تاجر اپنے ملک میں لوٹ آئیں آخر ان کو کس چیز کا ڈر اور خوف ہے؟ آیئے اپنے ملک میں سرمایہ کاری شروع کریں، اپنے ملک کو آباد کریں، کارخانے بنائیں! آپ ابھی تک کافروں کے انتظار میں ہیں کہ وہ آپ کی سڑکیں اور گلیاں پکی کریں اور وہ آپ کے ملک کو آباد کریں۔ آیئے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دیں، اپنے اموال جمع کر کے چھوٹی چھوٹی کمپنیاں بنائیں، یہ ملک سارا آباد ہے۔

جو لوگ بیرونِ ملک رہتے ہوئے افغانستان کے خلاف منصوبے بنا رہے ہیں، ان سے میں کہنا چاہتا ہوں کہ یہاں فتنہ بجھ گیا ہے، جنگ کی آگ بجھ گئی ہے، اب مزید بجھی ہوئی آگ میں پھونکیں نہ مارو۔ اگر اس بجھی ہوئی آگ کو دوبارہ بھڑکایا تو سب افغانی تمہارے خلاف ہوں گے۔ ہم نے آپ کے بارے میں عام معافی کا اعلان کیا ہے، آیئے اپنے ملک میں روز و شب گزاریں، وہ عزت جو اپنے ملک میں ملتی ہے کسی دوسرے کے ملک میں نہیں ہے، کافر کے ملک میں آپ کی عزت نہیں ہے، تو کیوں اپنی بے عزتی کروا رہے ہیں؟ اُدھر نہ تمہارے بیٹے کی، نہ گھرانے کی اور نہ ہی تمہاری کوئی عزت ہے، تو آجاؤ واپس اور اپنے ملک میں رہو! ہمارا تمہارے ساتھ کسی بھی قسم کے حساب کتاب کا ارادہ نہیں! لیکن یہ یاد رکھنا! یہاں آکر شرمت پھیلانا، امن خراب کرنے کی منصوبہ بندی مت کرنا، کیونکہ اگر امن خراب کرو گے تو پھر عمومی مصلحت کے مطابق سزا کے مستحق ٹھہرو گے۔

اس ملک کا شعار دینِ اسلام ہے۔ ہم نے اپنے مخالفین کو جو ہمارے خلاف لڑ رہے تھے اور جنہوں نے ہمیں مجروح اور شہید کیا، اس سب کے باوجود ہمارا ان سے انتقام لینے کا کوئی ارادہ نہیں، اگرچہ ہمارے لوگوں کو انہوں نے قتل کیا اور انتقام لینے کا ہمارا حق بھی بنتا ہے، لیکن ہم ان کو معاف کر چکے ہیں۔ جب ہم ان کے بارے میں یہ رویہ رکھتے ہیں تو بھلا دوسرے مسلمانوں کے بارے میں کیسے غلط ارادہ رکھ سکتے ہیں؟ یا اس ملک کے کسی عام فرد کے بارے میں کیسے ظلم کا ارادہ رکھ سکتے ہیں؟! ہمارے ملک کے جو پڑوسی ممالک ہیں وہ بھی کبھی یہ نہ

سوچیں کہ ہم ان کے بارے میں کوئی برا ارادہ رکھتے ہیں۔ ہمارا کوئی برا ارادہ نہیں۔ اسلام سلامتی کا دین ہے اور ہم سلامتی چاہتے ہیں، امن چاہتے ہیں، صلح چاہتے ہیں، سکون والی زندگی چاہتے ہیں، اسلامی نظام کا قیام چاہتے ہیں۔ بس ہمارا موقف واضح ہے۔ نہ دوسرے کے اشارے پہ کام کرنے والے ہیں اور نہ دوسرے کے تسلط کو تسلیم کرتے ہیں۔ اپنے مستقل ارادے پہ چل رہے ہیں۔ اگر ہمارے ساتھ کوئی معاہدہ کرنا چاہتا ہے تو اطمینان کے ساتھ کرے، ہمارا وہی موقف ہے جو پہلے تھا۔ ہم آزاد اور مستقل ارادہ رکھتے ہیں، رب جل جلالہ ہمیں ایسے ہی مستقل رکھے۔

پوری ملت سے میری درخواست ہے کہ بس مزید تفرقہ بازی چھوڑ دیجیے، ان جزوی باتوں کو چھوڑدیں۔ ایک یہ بات کرتا ہے دوسرا دوسری بات کرتا ہے، آیئے افہام و تفہیم کریں، رب جل جلالہ نے ایک عجیب موقع فراہم کیا ہے، آیئے یہ موقع ہاتھ سے جانے نہ پائے۔ کسی بے کار چیز کی وجہ سے ہمارا نظام خراب نہ ہوجائے۔ آیئے ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے ہوجائیں، آپس میں افہام و تفہیم پیدا کریں...... آپ علما ہیں، مجاہدین ہیں، حاکمین ہیں...... نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم حاکم نہیں بلکہ خادم ہیں۔ حکم تو اللہ کا ہے، ہماری شریعت کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ ﷺ اور فقہِ حنفی کا ہے۔ ہم عدالت میں جو بھی فیصلہ کرتے ہیں، اس کا لائحہ پہلے سے بنا ہوا ہے۔ لہٰذا ہم خادم شریعت ہیں۔ اللہ اس شریعت کو افغانستان میں حاکم بنادے۔

میرے بھائیو!! یہ میری طرف سے نصیحت نہیں بلکہ ایک یاد دہانی ہے۔ اس علما کی مجلس کو خدا تعالیٰ تمام مسلمانوں کی مغفرت کا ذریعہ بنائے، آمین۔ یااللہ اس مجلس اور ان علما کی برکت سے پورے افغانستان کی سرزمین پر اسلامی نظام لے آ۔ ان علمانے مجھ سے کہا کہ ہم ایک ایسی مجلس کا انعقاد کرنا چاہتے ہیں جس میں ہم امارت کے پشت پر کھڑے ہونے کا اعلان کریں، کیونکہ کفار کی مستقل کوشش ہے کہ امارت کی رسمیت کا انکار کریں۔ ہم امارت کی بیعت کریں گے اور یک زبان امارت کے حق میں نعرہ بلند کریں گے۔ یہ ان علما کی محبت ہے، تمام مسلمانوں کی امارت سے محبت ہے، لیکن کافر اس پر خوش نہیں ہیں، کیونکہ کفار کے ارادے بہت مختلف ہیں۔ میں نے علما کی اس مجلس کے حوالے سے شوریٰ میں بات رکھی، شوریٰ کے ارکان بھی اس مجلس میں دلچسپی رکھتے تھے مگر سکیورٹی کا مسئلہ تھا، سکیورٹی بھی فراہم کردی گئی میرا مشورہ تھا کہ یہ مجلس قندھار میں منعقد کی جائے لیکن علمانے کہا کہ نہیں ہم کابل میں یہ مجلس منعقد کرنا چاہتے ہیں۔ میں ان کی رائے سے متفق ہوگیا اور آج یہ مجلس علما کے ہاتھ میں ہے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ 'آپ آئیں گے یا نہیں؟' میں نے کہا کہ یہ تو ایجنڈے میں شامل نہیں، میں نے کیا کرنا ہے......بس مجلس کابل میں منعقد کرلیں۔ مگر انہوں نے کہا کہ نہیں آپ اس میں ضرور شرکت کریں گے۔ ان کے اصرار پر میں نے کہا کہ ٹھیک ہے، یہ علما کی مجلس ہے اور میں اس میں اجر کی نیت سے شریک ہو رہا ہوں، اگر سفر کیا ہے تو وہ بھی اجر کے لیے اور اس مجلس میں شرکت کی ہے تو بھی محض علما کی صحبت میں بیٹھنے کی خاطر۔ اگر یہ مجلس بدخشان میں بھی منعقد کرتے تو بھی میں اس میں شریک ہوتا، نورستان میں منعقد کرتے تو پھر بھی میں ان کے پاس چل کے جاتا۔ میرا مقصد علما کی مجلس میں بیٹھنا اور ان کی صحبت سے فیضیاب ہونا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے کہ یہ سعادت میرے حصے میں آئی، اللہ جل جلالہ آپ سب کا یہ بیٹھنا اور توجہ کے ساتھ علما کے بیانات اور نصائح سننا قبول فرمائے، آمین!

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین!

☆☆☆☆☆

بقیہ امیر المومنین کی ہدایات

ابو نعیم نے لکھا ہے: کہ حضرت عثمانؓ لوگوں کو امارت کے مال سے خوراک دیتے تھے اور خود گھر جا کر وہاں سرکہ اور گھی سے روٹی کھاتے تھے۔

۴۔ مجاہد کو چاہیے کہ بلاوجہ فائرنگ نہ کرے، کیونکہ یہ مال کا ضیاع ہے۔

کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ گولیوں کو بلاوجہ ضائع کیا جاتا ہے اور بوقتِ ضرورت ہاتھ میں کچھ نہیں ہوتا۔ حمزہ بن اسید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ "جب غزوۂ بدر کے دن قریش نے ہمارے لیے اور ہم نے قریش کے لیے صفیں باندھ لیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا؛ جب دشمن تمہارے قریب ہوجائے (جب یقین ہوجائے کہ دشمن تیروں کی زد میں ہے)، تب مارو۔"

ابوداؤد کی روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ اپنے تیروں کو بچائے رکھو۔

(وما علینا إلّا البلاغ المبین!)

بقیہ: شہادت کی قبولیت کی شرائط

وہ سفر میں جتنی دیر کے لیے آپ کے ساتھ رہا، اس کے بقدر اس کا آپ کے اوپر حق بنتا ہے، اس حق کا جواب اللہ کے یہاں دینا ہو گا کہ سفر میں اس کے ساتھ کیسا معاملہ کیا۔ رستے میں کوئی ساتھی بن گیا، مرکز میں کوئی ساتھی بن گیا، سفر میں کوئی ساتھی بن گیا، اس کے ساتھ کس طرح پیش آئے۔ وَابْنِ السَّبِيْلِ......اسی طرح آیت کہتی ہے کہ مسافر کا حق ہے۔

پیارے بھائیو! تو انہی سارے حقوق کو سامنے رکھیں۔ جس طرح زبانیں کھلی ہوئی ہوتی ہیں بعض ساتھیوں کی عامۃ المسلمین کے لیے اور بالخصوص اپنے گھر والوں کے لیے، اپنے رشتہ داروں کے لیے۔ یہ معاملہ اتنا سہل نہیں ہے جتنا ہم نے سمجھا ہے، اس کی خطرناکی کو ذہن میں رکھیں۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

بد نظری اور عشق مجازی کی تباہ کاریاں اور اس کا علاج

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر نوّر اللہ مرقدہٗ

دستور العمل برائے علاج بد نظری و عشق مجازی

اب مندرجہ ذیل سطور میں وہ دستور العمل مختصراً پیش کرتا ہوں جو احقر کے رسالہ دستور تزکیۂ نفس میں درج ہے جو قرآن و حدیث سے استنباط کردہ اور بزرگانِ دین کے ارشادات سے ماخوذ ہے۔ اس پر عمل کرنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ بد نظری اور عشق مجازی کے پرانے سے پرانے مرض سے نجات حاصل ہو گی۔ اور ایک مدت ان معمولات پر پابندی سے ان شاء اللہ تعالیٰ ایسا محسوس ہونے لگے گا کہ گویا آخرت کی زمین پر چل رہا ہوں اور جنت و جہنم کو دیکھ رہا ہوں اور شہوات و لذاتِ دنیا نگاہوں میں ہیچ نظر آنے لگیں گے۔

۱. نمازِ توبہ

ایک وقت خلوت کا مقرر کر کے، صاف کپڑے پہن کر اور اگر میسر ہو تو خوشبو لگا کر اول دو رکعات نفل توبہ کی نیت سے پڑھیں پھر اللہ تعالیٰ کے روبرو اپنے تمام گناہوں سے خوب استغفار کریں کہ اے اللہ! جب سے بالغ ہوا ہوں، میری آنکھوں سے اب تک جتنی خیانتیں صادر ہوئی ہیں یا سینے میں گندے خیالات پکا کر میں نے جتنی ناجائز لذتیں حاصل کی ہیں یا جسم سے گناہوں کے جتنے حرام اڑائے ہیں، اے اللہ! میں ان سب سے توبہ کرتا ہوں، معافی چاہتا ہوں اور عزم کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی گناہ کر کے آپ کو ناراض نہ کروں گا۔ اے اللہ! اگرچہ میرے گناہوں کی انتہا نہیں لیکن آپ کی رحمت میرے گناہوں سے بہت وسیع تر ہے، پس اپنی رحمتِ واسعہ کے صدقے میں میرے تمام گناہوں کو معاف فرما دیجیے۔ اے اللہ! آپ بہت معاف کرنے والے ہیں اور معاف کرنے کو محبوب رکھتے ہیں، پس میری تمام خطاؤں کو عفو فرما دیجیے۔

۲. نمازِ حاجت

پھر دو رکعات نمازِ حاجت کی نیت سے پڑھ کر یہ دعا کریں کہ میرے گناہوں سے تباہ شدہ عمر پر رحم فرمائیے اور میری اصلاح فرما دیجیے اور مجھے میرے نفس کی غلامی سے چھڑا کر اپنی فرماں برداری کی عزت والی زندگی عطا فرمائیے اور اپنا اتنا خوف عطا فرمائیے جو مجھے آپ کی نافرمانیوں سے بچا لے۔ اے اللہ! میں آپ سے صرف آپ کو مانگتا ہوں۔

کوئی تجھ سے کوئی کچھ مانگتا ہے
الٰہی میں تجھ سے طلب گار تیرا
جو تو میرا تو سب میرا فلک میرا زمیں میری
اگر اک تو نہیں میرا تو کوئی شے نہیں میری

۳. ذکرِ نفی و اثبات

پھر تین سو مرتبہ لا الہ الا اللہ کا ذکر کریں اس خیال کے ساتھ کہ لا الہ سے دل غیر اللہ سے پاک ہو رہا ہے اور الا اللہ کے ساتھ اللہ کی محبت دل میں داخل ہو رہی ہے۔

۴. ذکرِ اسم ذات

کسی وقت تین سو مرتبہ اللہ اللہ کر لیا کریں۔ جب زبان سے اللہ کہیں تو تصور کریں کہ زبان کے ساتھ ساتھ دل سے بھی اللہ نکل رہا ہے اور نہایت محبت اور درد بھرے دل سے اللہ کا نام لیا جاوے جیسے دوری یا فراق میں ہم اپنے ماں باپ کو یاد کرتے ہیں، کم سے کم اس دردِ محبت کے ساتھ تو اللہ کا نام زبان پر آنا چاہیے لیکن اگر دل میں اتنی محبت نہ معلوم ہو تو اہلِ محبت کی نقل کر لینا بھی کافی ہے۔ بس اللہ کے عاشقوں کی سی صورت بنا کر اور محبت کی نقل کر کے ان کا نام لینا شروع کر دیں۔ اللہ کا نام بہت بڑا نام ہے جب زبان پر آئے گا تو نفع سے خالی نہ ہو گا، نور ہی بنے گا۔

۵. ذکرِ اسم ذات پر طریقۂ خاص

اور ایک سو مرتبہ ذکرِ اسم بسیط اللہ اللہ اس تصور سے کریں کہ میرے بال بال سے اللہ نکل رہا ہے۔ کچھ دن بعد یہ اضافہ کر لیں کہ میرے بال بال کے ساتھ زمین و آسمان، شجر و حجر، بحر و بر، چرند و پرند...... غرض ہر ذرۂ کائنات سے ذکر جاری ہے۔

۶. مراقبہ الم یعلم بان اللہ یری

پھر حق تعالیٰ کے بصیر و خبیر ہونے کا مراقبہ کریں یعنی چند منٹ یہ تصور کریں کہ حق تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں اور میں اس محبوبِ حقیقی کے سامنے بیٹھا ہوں اور دعا کرتے رہیں کہ اے اللہ! اس تصور کو کہ آپ مجھے دیکھ رہے ہیں، میرے دل میں جما دیجیے تاکہ میں گناہ نہ کر سکوں کیونکہ جب ہر وقت یہ دھیان ہو گا کہ آپ دیکھ رہے ہیں تو گناہ کی ہمت نہ ہو گی۔

اور دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے یوں باتیں کریں کہ اے اللہ! جب میں بد نگاہی کر رہا تھا یا جس وقت گناہ کر رہا تھا، اس وقت آپ کی قدرتِ قاہرہ بھی مجھے اس جرم کی حالت میں دیکھ رہی تھی۔ اسی وقت اگر آپ کا حکم ہو جاتا کہ اے زمین! شق ہو جا، اس نالائق کو نگل جا یا آپ حکم فرمادیتے کہ ذلیل بندر ہو جا تو مخلوق میری ذلت و رسوائی کا تماشہ دیکھتی، یا آپ مجھے اُسی وقت کسی دردناک بیماری میں مبتلا کر دیتے تو میرا کیا حال ہوتا۔ لیکن اے اللہ! آپ کے حلم و کرم نے مجھ سے انتقام نہیں لیا ورنہ میری تباہی یقینی تھی۔

۷. مراقبۂ موت و قبر

اس کے بعد ذرا دیر موت کو یاد کریں کہ دنیا کے تمام ہمدرد؛ بیوی بچے، عزیز و اقارب، نوکر چاکر، سلام حضور کرنے والے، سب چھوٹ گئے۔ مرنے کے بعد کپڑے قینچی سے کاٹ کر اتارے جارہے ہیں، اب نہلایا جارہا ہوں، اب کفنایا جارہا ہوں۔ جس مکان کو ہم اپنا سمجھتے تھے، اب بیوی بچوں نے زبردستی اس مکان سے نکال باہر کیا۔ حواسِ خمسہ سے جو عیش اندر پہنچ رہے تھے، سب معطل ہو گئے۔ جن آنکھوں سے حسینوں کو دیکھ کر حرام لذت اندر درآمد کی جاتی تھی، وہ آنکھیں اب دیکھنے سے قاصر ہیں۔ کان گانے سننے سے، زبان شامی کباب اور مرغ کی لذت کے ادراک سے قاصر ہیں۔ عناصر سے متعلق جتنی لذتیں تھیں سب ختم ہو گئیں۔ اب روح کے اندر اگر عبادت اور تقویٰ کے انوار ہیں تو وہی کام آئیں گے ورنہ سب عیش خواب ہو گیا۔

پھر سوچیے کہ اب قبر میں لٹایا جارہا ہوں اور تختے لگائے جارہے ہیں، اب لوگ مٹی ڈال رہے ہیں، قبر کی تنہائی میں مٹی کے نیچے دبا پڑا ہوں، یہاں اب کوئی ساتھ نہیں بس جو نیک اعمال کیے تھے وہی کام آئیں گے۔ قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ موت کا کثرت سے یاد کرنا دل کو دنیا سے اچاٹ کرتا ہے اور آخرت کی تیاری یعنی نیک اعمال کی اس سے توفیق ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ لذات کو سرد کرنے والی چیز یعنی موت کثرت سے یاد کرو۔

پس موت کا اتنا تصور کریں کہ اس کی وحشت لذت سے بدل جائے۔ مومن کے لیے موت دراصل محبوبِ حقیقی کی طرف سے ملاقات کا پیغام ہے۔ موت کے بعد مومن کے لیے راحت ہی راحت ہے۔

۸. مراقبۂ حشر و نشر

پھر چند منٹ یہ تصور باندھیں کہ میدانِ حشر قائم ہے اور میں اللہ تعالیٰ کے روبرو حساب کے لیے کھڑا ہوں اور اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ اے بے حیا! تجھ کو شرم نہ آئی کہ ہمیں چھوڑ کر غیر پر نظر کی اور ایک مرنے والی لاش کی طرف مائل ہوا۔ کیا تجھ پر ہمارا یہی حق تھا، کیا ہم نے تجھ کو اسی لیے پیدا کیا تھا کہ غیروں سے دل لگائے اور ہمیں یاد نہ کرے، کیا ہم نے تجھ کو آنکھوں میں بینائی اسی لیے دی تھی کی اسے حرام موقع میں استعمال کرے۔ اے بے حیا! ہماری ہی دی ہوئی چیزوں کو، آنکھوں کو، کانوں کو، دل کو، ہماری نافرمانی میں تو نے استعمال کیا اور تجھے شرم بھی نہ آئی۔

پھر سوچیے کہ مجرمین کے لیے حکم ہو رہا ہے، خُذُوْہُ پکڑ لو اس نالائق کو، فَغُلُّوْہُ اور زنجیروں میں جکڑ دو، ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْہُ پھر اس کو جہنم میں ڈال دو۔ اس کے بعد خوب گڑ گڑا کر اللہ سے معافی مانگیے، اصلاحِ اعمال اور خاتمہ بالخیر کی دعا کریں اور حق تعالیٰ کے غضب سے پناہ چاہیں۔

۹. مراقبۂ عذابِ جہنم

پھر جہنم کے عذاب کا اس طرح مراقبہ کریں کہ جہنم اس وقت آنکھوں کے سامنے ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس طرح باتیں کریں کہ اے اللہ! یہ جہنم آپ کی روشن کی ہوئی آگ ہے، نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ○ اور اے اللہ! اس کا دکھ دلوں تک پہنچے گا، الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَۃِ○ اِنَّهَا عَلَیْهِمْ مُّؤْصَدَۃٌ○ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَۃٍ○ اور اے اللہ! جہنمی لوگ آگ کے لمبے لمبے ستونوں میں دب کر جل رہے ہیں۔ اور اے اللہ! جب ان کی کھالیں جل کر کوئلہ ہو گئیں تو آپ نے ان کی کھالوں کو پھر تازہ تازہ دوسری کھالوں سے تبدیل فرما دیا تاکہ ان کو احساس دکھ اور الم کا زیادہ ہو۔ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا۔ اور اے اللہ! جب ان کو بھوک لگی تو ان کو خاردار درخت زقوم کھانے کو دیا گیا اور یہ بھی نہ ہو گا کہ وہ کانٹوں کی تکلیف سے انکار کر سکیں کہ مجھ سے تو اب نہیں کھایا جارہا بلکہ مجبوراً ان کو پیٹ بھرنا ہو گا، لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ○ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ○ اور اے اللہ! جب ان کو پیاس لگی تو آپ نے کھولتا ہوا پانی پلایا اور اس پانی سے یہ انکار بھی نہ کر سکیں گے بلکہ اس طرح پئیں گے جس طرح پیاسا اونٹ پیتا ہے۔ فَشٰرِبُوْنَ عَلَیْهِ مِنَ الْحَمِیْمِ○ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِیْمِ○ اور یہی ان کی مہمانی ہو گی قیامت کے دن، هٰذَا نُزُلُهُمْ یَوْمَ الدِّیْنِ○ اور اے اللہ! جب ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا تو ان کی آنتیں کٹ کٹ کر پاخانہ کی راہ سے نکلنے لگیں گی، وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ○ اور اے اللہ! یہ جہنمی لوگ آگ اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان چکر کریں گے، یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ○ اور اے اللہ! جب رونا چاہیں گے تو آنسوؤں کے بجائے خون روئیں گے اور جب شدتِ تکلیف سے نکل بھاگنے کی کوشش کریں گے تو ان کو پھر جہنم میں لوٹا دیا جائے گا، كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِیْدُوْا فِیْهَا۔ اور اے اللہ! جب ہر طرح سے ہار جائیں گے تو آپ سے فریاد کی اجازت چاہیں گے تو آپ فرمائیں گے قَالَ اخْسَـُٔوْا فِیْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ○ اسی جہنم میں ذلیل پڑے رہو اور مجھ سے تم لوگ بات مت کرو۔ اے اللہ! دنیا کی ایک چنگاری کی ہمیں برداشت نہیں تو جہنم کی آگ کا، جو ستر گنا اس آگ سے زیادہ ہے کیسے تحمل ہو گا۔ اے اللہ! میرے اعمال تو جہنم کے لائق ہیں مگر میں آپ کی رحمت سے فریاد کرتا ہوں کہ جہنم کے

دردناک عذاب سے نجات کو میرے لیے مقدر فرما دیجیے۔ یہاں پہنچ کر اس دعا کو تین بار عرض کریں، خوب روئیں۔ رونا نہ آئے تو رونے والوں کا چہرہ بنالیں۔ اس عمل کو پابندی سے کریں، رفتہ رفتہ ایمان میں ترقی ہوتی رہے گی اور ایک دن ایسا آئے گا کہ گویا جہنم آنکھوں کے سامنے ہے، پھر کسی نافرمانی کی ہمت نہ ہوگی اور معاصی سے کُلی اجتناب کی توفیق ان شاء اللہ ہو جائے گی۔

۱۰. مراقبۂ انعاماتِ الٰہیہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے الطاف و انعامات کا اس طرح مراقبہ کریں اور حق تعالیٰ سے اس طرح عرض کریں کہ اے اللہ! آپ سے میری روح نے اپنے وجود کے لیے سوال نہیں کیا تھا، آپ کے کرم نے بغیر سوال مجھے وجود بخشا۔ پھر میری روح نے یہ سوال بھی نہیں کیا تھا کہ آپ مجھ کو انسانی قالب عطا فرمائیں، آپ کے کرم نے بغیر سوال کے سور اور کتے کے قالب میں مجھے پیدا نہیں کیا بلکہ قالبِ اشرف المخلوقات عطا فرمایا یعنی مجھے انسان پیدا فرمایا۔ پھر اے میرے اللہ! اگر آپ مجھے کسی کافر یا مشرک گھرانے میں پیدا فرماتے تو میں کس قدر نقصان اور خسارے میں ہوتا، اگر صدارت اور بادشاہت بھی مجھ کو مل جاتی لیکن کفر اور شرک کے سبب جانوروں سے بدتر ہوتا، آپ نے اپنے کرم سے بغیر سوال کیے مجھ کو مسلمان گھرانے میں پیدا فرما کر گویا شہزادہ پیدا فرمایا۔ ایمان جیسی عظیم دولت جس کے سامنے کائنات کے تمام مجموعی انعامات و خزائن کوئی حقیقت نہیں رکھتے، آپ نے بے مانگے عطا فرمادی۔ اے اللہ! جب آپ کے کرم نے اتنے بڑے بڑے انعامات بے مانگے عطا فرمائے ہیں تو مانگنے والے کو آپ بھلا کیونکر محروم فرمائیں گے۔

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیے ہیں دُربے بہا دیے ہیں

اے اللہ! میں آپ کی رحمت کو ان بے مانگے ہوئے انعامات و الطافِ بے کراں کا واسطہ دیتا ہوں اور آپ کے فضل سے اپنی اصلاح اور اپنا تزکیۂ نفس مانگتا ہوں تاکہ مرتے دم تک آپ کی نافرمانیوں سے محفوظ رہوں۔

اے اللہ! پھر آپ نے مجھے اچھے گھرانے میں پیدا فرمایا اور اپنے نیک بندوں کے ساتھ محبت عطا فرمائی اور دین پر عمل نصیب فرمایا، ورنہ اگر آپ کی رہبری نہ ہو تو مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کے باوجود لوگ بددین، دہریے و گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اور اے اللہ! آپ ہی کے کرم سے اللہ والوں کے ساتھ تعلق قائم کرنے کی توفیق ہوئی اور اہلِ حق سے تعلق بخشا ورنہ اگر کسی بددین اناڑی کے ہاتھ پڑ جاتا تو آج گمراہی میں مبتلا ہوتا۔ اے اللہ! دنیا میں آپ نے صالحین کا ساتھ عطا فرمایا ہے، اپنے کرم سے آخرت میں بھی اپنے صالحین کا ساتھ عطا فرمائیے۔ اے اللہ! کتنے جرائم مجھ سے صادر ہوئے اور آپ کی قدرتِ قاہرہ اس وقت مجھے دیکھ رہی تھی مگر آپ نے اپنے عفو و حلم کی دامن میں میرے ان جرائم کو ڈھانپ لیا اور مجھے رسوا نہ فرمایا۔ اے اللہ! میری لاکھوں جانیں آپ کے اس حلم پر قربان ہوں ورنہ آج بھی اگر میرے اترے پترے آپ خلق پر کھول دیں تو لوگ اپنے پاس بیٹھنے بھی نہ دیں۔ اے اللہ! اپنے کرم سے ایمان پر میرا خاتمہ مقدر فرما دیجیے۔ اے اللہ! اپنے فضل سے جنت میں دخولِ اولیں کو میرے لیے مقدر فرما دیجیے۔ غرض ایک ایک انعام کو سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے مال و دولت، عزت و آبرو، صحت و عافیت وغیرہ عطا فرمائی ہے اور خوب شکر کریں اور آخر میں اللہ تعالیٰ سے عرض کر دیں کہ اے اللہ! آپ کے احسانات و انعامات غیر محدود و لامتناہی ہیں جن کا استحضار بھی ممکن نہیں، اے اللہ! اس وقت جتنے احسانات کا استحضار ہو سکا اور جن لامتناہی احسانات کا استحضار نہ ہو سکا ان سب کا میں اپنے ہر بن مو سے اور ہر ذرۂ کائنات کی زبان سے شکر ادا کرتا ہوں۔ بس اے اللہ! اپنے کرم سے آپ میرے تزکیۂ نفس کا فیصلہ فرما دیجیے۔

۱۱. حفاظتِ نظر کا اہتمام

جو لوگ شہر میں آمد و رفت رکھتے ہوں وہ جب گھر سے نکلیں تو پہلے دو رکعات نمازِ حاجت پڑھ کر دعا کرلیں کہ اے اللہ! میں اپنی آنکھوں کو اور اپنے قلب کو آپ کی حفاظت میں دیتا ہوں اور آپ بہترین حفاظت کرنے والے ہیں۔ دفتروں میں، بازاروں وغیرہ میں حتی الامکان باوضو رہیں اور ذکر میں مشغول رہیں۔ پھر بھی اگر کوتاہی ہو جائے تو واپسی پر اس سے استغفار کریں اور ہر غلطی پر چار رکعات نفل نماز کا جرمانہ مقرر کریں اور حسبِ حیثیت کچھ مالی جرمانہ بھی ادا کریں یعنی صدقہ کریں اور اگر محفوظ رہیں تو شکر ادا کریں۔

۱۲. مراقبۂ فنائیتِ حسن

اگر کبھی کسی حسین پر اچانک نظر پڑ جائے تو فوراً کسی بدصورت کو دیکھیں۔ موجود نہ ہو تو تصور کریں کسی کالے کلوٹے کا کہ چیچک رو ہے، چپٹی ناک ہے، لمبے لمبے دانت ہیں، آنکھ کا کانا، سر کا گنجا ہے، موٹا اور بھدا جسم ہے، توند نکلی ہوئی ہے اور دست لگے ہیں، مکھیاں بھنک رہی ہیں۔ سوچیں کہ اس محبوب کا جو آج حسین نظر آرہا ہے یہی حشر ہونے والا ہے اور یوں بھی سوچیں کہ یہ حسین جب مر جائے گا تو لاش گل سڑ کر کیسی بدنما ہو جائے گی اور کیڑے رینگتے نظر آئیں گے، پیٹ پھول کر پھٹ جائے گا اور ایسی بدبو ہوگی کہ ناک دینا مشکل ہوگا۔ پس ایسی فانی شے سے کیا دل لگانا۔ مگر کسی بدصورت کے تصور کا نفع وقتی ہوگا، پھر تقاضا دوبارہ ستائے گا۔ لہٰذا آئندہ تقاضے کو مضمحل اور کمزور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس تقاضے پر ہمت کر کے عمل نہ کریں اور خدا تعالیٰ کو بہت یاد کریں اور خدا کے عذاب کے خیال کو دل میں جمائیں اور کسی اللہ والے صاحبِ نسبت کی صحبت اختیار کریں۔

۱۳. اصلاحِ نفس کا سب سے اہم نسخہ

اصلاح و تزکیۂ نفس کے لیے سب سے اہم نسخہ یہ ہے کہ کسی اللہ والے کی صحبت میں وقتاً فوقتاً پابندی سے حاضری دیتے رہیں اور اللہ کی محبت کی باتیں سنتے رہیں کہ اہل اللہ کی صحبت کے بغیر اصلاحِ نفس اور دین پر استقامت عادتاً دشوار بلکہ ناممکن ہے بلکہ جس اللہ والے سے مناسبت ہو اس سے اصلاحی تعلق قائم کریں یعنی اس کو اپنا دینی مشیر بنالیں۔ اور اپنے حالات کی اطلاع اور جو علاج وہ تجویز کرے اس کی اتباع کریں اور اس پر اعتماد رکھیں۔

ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد تمام روحانی امراض کو شفا ہو گی۔ ذکر و معمولات پابندی سے کرتے رہیں۔

نوٹ: اس دستور العمل میں جو ذکر بتایا گیا ہے وہ ایک صحت مند آدمی کے لیے ہے لیکن اگر کسی کو ضعف یا مرض ہو تو مصلح کے مشورہ سے ذکر کی تعداد کم کر دیں۔ اس لیے یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ مصلح یا شیخ کے مشورے کے بغیر یہ دستور العمل کچھ مفید نہیں لہٰذا کسی مصلح اللہ والے سے اطلاعِ حال و اتباعِ تجویزات و انقیاد کا سلسلہ بذریعہ صحبت و مکاتیب جاری رہنا ضروری ہے۔

۱۴. مراقبۂ نقصاناتِ بد نگاہی

بد نگاہی کے نقصانات کو سوچا کریں کہ یہ ایسا مہلک مرض ہے جس میں مبتلا ہو کر بہت سے لوگ کفر پر مر گئے یعنی بد نگاہی کی نحوست سے عشقِ مجازی میں مبتلا ہو کر آخری سانس تک خلاصی نہ پا سکے اور کلمے کے بجائے منہ سے کچھ اور نکل گیا العیاذ باللہ۔ مرشدی و مولائی حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے حفاظتِ نظر کے لیے چند نہایت اہم ہدایات پر مشتمل ایک نسخہ مرتب فرمایا ہے اس کو یہاں نقل کرتا ہوں، اس کو روزانہ ایک بار بہ نیتِ اصلاح پڑھ لیا کریں۔

عرض احقر برائے حفاظتِ نظر، مرتب مرشدی و مولائی حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب مدظلہ العالی، ناظم مجلس دعوۃ الحق ہردوئی

بد نگاہی کے مضرات اس قدر ہیں کہ بسا اوقات ان سے دنیا اور دین دونوں برباد ہو جاتے ہیں۔ آج کل اس مرضِ روحانی میں مبتلا ہونے کے اسباب بہت زیادہ پھیلتے جا رہے ہیں اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ اس کے بعض مضرات اور اس سے بچنے کا مختصر علاج تحریر کر دیا جائے تاکہ اس کے مضرات سے حفاظت کی جا سکے۔ چنانچہ حسبِ ذیل امور کا اہتمام کرنے سے نظر کی حفاظت بہ سہولت ہو سکے گی۔

۱۔ جس وقت مستورات کا گزر ہو اہتمام سے نگاہ نیچی رکھنا خواہ کتنا ہی نفس کا تقاضا دیکھنے کا ہو۔ جیسا کہ اس پر عارف ہندی خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب نے اس طور پر متنبہ فرمایا ہے

دین کا دیکھ ہے خطر اُٹھنے نہ پائے ہاں نظر
کوئے بُتاں میں تو اگر جائے تو سر جھکائے جا

۲۔ اگر نگاہ اُٹھ جاوے اور کسی پر پڑ جاوے تو فوراً نگاہ کو نیچا کر لینا خواہ کتنی ہی گرانی ہو، خواہ دم نکل جانے کا اندیشہ ہو۔

۳۔ یہ سوچنا کہ نگاہ کی حفاظت نہ کرنے سے دنیا میں ذلت کا اندیشہ ہے، طاعات کا نور سلب ہو جاتا ہے، آخرت کی تباہی یقینی ہے۔

۴۔ بد نگاہی پر کم از کم ایک مرتبہ بارہ رکعت نفل پڑھنے کا اہتمام اور کچھ نہ کچھ حسبِ گنجائش خیرات اور کثرت سے استغفار۔

۵۔ یہ سوچنا کہ بد نگاہی کی ظلمت سے قلب کا ستیاناس ہو جاتا ہے اور یہ ظلمت بہت دیر میں دور ہوتی ہے حتیٰ کہ جب تک بار بار نگاہ کی حفاظت نہ کی جائے باوجود تقاضے کے، اس وقت تک قلب صاف نہیں ہوتا۔

۶۔ یہ سوچنا کہ بد نگاہی سے میلان، پھر میلان سے محبت اور محبت سے عشق پیدا ہو جاتا ہے اور ناجائز عشق سے دنیا و آخرت تباہ ہو جاتی ہے۔

۷۔ یہ سوچنا کہ بد نگاہی سے طاعات ذکر شغل سے رفتہ رفتہ رغبت کم ہو جاتی ہے حتیٰ کہ ترک کی نوبت آ جاتی ہے۔ پھر نفرت پیدا ہونے لگتی ہے۔

۱۵. مختصر تتمہ برائے علاجِ عشقِ مجازی

بد نگاہی کی نحوست سے اگر عشقِ مجازی میں مبتلا ہو گئے ہوں تو ایسی صورت میں مزید چند باتوں کا اہتمام کرنا ہو گا۔

۱۔ اس معشوق سے تعلق قطعاً ترک کر دیں یعنی اس سے بولنا چالنا، اس کو دیکھنا، اس سے خط و کتابت کرنا، اس کے پاس اُٹھنا بیٹھنا یا کبھی کبھی ملاقات کرنا، سب مطلقاً بند کر دیں حتیٰ کہ اگر کوئی دوسرا شخص اس کا تذکرہ کرنے لگے تو اس کو روک دیا جائے اور اس سے اس قدر دوری اختیار کی جاوے کہ ملاقات ممکن نہ ہو بلکہ غلطی سے اس پر نظر پڑنے کا بھی امکان نہ ہو۔ غرض بالکل قطع تعلق کر لیا جاوے۔

۲۔ اگر اس حسین کے آنے کا خطرہ ہو تو قصداً اس سے جھگڑا کر لیں کہ اس سے دوستی کی اب اس کو کوئی امید باقی نہ رہے۔

۳۔اس کا خیال قصداً نہ لائیں نہ ماضی کے تصورات سے لطف حاصل کریں کہ یہ دل کی خیانت گناہِ کبیرہ ہے جو دل کا ستیاناس کر دیتا ہے اور اس کا ضرر بد نگاہی سے بھی زیادہ ہے۔

۴۔ عشقیہ اشعار و عشقیہ قصے و ناول نہ پڑھیں، سینما، ٹی وی، وی سی آر، عُریاں و شہوت کو بھڑکانے والی تصاویر سے مکمل پرہیز کریں اور ایسے ماحول سے جہاں عریانی و نافرمانی ہو دور رہیں۔ نافرمانوں کی صحبت میں نہ رہیں۔

۵۔ دنیا کے حسینوں کی بے وفائی کو سوچیں کہ ان پر کوئی لاکھ جان و مال اور دولت و عزت سب قربان کر دے لیکن اگر ان کا دل کسی اور سے لگ گیا یا کوئی زیادہ مالدار انہیں مل گیا تو یہ سابق عاشق سے آنکھیں چرانے لگتے ہیں اور بعض اوقات اس سے پیچھا چھڑانے کے لیے اس کو زہر کھلا کر ہلاک کر دیتے ہیں۔

۶۔ اگر وہ محبوب مر گیا تو آپ اس کو جلد سے جلد قبرستان کے حوالے کر دیتے ہیں اور اگر آپ پہلے مر گئے تو وہ معشوق آپ کی لاش سے متنفر ہو جائے گا۔ اور اگر دونوں میں سے کسی ایک کا بھی حسن زائل ہو گیا تو سارا عشق رفو چکر ہو جاتا ہے، کیسی عارضی محبت ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے التشرف بمعرفۃ الاحادیث التصوف حصہ سوم پر ایک حدیث پاک نقل کی ہے۔ احبب من شئت فانك مفارقة، تم جس سے چاہو محبت کرلو لیکن ایک دن اس سے جدا ہونے والے ہو۔

۷۔ اور اس دستور العمل کے باقی تمام مذکورہ اعمال پابندی سے کرتے رہیں۔ رفتہ رفتہ تقاضے گھٹتے جائیں گے اور یہ تمنا نہ کریں کہ تقاضے بالکل ہی ختم ہو جائیں۔ مطلوب صرف اتنا ہے کہ تقاضے اتنے مغلوب اور کمزور ہو جائیں جو بآسانی قابو میں آجائے گا اور غیرُ اللہ کی محبت سے نجات حاصل ہو جائے گی اور وہ انعامات قلب و روح کے محسوس ہوں گے جو ہر وقت روح پر حمد طاری رکھیں گے اور قلب کو ایسا سکون عطا ہو گا جو بادشاہوں نے خواب میں بھی نہیں دیکھا اور ایسا معلوم ہو گا کہ کوئی دوزخی زندگی جنتی زندگی سے تبدیل ہو گئی۔

نیم جاں بستا مد و صد جاں دہد
انچہ در و ہمت نیاید آں دہد

ترجمہ: اللہ تعالیٰ مجاہدات میں صرف آدھی جان لیتے ہیں لیکن اس کے بدلے میں سیکڑوں جانیں عطا کرتے ہیں اور باطن کو ایسی نعمتیں عطا فرماتے ہیں جو تمہارے وہم و گمان میں نہیں آسکتیں۔

اب دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ اس دستور العمل کو رذائل نفس سے خلاصی کا اپنے بندوں کے لیے بہترین ذریعہ بنادیں اور غیرُ اللہ کے علائق سے نجات عطا فرمادیں اور اس خدمت کو شرفِ قبول عطا فرمادیں۔

وآخر دعوانا أن الحمدللہ رب العالمین

نوٹ: روزانہ دو نفل پڑھ کر خوب گڑگڑا کر اپنی اصلاح و تزکیۂ نفس کے لیے دعا کریں کیونکہ بغیر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے کسی شخص کا نفس پاک نہیں ہو سکتا۔ یہ نعمت اللہ کے فضل و رحمت کے بغیر کوئی نہیں پا سکتا۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: مجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟

ان میں سے سب سے بڑی یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو آزمانا چاہتے ہیں تا کہ ان کی قوت ایمانی اور ثابت قدمی جانچ لیں۔ جب یہ ہو جائے تو اللہ کی فتح آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَاْ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ (سورۃ محمد:۴)

”اور اگر اللہ چاہتا تو (اور طرح) ان سے انتقام لے لیتا۔ لیکن اس نے چاہا کہ تمہاری آزمائش ایک (کو) دوسرے سے (لڑوا کر) کرے۔“

صاحب عمدہ لکھتے ہیں: [میرے خیال میں اب ان حضرت کی کتاب سے لوگوں کی رہنمائی نہیں کرنی چاہیے۔ خود کوئی استفادہ کرے تو الگ بات ہے]۔

”عجلت پسندی بنانے کے بجائے بگاڑتی زیادہ ہے۔ جو کسی چیز کو قبل از وقت لینا چاہے اس کی سزا اسے وہ چیز محروم کرنے سے دی جاتی ہے۔ عجلت پسندی محرومی کی علت ہے۔ یہ فقہی قاعدہ ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر آپ پھل کو پکنے سے پہلے توڑو گے تو نہ خود فائدہ اٹھایا اور نہ اسے پکنے تک رہنے دیا تا کہ بعد میں فائدہ اٹھا سکتے۔ عجلت پسندی شیطان کے لیے ایک دروازہ کھول دیتا ہے تا کہ وہ بندہ کو بتدریج حق سے دستبردار ہونے کی طرف دھکیلے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں راستہ مختصر کر رہا ہوں۔ حالانکہ وہ راستہ بھٹک دیتا ہے اور پھر جاتا ہے۔ اس دستبرداری اور پھر جانے کو عموماً چھپانے کے لیے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ حکمت، سیاست اور دعوت کی مصلحت ہے۔ پس مسلمان بخوبی جان لے کہ حق کا اتباع اور اس پر صبر فتح کا مختصر ترین راستہ ہے۔ اگرچہ یہ راستہ لمبا ہو اور اس میں رکاوٹیں زیادہ ہوں، اور اس کے راہی کم ہوں۔ حق سے پھر جانے سے رسوائی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اگرچہ اس سے راستہ آسان ہو جائے اور اس پر چلنے والے کو فتح قریب نظر آئے۔ لیکن یہ سب وہم و خیال ہے۔“

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

دِل کی حفاظت

کینہ، بغض، حسد، عجب اور تکبر جیسی بیماریوں کے متعلق جامع درس

شیخ احسن عزیز شہید رحمۃ اللہ علیہ

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ

قال اللہ تعالیٰ:

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (سورۃ بنی اسرائیل:۳۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے......اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ بیشک کان اور آنکھ، وَالْفُؤَادَ اور دل، كُلُّ اُولٰٓئِكَ یہ جتنے ہیں یہ سبھی، كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ان ساروں سے سوال کیا جائے گا۔

کان، آنکھ اور دل...... اللہ تعالیٰ نے تین جوارح کا اس میں تذکرہ کیا ہے۔ کان سے ہم اچھی اور بری بات سنتے ہیں اور سن سکتے ہیں۔ آنکھوں سے اچھی اور بری چیز دیکھ سکتے ہیں اور دل میں ہم اچھے اور برے خیالات کو جگہ دے سکتے ہیں۔ جو ظاہری اعمال ہیں ان کے بارے میں تو ہر کوئی جانتا ہے، انسان کے جسم کے ہاتھ پاؤں، آنکھ کے بھی اعمال ظاہری ہیں، کان کے بھی اعمال ظاہری ہیں۔ لیکن یہاں پہ ایک اور بات اللہ تعالیٰ نے فرمائی دل کے بارے میں، فُؤَادَ...... دل کی بھی پوچھ ہوگی۔ کچھ اعمال ایسے ہیں جو اعمالِ قلب ہیں، قلب کے اعمال ہیں۔ عام طور پہ انسان کی نظر ظاہری اعمال پہ بہت زیادہ ہوتی ہے لیکن قلب کے جو اعمال ہیں اس کے اوپر نظر نہیں ہوتی۔ تو یہ جو صوفیا ہیں اور اصلاحی سلسلے ہیں یہ قلب کی اصلاح پہ بہت زور دیتے ہیں اور قلب کے اعمال کو درست کرنے کی طرف بہت توجہ دیتے ہیں۔

قلب کے اعمال کیا ہیں؟ قلب کے اچھے اور برے اعمال، مثلاً برائیوں کو اگر ہم لیں تو کسی مسلمان سے کسی بات میں حسد کرنا، یہ قلب کا عمل ہے۔ کسی سے بغض رکھنا، نفرت کرنا، یہ قلب کا عمل ہے۔ دل میں کینے کو پرورش دینا، یہ قلب کے اعمال میں سے ہے۔ سوئے ظن کرنا کسی مسلمان کے خلاف، بے جا بدگمانی کرنا، یہ قلب کے اعمال میں سے ہے۔ جہاں جوارح کے اعمال برے ہیں، اسی طرح قلب کے جو برے اعمال ہے اُن کی اصلاح کی طرف بھی توجہ دینی چاہیے۔ عام طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ ہم اپنے ظاہری اعمال کو درست کریں۔ گناہوں سے بچیں، آنکھ کوئی گناہ نہ کرے، کان کوئی گناہ نہ کریں، ہاتھ کوئی گناہ نہ کریں، قدم گناہ کی طرف چل کر نہ جائیں۔ تو اس طرف تو مسلمانوں کی توجہ ہوتی ہے۔ لیکن قلب کے اعمال کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ تو دل کے اوپر ہمیشہ نظر رکھنی چاہیے۔ دل بادشاہ ہے انسان کا۔ دل جو ہے انسان کو چلاتا ہے۔ دل جس طرف رُخ کرے، جس طرف انسان کو لے جانے کے لیے ارادہ کرلے، فیصلہ کرلے، انسان اس کے پیچھے چل پڑتا ہے۔ جہاں پہ دل کسی نیک کام کی ٹھان لے تو اس کے لیے انسان چل پڑتا ہے۔ حتیٰ کے اس نیک کام کے لیے اپنی جان بھی دے دیتا ہے۔ چونکہ اس کے دل نے یہ ارادہ کرلیا تھا کہ میں نے یہ نیک کام کرنا ہے چاہے اس میں میری جان چلی جائے۔

اور ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جو برے کام کا ارادہ کریں دل میں اور اس کے پیچھے وہ لوگ چل پڑتے ہیں اور بعض اوقات اس کے لیے اپنی جان بھی دے دیتے ہیں۔ چاہے وہ یک لخت دے دے اپنی جان یا چاہے وہ رفتہ رفتہ اپنے آپ کو ہلاکت کی طرف لے جائے۔ تو انسان کا دل جو ہے وہ طرح طرح کی وادیوں میں بھٹکتا ہے، طرح طرح کے خیالات اس میں آتے ہیں۔ تو بندۂ مومن کا یہ کام ہے کہ وہ اپنے ظاہری اعمال کے ساتھ اپنے دل کے اعمال پر بھی نظر رکھے۔

نبی کریم ﷺ کی جو تعلیمات ہیں...... آپ دیکھیے ایک چھوٹی سی حدیث ہے جس میں فرمایا کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر (تکبر) ہوگا، وہ جنت میں نہیں جاسکے گا۔ تو ذرہ برابر کبر کتنا ہوتا ہے اور تکبر اتنی بڑی چیز ہے، اتنی بری چیز ہے کہ وہ انسان کو جنت سے محروم کردیتا ہے۔ اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، اپنے آپ کو برتر سمجھنا۔

نبی کریم ﷺ کے پاس یعنی دیوانے، مجنون لوگ یا کمزور لوگ، لونڈیاں، غلام، کنیزیں، ایسے لوگ آتے تھے اور اپنے مسائل بیان کرتے تھے اور مدد کا تقاضا فرماتے تھے اور آپ اُٹھ کے چل پڑتے تھے ان کی مدد کے لیے۔ کبھی کسی کو یہ نہیں کہا کہ تمہاری یہ حیثیت نہیں کہ میں تمارے ساتھ بات کروں یا میری وہ حیثیت نہیں کہ میں تمہاری بات کو سنوں۔ اسی طرح ایک دیوانی سی سادہ لوح عورت آئی اور اس نے کہا کہ میں نے الگ سے بات کرنی ہے، نبی ﷺ نے اُٹھ کے اس کی بات سنی اور کہا کہ جہاں تم کہو گی وہاں میں تمہاری بات سنوں گا۔ حمار کے اوپر بیٹھ جاتے تھے۔ گدھے کی سواری جو ہے وہ عام تھی، رواج تھا اس معاشرے میں، تو کبھی تکبر نہیں فرمایا کہ گدھا جو ہے وہ اس لائق نہیں کہ میں اس پر سوار ہوں۔ نبی کریم ﷺ کی یہ شان تھی۔

حضرت عمرؓ اپنے بارے میں کہہ رہے ہیں بھری مجلس میں کہ میں وہ ہوں کہ بکریاں چرانے پہ جس کا باپ اسے مارا کرتا تھا۔ یعنی اپنی عاجزی کا وہ لوگ اظہار کرتے تھے کہ ہماری اوقات جو ہے وہ ایک بندے سے زیادہ نہیں ہے۔ لیکن کیا اس عاجزی کے اظہار کرنے کی وجہ سے کبھی کم ہوگئی تھی ان کی شان؟ کبھی کم نہیں ہوئی اور اسی عجز اور انکساری کی وجہ سے ان میں بے پناہ صبر پیدا ہوگیا تھا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ بھری مجلس میں ایک آدمی نے ان سے کہا کہ آپ حرام کی اولاد ہیں، تو امام ابو حنیفہ نے بڑے تحمل سے اس کو جواب دیا کہ نہیں میرے ماں باپ کے جو نکاح کے گواہ ہیں، وہ زندہ ہیں۔ اس نے کہا، اچھا مجھے بتاؤ وہ کون ہیں؟ تو امامؒ چل پڑے، وہ آدمی بھی پیچھے پیچھے چل پڑا اور وہ گر گیا۔ امام نے پیچھے مڑ کے

دیکھا تو وہ مر چکا تھا۔ فرمایا: اس کو میرے صبر نے مار دیا۔ تو جس بندے کے اندر انکساری ہو گی، عجز ہو گا، تو اس کے اندر لا محالہ صبر اور تحمل بھی پیدا ہو گا۔

اب دنیا کے معاملات اور کاروبارِ زندگی جو ہے وہ رواں دواں رہتا ہے جب صبر ہو۔ جب صبر نکل جائے، تحمل ختم ہو جائے تو سارے کاموں میں رکاوٹیں آنا شروع ہو جاتی ہیں۔ نیکی اور ہدایت پہ ہونے کے باوجود بے صبری انسان کے اعمال میں اور اس کی زندگی کے معمولات میں رکاوٹ پیدا کر دیتی ہے۔

تو بات ہو رہی تھی دل کے اعمال پہ، تو دل کے اوپر ہمیشہ نظر رکھنی چاہیے کہ دل میں کسی کے لیے کینہ اور بغض تو نہیں ہے، دل میں کسی کو حقیر تو نہیں جانتا، دل میں اپنے آپ کو عجب کا شکار تو نہیں کیا کہ میں دوسروں سے برتر ہوں اور میں جو ہوں دوسروں سے اعلیٰ ہوں اور میں جو ہوں زیادہ مقرب ہوں اللہ کا، میں زیادہ عبادت گزار ہوں اور میں نے زیادہ خدمت کی ہے۔ تو ہمیشہ اس چیز پر نظر رکھیں کہ اگر اللہ نے مجھے کوئی خوبی دی ہے تو وہ میرے اپنے کسب سے نہیں ہے، وہ اللہ کی دَین ہے اللہ کی عنایت ہے۔

اور عنایت ابتلا (آزمائش) ہوتی ہے۔ جو بھی نعمت ہے وہ ابتلا ہے۔ اور نجانے جو اللہ نے مجھے نعمت دی ہے، جو میں نے کوشش کی ہے یا جس چیز میں مجھے اللہ تعالیٰ نے باقیوں پر مجھے فضیلت دی ہے، پتا نہیں وہ میرے لیے جنت کا ذریعہ ہے یا جہنم کا ذریعہ ہے، یہ تو نہیں معلوم۔ ایک بندے کو اللہ تعالیٰ نے بہت حسین و جمیل بنایا ہے اور بہت طاقتور بنایا ہے، بڑا شجاع بنایا ہے۔ تو یہ ساری چیزیں اس کے لیے ہلاکت کا باعث بن سکتی ہیں۔ اس کا حسن و جمال جو ہے اس کو دنیا میں غرق کر سکتا ہے۔ اس کی شجاعت جو ہے اس کو چور وڈا کو بنا سکتی ہے۔ اس کی اور کوئی خوبی اور کمال جو ہے وہ اس کے برے راستے کے اوپر کام آ سکتا ہے۔ اگر کوئی نعمت اللہ نے دی ہے، فضیلت دی ہے تو اس کو کیا کرنا چاہیے؟ اللہ کی طرف سے ابتلاء سمجھنی چاہیے کہ یہ میرا امتحان ہے اور اس نعمت کے جواب میں، میں جو کچھ کر رہا ہوں پتا نہیں مقبول ہو گا کہ نہیں؟ تو اس سے جو ہے عجب کی اور کبر کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ایک آدمی نے کہیں کسی کو برائی سے روکا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کہا...... کہ یہ غلطی نہ کرو۔ تو آپ نے ان سے پوچھا، یہ ان کا زیرِ تربیت تھا۔ انہوں نے پوچھا کہ تمھیں امر بالمعروف کی شرائط معلوم ہیں؟ کہا نہیں۔ کہا اس کی ایک اہم شرط تو یہ ہے کہ جب تم کسی کو نیکی کا حکم دو یا کسی برائی سے روکو تو اپنے آپ کو اس سے کم تر جانو، اپنے آپ کو اس سے کم تر جانو...... نہ کہ یہ، کہ دل میں یہ پیدا ہو گیا کہ اچھا اس میں تو یہ خرابی ہے، میرے میں نہیں ہے۔ ماشاءاللہ الحمدللہ میں تو اس سے بڑا افضل ہوں۔ خرابی اس میں ہے میرے میں نہیں ہے۔ نجانے اس کی جو ایک خرابی ہے اللہ اس کو معاف کرنے والا ہو اور نجانے ہمارے اندر کتنی خرابیاں ہوں جس کے اوپر اللہ ہمیں پکڑنے والا ہو۔ تو کبھی بھی

مخلوقِ خدا کو، عامۃ المسلمین کو، یا دوسرے مسلمانوں کو، دوسرے مجاہدین کو حقیر نہیں جاننا چاہیے، کم تر نہیں جاننا چاہیے اور اپنے دل کے اعمال کے اوپر نظر رکھنی چاہیے۔ دل جو ہے وہ چھپا ہوا ہے۔ دل کسی نے نہیں دیکھا، لیکن اس دل میں جو کچھ پرورش پا رہا ہے، یہ دل جو جو عمل کر رہا ہے، ہر لمحے دل کچھ نہ کچھ سوچتا رہتا ہے، برائی کا پکا ارادہ کرے گا...... دل میں برائی کا وسوسہ آ جائے تو وہ معاف ہے، لیکن برائی کا پکا ارادہ جب انسان کر لے اور نیت باندھ لے دل میں تو اس کے اوپر پکڑ ہے۔ وسوسے معاف ہیں لیکن جب دل میں پکا ارادہ کریں گے تو فقہا نے لکھا ہے کہ اس کے اوپر پکڑ ہے۔

اسی طرح کسی کو حقیر جاننا، کسی کو کمتر جاننا، اپنے آپ کو افضل سمجھنا۔ نبی کریم ﷺ نے اس چیز کا راستہ ایسے بند فرمایا کہ کبھی بھی امتیاز نہیں آنے دیا۔ خود اپنے بارے میں ایک دفعہ سفر پہ جا رہے تھے تو ہر شخص نے اپنے اپنے ذمے کام لیا تو آپ ﷺ نے فرمایا میں لکڑیاں چنوں گا اور امتیاز نہیں آنے دیا۔ کہ میری شانِ رفیع جو ہے وہ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ، آپ کے ذکر کو، آپ کے چرچے کو ہم نے بلند فرمایا۔ تو یہ نبی کریم ﷺ کی شانِ رفیع جو تھی اس میں کوئی کمی تو نہیں آ گئی لکڑیاں چن لینے سے بلکہ آپ ﷺ کی عظمت کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ تو ہر وہ چیز جس سے دلوں میں فرق آ جائے ہر وہ چیز جس سے دلوں میں امتیاز پیدا ہو جائے۔ نبی کریم ﷺ نے اس کو منع فرمایا ہے اس کو ناپسند فرمایا ہے۔ جب صحابہ کرامؓ کے درمیان آتے تھے تو ادب کا تقاضا تھا اور اس بات پر صحابہ کرامؓ کے دل پھٹتے تھے کہ اب کھڑے ہو جائیں اور نبی کریم ﷺ کا کھڑے ہو کر استقبال کریں لیکن نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا کہ اس طرح مت کرو، میرے لیے کھڑے مت ہوا کرو، تو صحابہ کرام جو ہیں اپنے دلوں پر جبر کر کے بیٹھے رہتے تھے، نہیں کھڑے ہوتے تھے کہ ادب کے خلاف ہے، جب منع کر دیا تو ادب کے خلاف ہو گیا۔ تو اپنے دل پر جبر کرتے تھے لیکن نبی کریم ﷺ کی اطاعت فرماتے تھے اور آپ ﷺ کی خوشی کا خیال رکھتے تھے۔ اسی کا نام ادب ہوتا ہے۔ ادب کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کسی کی بلا ضرورت خدمت شروع کر دیں، جو خدمت نہیں چاہ رہا اس کی بھی آپ خدمت شروع کر دیں۔ ادب کا تو یہ مطلب ہوتا ہے کہ دوسروں کو خوش رکھیں اور دوسروں کو راحت پہنچائیں۔ کبھی خدمت کرنے میں راحت ہوتی ہے اور کبھی نہ کرنے میں راحت ہوتی ہے۔ تو خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی۔

تو بھائی! دل کے جو اعمال ہیں، عامۃ المسلمین کے بارے میں، اکثر مجاہدین کے دلوں میں یہ عجب پیدا ہو جاتا ہے کہ ہم باقی مسلمانوں سے افضل ہیں اور ہم نے جہاد کیا ہے، باقی لوگ جہاد نہیں کر رہے۔ تو یہ عُجب ہے، یہ بھی مستحسن (یعنی اچھا) نہیں ہے، یہ بھی پسندیدہ نہیں۔ کیا پتا کسی مسلمان کی دعا سے ہمارا سفر چلتا ہو، ہمارے جہاد کی گاڑی چلتی ہو۔ جو گھروں کے اندر بیٹھی ہوئی عورتیں ہیں، بچیاں ہیں، مائیں ہیں، بوڑھے ہیں، پڑوسی ہیں، نجانے کتنے لوگ ہیں کہ جن کی دعائیں لگتی ہیں۔ وہ حدیث سنی ہو گی آپ لوگوں نے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے جو بیٹے

ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میرے والد کا یہ گمان تھا کہ ان له فضل علی من دونه۔ حضرت سعدؓ کا خیال تھا کہ مجھے باقیوں پر، دوسرے اصحاب رسول ﷺ پر فضیلت حاصل ہے۔ تو جب رسول اللہ ﷺ سے انہوں نے یہ حدیث سنی کہ انما ینصر ھذہ الامة بضعیفھا، کہ اس امت کی مدد اس کے کمزوروں کی وجہ سے کی جاتی ہے، اس کے دلیروں اور شجاع لوگوں کی وجہ سے نہیں کی جاتی۔ بضعیفھا، کمزور لوگوں کی وجہ سے اس امت کی مدد کی جاتی ہے۔ ان کی دعاؤں کے نتیجے میں، ان کی نمازوں کے نتیجے میں اور ان کے اخلاص کے نتیجے میں...... اس کے طفیل اس امت کی مدد کی جاتی ہے۔ تو کبھی بھی کسی بھی انسان کی اپنے کارناموں پر نظر نہیں ہونی چاہیے بلکہ ہمیشہ اپنی کوتاہیوں پر نظر ہونی چاہیے۔ دوسرے مسلمانوں کی کوتاہیوں پر نظر نہیں ہونی چاہیے بلکہ دوسرے مسلمانوں کی خوبیوں کے اوپر نظر ہونی چاہیے۔ تو عجب، کبر اور دل کے جو برے اعمال ہیں، حسد ہے، کینہ ہے، بغض ہے، ان چیزوں سے اپنے آپ کو ہمیشہ پاک رکھنے کی کوشش کریں اور اس بات کی کوشش کریں کہ ہمارے اور عام مسلمانوں کے درمیان امتیاز نہ آئے۔ ہمارے اور دوسرے مجاہدین کے درمیان امتیاز نہ آئے کہ جس سے یہ ظاہر ہو کہ ہم جو ہیں اعلیٰ ہیں اور دوسرے جو ہیں وہ ادنیٰ ہیں۔ نعوذ باالله من ذلك۔ یا ہم جو ہیں وہ بلند مرتبہ ہیں اور دوسرے جو ہیں وہ کم مرتبہ ہیں۔ ہماری شان زیادہ ہے، دوسروں کی شان کم ہے۔ کبر جو ہے...... تکبر، یہ انسان اپنے دل میں تو بہت بڑا بنا رہتا ہے لیکن دوسروں کے نگاہوں میں مسلمانوں کے نگاہوں میں اللہ اسے ذلیل کر دیتے ہیں اور عاجزی وانکساری ایسی چیز ہے کہ جس کے بارے میں آتا ہے کہ وہ انسان کے درجات کو بلند کرتی ہے۔ ما تواضع احدٌ لله، کوئی ایسا بندہ نہیں کہ جس نے اللہ کی خاطر تواضع اختیار نہ کی ہو، الا رفعه الله عزوجل، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو رفعت نہ دی ہو۔ عزت و جلال تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے تو وہ اس بندے کو رفعت دیتا ہے بلندی دیتا ہے۔ تو بلندی اور رفعت اللہ کے ہاتھ میں ہے اور یہ کس کا ثمرہ ہے؟ عاجزی وانکساری کا۔ جتنے لوگ دنیا میں، اسلام کی تاریخ میں گزرے...... جنہوں نے بڑے بڑے کارنامے کیے اور بڑی بڑی جنگوں میں اسلام کی خدمات انجام دیں، یہ سارے وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنے آپ کو مٹایا ہے، جنہوں نے اپنے آپ کو دوسرے سے ہمیشہ کمزور جانا ہے، جنہوں نے دوسروں کو ہمیشہ اپنے سے افضل جانا ہے۔ دوسروں کو افضل جاننا اور اپنے آپ کو ناکارہ جاننا، یہ ایمان کی علامتوں میں سے ہے۔

تابعین میں سے ایک تابعی کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ستر سے زیادہ اصحاب سے ملا۔ ان میں سے ہر ایک کو اپنے منافق ہونے کا خطرہ تھا۔ اصحاب رسول ﷺ ہیں، ان کے بارے میں ہے کہ اللہ ان سے راضی، وہ اللہ سے راضی ہیں۔ پوری گارنٹی ہے، پوری ضمانت ہے کہ وہ جنتی ہیں، بخشے بخشائے ہیں۔ عدول ہیں سب کے سب، لیکن اپنے بارے میں وہ کتنی عاجزی والے تھے، کہ ایک تابعی کہتے ہیں کہ میں ان میں سے ستر سے زیادہ سے ملا، ان میں سے ہر ایک صحابی کو اپنے اوپر نفاق کا خطرہ تھا کہ میں منافق ہوں۔ حضرت عمر فاروقؓ جیسے جلیل القدر صحابی آئے اور حضرت حذیفہ بن یمان...... حذیفہ ابن یمان کون تھے؟ صاحبِ اسرارِ رسول ﷺ۔ حضرت حذیفہ بن یمانؓ کو رسول اللہ ﷺ نے سارے منافقین کی فہرست بتائی ہوئی تھی کہ یہ منافقین ہیں...... مدینے کے اندر فلاں فلاں منافق ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ آئے اور حضرت حذیفہ سے پوچھا کہ حذیفہ! ان منافقین کی فہرست مجھے دے دو۔ آپؓ نے کہا کہ جس بات کو اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے راز میں دیا ہے میں کبھی افشا نہیں کروں گا۔ کہا اچھا میرا نام تو نہیں ہے ان میں۔ آپؓ نے کہا، ہاں اتنا بتا دیتا ہوں آپ کو، کہ آپ کا نام نہیں ہے اس میں اور آج کے بعد یہ بات بھی کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ تو آپ دیکھیے کہ وہ عمر فاروقؓ کہ جس راستے سے وہ گزرتے ہیں تو شیطان وہ راستہ چھوڑ دیتا ہے، وہ اپنے بارے میں ڈرتے ہیں کہ میں شاید منافق ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی ہستی نے بھی اپنے آپ کو اعلیٰ نہیں سمجھا، برتر نہیں سمجھا، انہیں بھی اپنے اوپر ہمیشہ نفاق کا خطرہ رہتا تھا۔ تو ہمارے اعمال کیا ہیں اور ہماری اوقات کیا ہے اور ہمارا انجام کیا؟ کسی کو نہیں معلوم!!

اس لیے اپنے آپ کو کم تر سمجھنا اور اپنے آپ کو حقیر سمجھنا لازمی ہے۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو حقیر ہیں، ناکارہ ہیں، ناچیز ہیں...... کہتے ہیں، یہ تو اس وقت پتا چلے گا کہ آپ حقیر ہیں کہ جب کوئی دوسرا آپ کو کہے کہ آپ تو حقیر ہیں۔ ایسے وقت میں تو آپ بھڑک اٹھتے ہیں۔ جب آپ کو کوئی کہے کہ آپ تو ناکارہ ہیں، ناچیز ہیں، حقیر ہیں، تو آپ بھڑک اٹھتے ہیں، اس کا مطلب ہے کہ آپ اپنے آپ کو ناکارہ نہیں سمجھتے ہیں، آپ سمجھتے ہیں کہ آپ بڑی چیز ہیں۔ تو اس کا امتحان تو تبھی ہوتا ہے کہ آپ میں کتنی عاجزی ہے کہ جب دوسرا آپ کو للکارتا ہے، اور جب وہ ایسا کرتا ہے تو آپ اس سے سیخ پا ہوتے ہیں۔

اس لیے میرے بھائیو! آخرت کا سفر جو ہے بڑا مشکل ہے۔ آخرت کے سفر میں اپنے اوپر نظر رکھنا اور اپنے اعمال پہ نظر رکھنا...... اور سب سے مشکل کیا ہے؟ اپنے قلب کے اوپر، اپنے دل کے اوپر نظر رکھنا اور دل کے اعمال کی پرواکرنا کہ دل کے اندر تکبر پیدا نہ ہو۔ دل کے اندر سوئے ظن پیدا نہ ہو، حسد پیدا نہ ہو، دوسروں سے کینہ اور بغض نہ ہو۔ یہ وہ چیزیں ہیں کہ جو بڑے مرتبے دلاتی ہیں انسان کو۔ اگر دل صاف ہے اہل ایمان کے بارے میں تو نماز اور روزہ انسان کو اس درجے پر نہیں پہنچا سکتا، جس تک آپ کے دل کے اعمال آپ کو پہنچاتے ہیں۔ ایک بندہ نماز پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے لیکن اس کا دل بغض، کینے، حسد اور تکبر سے بھرا ہوا ہے...... یہ چیزیں اس کو کون سے رتبے دلا سکیں گی۔ ایک بندہ ہے جس کے ظاہری اعمال تھوڑے ہیں لیکن اس کا دل شیشے کی طرح صاف ہے، اس میں کسی مسلمان کے لیے نفرت نہیں ہے، کسی مسلمان کے لیے حقارت کے جذبات نہیں ہیں۔ تو اس کا درجہ یقیناً اس مسلمان سے بڑا ہو گا جو بظاہر بہت آگے ہے لیکن اس کا دل غلاظت سے بھرا ہوا ہے۔ تو اللہ سے ہمیشہ یہ دعا مانگی جائے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سلامتِ صدر عطا فرمائے اور دل ہمارے صاف ہو جائیں۔

و آخر دعوانا ان الحمدلله ربّ العالمین۔

مجاہد کے لیے آداب

۱۔ جہاد اور اطاعت مال یا دنیا کے لیے نہ ہو بلکہ صرف اور صرف اللہ کے دین کے لیے ہو۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا نہ ان کی طرف رحمت کی نظر سے دیکھے گا اور نہ ہی ان کا تذکرہ کرے گا بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا۔ وہ آدمی جو جنگل میں بچے ہوئے پانی سے مسافر کو روک دے۔ وہ آدمی جو عصر کے بعد اپنے سامان کو فروخت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی قسمیں اٹھائے تاکہ زیادہ سے زیادہ نفع کما سکے، وہ اس کی تصدیق کرتا ہو حالانکہ حقیقت میں وہ ایسا نہ ہو۔ وہ آدمی جو کسی امیر کے ہاتھ پر صرف حصولِ دنیا کے لیے بیعت کرے۔ اگر امیر اسے کچھ دے دے تو وہ اس سے وفادار رہے اگر کچھ نہ دے تو بے وفائی کر جائے۔“

فتح الملہم میں آیا ہے کہ بیعت کرنے کا یہ قاعدہ ہے کہ امیر کے سامنے یہ باتیں رکھیں کہ حق پر رہیں گے، حدود جاری کریں گے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو نہیں چھوڑیں گے، اسی طرح کتاب میں آیا ہے کہ ہر وہ عمل جس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا نہ ہو بلکہ دنیا ہو تو وہ عمل فاسد اور اس عمل کے کرنے والا گناہ گار ہے۔

۲۔ مجاہد کو چاہیے کہ اپنے آپ کو غلول[1] اور خیانت سے بچائے۔

حضرت عمرؓ بن خطاب سے روایت ہے، آپؓ نے فرمایا: ”جب خیبر کا دن آیا (یعنی جب غزوۂ خیبر ختم ہو گیا) تو نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے چند لوگ آئے اور آپس میں کہنے لگے کہ فلاں شخص شہید ہو گیا، اس کا نام لے کر اس کی شہادت کا ذکر کرتے، یہاں تک کہ وہ لوگ ایک شخص کی لاش پر سے گزرے اور کہا کہ یہ فلاں شخص شہید ہے۔ نبی کریم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ ہرگز نہیں، (تم لوگ جس معنیٰ میں اس کو شہید کہتے ہو وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ) میں نے اس شخص کو مالِ غنیمت میں سے ایک چادر یا ایک دھاری دار کملی چرانے کے سبب دوزخ میں جلتے دیکھا ہے۔ پھر نبی کریم ﷺ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ ابنِ خطاب! جاؤ اور لوگوں کے درمیان تین مرتبہ یہ منادی کر دو کہ جنّت میں (ابتداءً) صرف مومن (یعنی کامل مومن) ہی داخل ہوں گے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ چنانچہ میں نکلا اور تین مرتبہ یہ منادی کی کہ خبردار! جنّت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے۔“

دوسری حدیث جو کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے:

”ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ خیبر کی طرف نکلے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح نصیب فرمائی، اس دفعہ ہمارے ہاتھ سونا اور چاندی نہیں آئی، بلکہ کپڑے، خوراک اور باقی چیزیں ہمارے ہاتھ آئیں۔ پھر ہم وادی القریٰ نہر میں پہنچے۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک آدمی تھا، جس کو قبیلۂ جذام کے ایک فرد رفاعہ بن زید جو ضبیب کے گھرانے سے تھا، نے ہبہ کیا تھا۔ جب ہم نہر میں اتر گئے تو اس آدمی نے سامان کو کھولنا شروع کیا، اچانک ایک تیر آیا اور اس آدمی کو لگ گیا، تو ہم نے کہا، اس کو شہادت مبارک ہو اے اللہ کے رسول ﷺ۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایسا نہیں ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد ﷺ کی روح ہے، وہ چادر اس کو آگ میں جلا دے گی جو اس نے خیبر کی غنیمت میں سے تقسیم سے قبل اٹھائی تھی۔ لوگ ڈر گئے اور جس کسی نے ایک تسمہ بھی غنیمت کے سامان سے اٹھایا تھا وہ آپ ﷺ کی خدمت میں لے کر آئے اور کہا: یا رسول اللہ! ہم نے بھی یہ چیزیں خیبر کے دن اٹھائی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تسمہ ایک ہو یا دو، وہ آگ سے ہے۔“

فتح الملہم میں آیا ہے، اگر کوئی شخص غنیمت کے سامان میں سے کوئی چیز اٹھائے، تو اس پر واجب ہے کہ اسے واپس رکھ دے اور بعض کو قبول کر لے۔ یعنی امیر کی اجازت سے قبول کر لے۔

۳۔ مجاہد اور خصوصاً امیر کے لیے لازم ہے کہ بیت المال کے مال سے اپنے آپ کو ایسے بچائے جیسا کہ یتیم کے مال سے آدمی اپنے آپ کو بچاتا ہے۔

کنز العمال میں حضرت عمرؓ بن خطاب کے بارے میں آیا ہے کہ آپؓ نے فرمایا: ”میں بیت المال کو یتیم کے مال کی جگہ اتار رہا ہوں۔ اگر مجھے اس کی ضرورت نہ ہو تو اپنے آپ کو اس سے بچاتا ہوں اور اگر محتاج ہوا تو بھلائی کے طریقے سے کھاؤں گا۔“

(باقی صفحہ نمبر 18 پر)

[1] غلول: غنیمت میں خیانت کرنا۔

شہادت کی قبولیت کی شرائط ۶

شہید عالمِ ربّانی استاد احمد فاروق رحمہ اللہ

تو جو بات یہاں پر ہمیں اپنے ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے، اگر اس سے کوئی مستثنیٰ ہے تو وہ صرف ایک قسم کا شہید ہے اور وہ 'شہید البحر' ہے، وہ سمندر میں شہادت پانے والا ہے۔ اس کے قرض سمیت سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ تو کوئی وہ شہادت پا سکے تو پا سکے، دوہرے شہید کا اجر ہوتا ہے اس کے لیے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اور اس میں غیر معمولی ترغیب ہے مسلمانوں کے لیے کہ وہ سمندروں کی جنگ کی طرف توجہ دیں، اس کی طرف رخ کریں اور مسلمانوں نے ہر دور میں سمندری جنگ کی۔ حضرت معاویہؓ اس پوری مہمات کے بانی سمجھے جاتے ہیں، اور وہ حضرت عمرؓ کے دور میں بھی اصرار کرتے رہے کہ مجھے جانا ہے، مجھے بھیجئے دیں لشکر، اور اس کے بعد حضرت عثمانؓ کے دور میں بالآخر ان کو اجازت ملی اور انہوں نے لشکر بھیجا، قبرص کو فتح کیا اور ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث صادق آئی یعنی ان کے اوپر بھی منطبق ہوتی ہے کہ میری امت کو جو پہلا گروہ جنگ کرے گا سمندر کے راستے سے تو وہ جنتی ہے، تو اس میں حضرت معاویہؓ بھی شامل ہیں، ان کے مناقب میں یہ شامل ہے۔

تو پیارے بھائیو! جو بات ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے، کہ حقوق العباد کا معاملہ اتنا خطرناک ہے کہ شہید کے لیے بھی اس میں کوئی گنجائش موجود نہیں۔ تو ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے معاملات کو دیکھے۔ حقوق العباد میں سب سے پہلا حق کس کا آتا ہے، والدین کا آتا ہے۔ وَاعْبُدُوا اللهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا...... اللہ کی عبادت کرو، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اللہ فرماتے ہیں دوسری بات جو اللہ کے شرک سے بچنے کے بعد آتی ہے، وہ کیا ہے، وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا...... اور والدین سے اچھی طرح پیش آؤ۔ پیارو! یہ ایک آیت اتنی بھاری ہے، ہم میں سے ہر ایک جانتا ہے ہم نے کتنا حق ادا کیا ہے۔ کہ...... اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا...... اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے تک پہنچ جائیں، فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ...... تو ان کو اف تک نہ کہو، وَّلَا تَنْهَرْهُمَا...... اور ان کو جھڑکو مت، وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا...... اور ان کے ساتھ نرمی سے بات کرو، وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ...... اور رحمت کے ساتھ ان کے سامنے اپنے کندھے جھکا لو، وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا...... اور کہو کہ اے میرے رب! جس طرح انہوں نے مجھے پالنے میں نرمی اور شفقت سے کام لیا، تو بھی ان پر رحمت کا معاملہ فرما۔

تو پیارو! یہ اف کیا، ہم تو پتہ نہیں کیا کچھ کرتے رہیں ہیں۔ حدیث کہتی ہے کہ والد کو غصے سے دیکھنا اس کے ساتھ زیادتی ہے، اللہ کی نافرمانی میں داخل ہے۔ تو ہم نے کیا نہیں کیا۔ اور جہاد کے نام پر اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ بخش دیا جائے گا، ہمیں اجازت شریعت نے صرف اس بات کی دی ہے کہ والدین کا وہ حکم نہ مانیں جو خلافِ شرع ہو۔ اگر وہ جہاد سے روکیں تو نکل جائیں پھر بھی جہاد پہ، لیکن اس کی اجازت نہیں ہے کہ جہاد کے نام پہ ان سے بدتمیزی کریں، ان سے سختی سے بات کریں، ان کے سامنے آواز بلند کریں، ان کی شان میں گستاخی کریں۔ واللہ! یہ اللہ کے یہاں مروانے کا باعث بن سکتا ہے، اور شہادتوں کے بعد بھی اللہ کے یہاں پکڑ کا باعث بن سکتا ہے۔ تو یہ ہماری پہچان نہیں بننی چاہیے کہ مجاہدین ہوتے ہی بدتمیز ہیں، مجاہدین ہوتے ہی والدین کے نافرمان ہیں، اور ان کی شان میں گستاخی کرنے والے ہوتے ہیں۔ تو اللہ کے یہاں اس کا جا کے جواب دینا ہے۔

والدین کے حوالے سے اس ایک حدیث پہ غور کر لیں ناں اگر، غالباً طبرانی کی روایت ہے کہ علقمہ نامی ایک صحابی کا واقعہ آتا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لوگ آ کے بتاتے ہیں کہ ان کی زبان سے کلمہ نہیں جاری ہو رہا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ ان کی والدہ کو بلاؤ، تو والدہ کو بلایا جاتا ہے۔ آپ ان کی والدہ سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے بیٹے کا کیا حال ہے، اس کے بارے میں کچھ بتاؤ۔ تو وہ کہتی ہیں کہ وہ اتنی عبادت کرتا ہے، اتنی عبادت کرتا ہے کہ ہم نے اس سے زیادہ نماز اور روزے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارے ساتھ کیسا معاملہ ہے، تو وہ کہتی ہیں کہ میرے ساتھ اچھا معاملہ نہیں ہے، میں اس سے ناراض ہوں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ لکڑیاں جمع کرو، آگ لگاؤ اور پھر حکم دیتے ہیں کہ علقمہ کو لے کے آؤ اور اس آگ کے اندر جلاؤ۔ تو والدہ کہتی ہیں کہ یہ کیسی بات کر رہے ہیں، میرے سامنے آپ میرے بچے کو آگ میں ڈالیں گے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر آپ آج اس کو آگ میں ڈلتا نہیں دیکھ سکتی تو کیا آخرت کی آگ میں ڈلتا دیکھ سکتی ہیں؟ یعنی آپ کی ناراضگی تو اس کو جہنم میں پہنچا دے گی۔ تو وہ والدہ کہتی ہیں کہ میں اللہ کو، اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اور تمام حاضرین کو گواہ بناتی ہوں کہ میں نے اپنے بچے کو بخش دیا۔ اِدھر وہ بخشتی ہیں اُدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی کو بھیجتے ہیں کہ جا کر دیکھو کہ وہ کس حال میں ہے۔ صحابی وہاں پہنچتے ہیں اور کمرے میں داخل ہونے لگتے ہیں تو انہیں حضرت علقمہؓ کی زبان سے کلمے کی آواز آتی ہے اور ساتھ ہی ان کی روح قبض ہو جاتی ہے۔ پیارو! کلمہ

نصیب نہیں ہو تا اگر والدین کو ناراض کر کے انسان دنیا سے جا رہا ہو۔ اتنا خطرناک مسئلہ ہے، تو ہلکانہ سمجھیں ان مسائل کو اور اس میں تقصیر نہ شہادت سے ہو گی اور نہ کسی اور چیز سے اس کو بخشش ملے گی۔

اسی طرح دیگر رشتہ داروں کے حقوق کا معاملہ ہے۔ یہ جو آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھی......وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی......والدین کے بعد اگلا حق اللہ نے بتایا کہ قریبی رشتہ داروں کا حق بنتا ہے۔ اس میں سب شریک ہیں، اس میں نانی نانا بھی داخل ہیں، دادی دادا بھی داخل ہیں، اس میں خالہ خالو، چچا چچی بھی داخل ہیں، اس میں بھائی اور بہنیں بھی داخل ہیں، ان کا حق ہے میرے اوپر جس کے بارے میں اللہ نے قیامت کے دن مجھ سے سوال کرنا ہے۔ اس حق کو ادا کرنے کی فکر ہونی چاہیے، ان کے حق میں تقصیر کی اجازت ہمیں کسی طرح بھی نہیں ملتی ہے۔ ان تک دین پہنچانا بھی ہمارے اوپر فرض ہے، ان کو راحت پہنچانا، ان کی خدمت کرنا، ان کی حفاظت کرنا۔

قریبی رشتہ داریوں میں سب سے قریب کا رشتہ تو مرد کے لیے اس کی بیوی کا رشتہ ہوتا ہے۔ تو حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اتنی تاکید کیا کرتے تھے بیوی کے حق کے بارے میں کہ صحابہ کہتے تھے کہ جب تک آپؐ زندہ تھے تو یوں تھا کہ جیسے ایک تلوار ہمارے سر کے اوپر لٹک رہی ہے، جو محافظ ہے خواتین کے حقوق کی، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو اس کے بعد وہ سلسلہ منقطع ہوا اور ہم ڈرتے تھے کہ اب وحی آئے گی اور ہمیں خواتین کے حقوق کے بارے میں کوئی مزید تاکید کرے گی۔ تو وہ مجاہد اپنی آخرت برباد کر رہا ہے جو مجاہد ہے لیکن اپنے گھر کے اندر بد سلوک ہے، وہ مجاہد ہے اور اپنے گھر میں اپنی بیوی کے ساتھ بری طرح پیش آتا ہے اور اس کے جائز شرعی حقوق پورے نہیں کرتا، تو وہ کدھر چلا ہے، وہ کس طرح اپنے آپ کو جنت کا مستحق اتنے آرام سے سمجھ رہا ہے۔ اس کو ساری آزمائشوں اور سختیوں سے پھر گزرنا ہو گا قیامت کے دن، اگر اس نے اس حق کو پورا نہ کیا۔

اسی طرح اولاد کا حق ہے۔ اولاد کا بھی یہی معاملہ ہے کہ، ٹھیک ہے والدین کا حق بہت غالب ہے اولاد پر لیکن اولاد کے بھی کچھ حقوق ہیں۔ پہلا حق اس میں سے دین سکھانا ہے ان کو، اس سے غفلت کی کوئی گنجائش نہیں۔ لیکن اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پورا اسوہ ہے اولاد سے محبت کے حوالے سے، اولاد سے شفقت کے حوالے سے، کہ جس کو دیکھ کر اعرابی حیران ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ آپ سر پر کیوں ہاتھ پھیر رہے ہیں، یہ آپ اتنا چومتے کیوں ہیں حسن اور حسین رضی اللہ عنھما کو، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اگر اللہ نے تمہارے دل سے رحمت نکال لی ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ تو یہ تو رحمت ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈالی ہے۔ اور آپ کا بچہ آپ کی گود میں فوت ہوتا ہے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، تو صحابہ حیرت سے پوچھتے ہیں کہ یہ کیا......؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ وہ رحمت ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈالی ہے۔ تو اولاد کا حق ہے جس کو پورا کرنا ہے، رشتہ داروں کا حق ہے جس کو پورا کرنا ہے۔ محض اس وجہ سے کہ وہ جہاد نہیں کر رہے، ان کے باقی سارے حقوق معاف نہیں ہو جاتے۔ صرف یہ کہہ کے کہ وہ میرا بہت برا رشتہ دار ہے کہ وہ جہاد نہیں کرتا، تو پیارے! باقی اس کے حق تو نہیں معاف ہوئے، وہ رشتہ دار تو پھر بھی ہے۔ چچا تو چچا ہی رہے گا، نانا نانا رہیں گے، دادا دادا رہیں گے، بھائی بھائی رہے گا، اس کے باقی سب حقوق اپنی جگہ باقی رہیں گے جو دنیا میں ہیں۔ تو یہی معاملہ والدین کا اور سب کا ہے۔

اسی طرح کمزوروں کے معاشرے میں اگلا حق جو ہے، وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰكِيْنِ...... آیت کہتی ہے کہ اگلا حق اس کے بعد یتامیٰ اور مساکین کا ہے۔ یتیموں کا حق ہے، مسکینوں کا حق ہے، کہ جس کی اتنی فضیلت بتائی گئی کہ یتیم کے سر پہ صرف ہاتھ پھیر دو تو جتنے بال ہاتھ کے نیچے آئے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ اتنے گناہوں کی بخشش فرماتے ہیں۔ اس حد تک توجہ دلائی گئی ہے یتیموں کے حق کے بارے میں۔ مساکین کا حق، کمزوروں کا حق، حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے پسند ہے یہ بات کہ میں مساکین کی مجالس میں بیٹھا کروں، مساکین کے ساتھ اٹھا بیٹھا کروں، تو ان کے ساتھ دل لگتا ہے، انہی سے محبت ہوتی ہے۔ تو مساکین کا، کمزوروں کا خیال کرنا، یہ تکبر والے تو مجاہدین نہیں ہوتے ہیں۔ وہ اپنی آخرت برباد کرتا ہے جو اپنی طاقت کو اس لیے استعمال کرتا ہے کہ کمزوروں کو دبائے، کمزوروں کے اوپر رعب جھاڑے، یہ اپنی آخرت برباد کر رہا ہے۔ مجاہد تو وہ ہے کہ جو مومنین کے لیے بالکل نرم ہو، ان کے سامنے کندھے جھکانے والا ہو۔

اسی طرح پڑوسی کا حق ہے۔ پیارو! اتنا حق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے جبرئیل علیہ السلام مستقل آ آ کے پڑوسی کے حق کی وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے یہ گمان ہوا کہ وہ اب یہ بھی کہہ دیں گے کہ أنه سیورثه یعنی وراثت میں بھی اس کو حصہ دینے کا کہہ دیں گے۔ اس حد تک حق ہے پڑوسی کا، اور پڑوس کے بارے میں ایک حدیث میں آتا ہے کہ چالیس گھر تک جاتا ہے پڑوس۔ تو یہ اتنا بھاری حق ہے کہ ہم لوگ دب جائیں اس کے نیچے اگر اس حق کو پورا کرنے کی کوشش کریں، دب جائیں ان حقوق کے نیچے۔ یہ تو اس معاشرے نے، اس دجالی تہذیب نے یہ فہم ہی چھین لیا ہے ہم سے کہ یہ کتنی خطرناک باتیں ہیں، ان حقوق کو اور رشتوں کو کاٹ دیا ہے۔

اور اس میں صرف پڑوسی نہیں ہے۔ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ...... قرآن کہتا ہے کہ قریب کا پڑوسی بھی اور دور کا پڑوسی بھی، دونوں کا آپ پہ حق ہے۔ اسی طرح وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ...... کوئی اگر رستے کا ساتھی بن جائے، کوئی کسی سواری میں آپ کے ساتھ تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جائے، تو احادیث اس بات پہ بالکل واضح ہیں کہ ایک منٹ کا بھی رستے میں کسی کا ساتھ ہو گا ناں، اس کا آپ کے اوپر حق ہے۔

(باقی صفحہ نمبر 18 پر)

مجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟

ابو البــــراء الإبّــي

یہ تحریر یمن کے ایک مجاہد مصنف ابوالبراء الإبی کی تصنیف 'تبصرة الساجد في أسباب انتكاسة المجاهد' کا ترجمہ ہے۔ انہوں نے ایسے افراد کو دیکھا جو کل تو مجاہدین کی صفوں میں کھڑے تھے، لیکن آج ان صفوں میں نظر نہیں آتے۔ جب انہیں تلاش کیا تو دیکھا کہ وہ دنیا کے دیگر دھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ایسا کیوں ہوا؟ اور اس سے کیسے بچا جا سکتا ہے؟ یہ تحریر ان سوالوں کا جواب ہے۔ (ادارہ)

دسویں وجہ: کسی ضابطے کے بغیر جذبات میں آنا

تھوڑی مدت کے لیے جذباتی اور اشتعال انگیز ہو جانا۔ اور جلد ہی ایسے ٹھنڈا پڑ جانا جیسے کاغذ جلدی آگ پکڑ تا ہے لیکن جلد ہی بج کر اس کا شعلہ ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جو شخص نیک بننے کے بعد کسی چیز کا وقوع جلد چاہتا ہے وہ جلد ہی اپنے مقصد سے الٹا پھر جاتا ہے اور انحطاط کا شکار ہو تا ہے۔ ایسا شخص ہر چیز میں جلد باز ہو تا ہے۔ جلد بازی میں وہ غلو کا بھی شکار ہو تا ہے، اور پھر کو تاہی کا بھی۔ کیونکہ وہ تھکے گا اور پھر جی بھر جائے گا اور اکتا جائے گا۔ اور اس کے بعد انحطاط کا شکار ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے ہیں۔

یہ تسلیم ہے کہ ہر کام میں چستی آتی ہے۔ اور ہر چستی میں سستی آتی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> لكل عمل شرة، ولكل شرة فترة، فمن كانت فترته إلى سنتي فقد اهتدى، ومن كانت فترته إلى غير ذلك فقد هلك.
>
> (بروایت ابن حبان، صحیح از البانی)
>
> "ہر کام میں چستی ہوتی ہے، اور ہر چستی میں سستی آتی ہے۔ پس جو سستی کے دوران میری سنت کے موافق ہو تو وہ ہدایت یافتہ ہے۔ اور جس کی سستی کسی اور چیز کی طرف ہو تو وہ ہلاک ہوا۔"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> يَٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ لَا تَغۡلُواْ فِي دِينِكُمۡ وَلَا تَقُولُواْ عَلَى ٱللَّهِ إِلَّا ٱلۡحَقَّۚ
>
> (سورۃ النساء: ۱۷۱)
>
> "اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کرو۔"

یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں یہاں تک غلو کیا کہ حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت باندھی۔ پھر عیسائیوں نے اتنا غلو کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا بنا ڈالا۔ افراط و تفریط دونوں برے ہیں اور ایسا کرنے والے کو کفر تک پہنچا دیتے ہیں۔ اس لیے (تابعی) حضرت مطرف بن عبد اللہ الشخیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"نیکی دو برائیوں کے درمیان ہوتی ہے۔"

اور شاعر نے اسی مطلب کو ادا کیا کہ: کسی بھی معاملہ میں غلو نہ کرنا۔ بلکہ میانہ رہو۔ کیونکہ ہر معاملہ کے دو آخری طرف برے ہیں۔ (از تفسیر قرطبی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

> إن لهذه القلوب إقبالا و إدبارا. فإذا أقبلت فخذوها بالنوافل وإن أدبرت فألزموها الفرائض.
>
> "دل کا اقبال بھی ہوتا ہے اور ادبار بھی۔ تو جب وہ آگے بڑھے تو نوافل کی کثرت کرو، اور جب پیچھے ہٹے تو فرض پر قائم رہو۔"

نبی اکرم ﷺ نے خوارج سے خبر دار کیا۔ صحیحین میں آیا ہے کہ جب حرقوص نامی ایک شخص نبی اکرم ﷺ کے ہاں داخل ہوا اور کہا: یہ تقسیم اللہ تعالی کی خاطر نہیں کی گئی اور پھر چلا گیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> يخرج من ضئضئ هذا أقوام تحقرون صلاتكم إلى صلاتهم، وعبادتكم إلى عبادتهم،..... يخرجون من الدين، ينسلخون من الإسلام، كما يخرج السهم من الرمية.
>
> "اس شخص کی نسل سے ایسے قومیں پیدا ہوں گی کہ تم اپنی نماز کو ان کی نماز اور اپنی عبادت کو ان کی عبادت کے سامنے حقیر پاؤ گے۔۔۔ وہ دین سے ایسے نکلیں گے جیسے تیر شکار میں سے نکل جاتی ہے۔"

اعتدال اور میانہ روی دین ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> وَكَذَٰلِكَ جَعَلۡنَٰكُمۡ أُمَّةٗ وَسَطٗا (سورۃ البقرۃ: ۱۴۳)
>
> "اور اسی طرح ہم نے تم کو امتِ معتدل بنایا ہے۔"

امت محمد ﷺ میانہ روی اور اعتدال کی امت ہے۔ وہ نہ غلو اور اکڑ پن کی امت ہے اور نہ ڈھیلے پن اور کمزوری کی امت۔ بلکہ وہ کتاب و سنت کے مطابق ہے۔ آپ اسی طرح نماز

پڑھیں گے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے پڑھی۔ اور اسی طرح روزہ رکھیں گے۔ اسی طرح زکاۃ دیں گے۔ جو رسول اللہ ﷺ شریعت لائے ہیں اس سے آگے نہ بڑھیں۔

صحیحین میں ذکر ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے صحابہ میں سے تین لوگ آپ ﷺ کی بیویوں کے پاس آئے اور ان سے ان کی عبادت کے بارے میں پوچھا۔ جب انہیں بتایا گیا تو جیسے کہ انہوں نے اسے کم جانا۔ ایک نے کہا: میں رات کو نہ سویا کروں گا۔ دوسرے نے کہا: میں عمر بھر روزہ نہ چھوڑوں گا۔ تیسرے نے کہا: میں کبھی بھی شادی نہ کروں گا۔ جب نبی اکرم ﷺ کو خبر پہنچی تو انہوں نے لوگوں کو نماز کے لیے بلایا اور پھر کہا:

ما بال أقوام يقولون ويقولون ويقولون، أما والله إني لأعلكم بالله وأخشاكم له و أتقاكم له. ولكني أصوم وأفطر، وأقوم وأنام، وأتزوج النساء، فمن رغب عن سنتي فليس مني.

"میں کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ ایسے اور ایسے کہتے ہیں۔ اللہ کی قسم میں تم میں سے سب سے اللہ تعالیٰ کو جاننے والا ہوں۔ سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔ سب سے زیادہ تقویٰ والا ہوں۔ لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں۔ رات تہجد پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ اور عورتوں سے شادیاں بھی کرتا ہوں۔ خبر دار جو میری سنت کو چھوڑے گا وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔"

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کی ہے:

إياكم والغلو فإنما أهلك من كان قبلكم الغلو في الدين.

"خبر دار غلو نہ کرنا۔ تم سے پہلے لوگوں کو دین کے معاملہ میں غلو نے ہلاک کیا۔"

اور صحیح مسلم میں آپ ﷺ کا فرمان ہے:

هلك المتنطعون.

"متنطع ہلاک ہوئے۔"

یعنی کہ شرعی دلیل کے بجائے اپنے اوپر سختی کرنے والے۔

اسی طرح سنن ابی داؤد میں نبی اکرم ﷺ کی حدیث ہے کہ:

ولا تشددوا على أنفسكم فيشدد الله عليكم، وإن قوما شددوا على أنفسهم فشدد الله عليهم. فتلك بقاياهم في الصوامع.

"اپنے اوپر سختی مت کرو، یہ نہ ہو کہ اللہ آپ پر سختی کرے۔ ایک قوم نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سختی کی۔ اب دیکھو یہ ان کی بقایاجات (عیسائی) عبادت خانوں میں ہیں۔"

یہ وہ راہب ہیں جنہوں نے اپنے اوپر سختی کی اور بدعت گڑھی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ (سورۃ الحدید: ۲۷)

"اور لذات سے کنارہ کشی کی تو انہوں نے خود ایک نئی بات نکال لی، ہم نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا تھا۔"

اللہ نے ان پر فرض نہ کی تھی بلکہ انہوں نے بدعت نکالی لی اور رہبانیت اختیار کی۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ دین ہے لیکن وہ دین نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

إن هذا الدين يسر ولن يشاد الدين أحد إلا غلبه.

"یہ دین آسان ہے۔ جو بھی دین میں شدت اختیار کرے گا، اس پر دین غالب ہو گا۔"

اور آپ ﷺ یہ بھی فرماتے تھے:

بَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا وَيَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا

"خوشخبری دیا کرو اور نفرت مت دلایا کرو اور آسانی دلاؤ تنگی مت دلاؤ۔"

مَا خُيِّرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَمْرَيْنِ إِلَّا اخْتَارَ أَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ إِثْمًا

"رسول اللہ ﷺ کو جب بھی دو کاموں میں سے کسی ایک کو کرنے کا اختیار دیا گیا تو آپ نے ان میں سے آسان کو اختیار فرمایا جب تک کہ وہ گناہ کا کام نہ ہوتا۔"

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"سالکین کے لیے سستی کا آنا ناگزیر ہے۔ اب جس کی سستی قریب قریب اور صحیح سمت میں ہو، اور اسے فرض چھوڑنے کا سبب نہ بنے اور نہ ہی حرام کے ارتکاب کا۔ تو امید یہ کی جاتی ہے کہ وہ پہلے سے بہتر طور پہ واپس لوٹے گا۔"

غلو بری اور قابل مذمت صفت ہے۔ صحیح فطرت اور صحیح عقل اسے قبول نہیں کرتی۔ دیکھیے کہ شریعت نے غلو اور اہل غلو کی مذمت کی ہے بصرف نظر کہ غلو کا کیا موضوع تھا اور وہ کس پہلو میں تھا۔ مثلاً تعظیم کے حقدار شخص کی تعظیم اور احترام میں غلو شرک تک جا پہنچتا ہے۔ بلکہ شرک کی اکثر صورتیں اسی پہلو میں غلو کا نتیجہ ہیں۔

غلو کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ قائد، عالم یا جماعت جو بھی کہے اسے درست تسلیم کر لیا جائے۔ چنانچہ بزبان حال جیسے کہ اس کی عصمت کے قائل ہوں چاہے زبان سے نہ کہیں اور بسا اوقات زبان سے بھی کہتے ہیں۔ جب کوئی شخص ان کے ساتھ کسی اجتہاد یا رائے میں مخالفت کرے، یا ان کے ساتھ کسی بات میں بحث کرے تو وہ اس پر جنگ برپا کر دیتے ہیں۔ اور اس پر اہل علم کی تحقیر یا گمراہی کا الزام لگاتے ہیں۔

ایک مظہر یہ بھی ہے کہ اس معاملہ میں حتمی رائے رکھے جس میں حتمی رائے رکھنا جائز نہیں۔ جیسا کہ بعض حتمی طور پہ کہتے ہیں: کہ فلان ذات اعلیٰ کے ہاں ہے۔ یا فلان اللہ کا ولی ہے۔ اگر یہ ولی نہیں ہے تو میں کسی اور ولی کو نہیں جانتا۔ یہ فلان سے اللہ نے محبت کی تو لوگوں نے بھی محبوب بنایا۔ جبکہ لوگوں کی تعریف میں اہل سنت کا منہج میانہ روہے۔ اگر تعریف کرنی ہی ہو تو کہے: کہ فلان کو ہم اولیاء اللہ میں سے گمان کرتے ہیں اور اللہ بہتر جانتا ہے۔ ہم توقع رکھتے ہیں کہ وہ ان لوگوں میں سے ہو جن سے اللہ نے محبت کی تو لوگوں نے بھی محبوب بنایا۔

میں اہل غلو میں سے ایک استاد غلو کی جدید مثال دیتا ہوں۔ اہل غلو کا سرخیل عدنانی کہتا ہے: ”آپ کیا جانے ابو بکر کون ہیں؟ اگر آپ ان کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں تو وہ حسینی قریشی ہیں۔ پاکباز اہل بیت کی نسل سے۔ باعمل عالم، اور مجاہد عابد ہیں۔ ان کے پاؤں دھونے اور چومنے سے اللہ کی قربت حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اسی طرح انہیں امیر المؤمنین کہنے سے۔ اور ان پر جان، مال اور اولاد فدا کرنے سے۔ جو میں گواہی دے رہا ہوں اللہ اس پر گواہ ہے۔“

”آپ کیا جانے ابو بکر کون ہیں؟ اگر آپ ان کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں تو وہ حسینی قریشی ہیں۔ پاکباز اہل بیت کی نسل سے۔ باعمل عالم، اور مجاہد عابد ہیں۔ میں نے ان میں ابو مصعب کا عقیدہ، ثابت قدمی، اقدام اور اقبال پایا ہے۔ ابو عمر کی بردباری، عدل، راست بازی اور عاجزی کے ساتھ۔ ابو حمزہ کی عقلمندی، ذہانت، اصرار اور صبر کے ساتھ۔ مشکلات نے انہیں آزمایا ہے۔ اور فتنوں نے انہیں جلا بخشی ہے۔ جہاد کے آٹھ سال کے دوران اسی مٹی نے انہیں مانجھا۔ یہاں تک کہ وہ صائب الرائے ہو گئے اور تجربہ کار بن گئے۔۔۔ میں جو گواہی دے رہا ہوں اس پر اللہ گواہ ہے۔ میں یہ گمان کرتا ہوں کہ اللہ عز و جل نے انہیں چنا ہے اور ان کی حفاظت کی ہے اور انہیں ان مشکل دنوں کے لیے بچار کھا ہے۔ پس اے دولہ کے فرزندوں تمہیں ابو بکر مبارک ہو۔“ (بحوالہ بیان: دولۃ الاسلام باقیہ از ابو محمد عدنانی)

غلو کے مظہر میں سے یہ عقیدہ رکھنا بھی ہے کہ دین کے ستارے ان کے مرنے یا ان کے چلے جانے سے ڈوب جائیں گے۔ اگرچہ اہل علم کی موت ایسا نقصان ہے جس کا بھرنا ممکن نہیں۔ اہل علم کی موت علم اٹھائے جانے کی علامت ہے۔ لیکن امت میں خیر باقی ہے۔ امت نے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو کھویا۔ لیکن دین باحفاظت باقی رہا۔ امت کا ایک گروہ کامیاب رہے گا۔ نہ ان کا ساتھ چھوڑنے والے سے انہیں نقصان ہو گا اور نہ مخالفت کرنے والے سے۔ یہاں تک کہ اللہ کا حکم نہ ہو جائے۔

گیارہویں وجہ: نتائج حاصل کرنے میں جلدی کرنا

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہیں:

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ (سورۃ طہ: ۱۱۴)

”اور قرآن کی وحی جو تمہاری طرف بھیجی جاتی ہے اس کے پورا ہونے سے پہلے قرآن کے (پڑھنے کے) لیے جلدی نہ کیا کرو۔“

بلکہ صبر کریں یہاں تک کہ قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ نہ جائے۔ اور جو آپ کو کہا جا رہا ہے اس کے بارے میں آپ واضح ہو جائیں۔

نیز اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۭ

(سورۃ الاحقاف: ۳۵)

”پس (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جس طرح اور عالی ہمت پیغمبر صبر کرتے رہے ہیں اسی طرح تم بھی صبر کرو اور ان کے لیے (عذاب) جلدی نہ مانگو۔“

سید قطب رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”واقعی اس دعوت کا راستہ انتہائی دشوار ہے، اور تکالیف سے بھرا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی طرح دعوت کے لیے اپنے آپ کو فارغ اور وقف کرنے والی ذات، جو ان کی طرح ثابت قدم اور پر عزم ہو، اور ان کی طرح پاک صاف ہو۔ اسے بھی دعوت کے ضدی مخالفین پر صبر اور جلد بازی سے بچنے کے الٰہی ارشاد کی ضرورت پڑی۔

ہاں، اس راستہ کی مشقت کے لیے ہمدردی کی ضرورت ہے۔ اور اس کی تکالیف کو صبر کی ضرورت ہے۔ اور اس کے کڑوے پن کو خدائی شفقت کے سربمہر میٹھے رس کی ضرورت ہے۔“

نتائج حاصل کرنے کے لیے جلد بازی نہ کریں۔ اور پھل پکنے سے پہلے سمیٹنے کی کوشش نہ کریں۔ ایک مقررہ وقت اور لکھی گئی مدت تک صبر کریں۔ تاکہ اپنی دعوت پر اپنا اجر، ثواب اور پھل حاصل کر سکیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ (سورۃ القیامۃ: ۱۶)

”اور (اے محمد ﷺ) وحی کے پڑھنے کے لیے اپنی زبان نہ چلایا کرو کہ اس کو جلد یاد کرلو۔“

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ (سورۃ الاسراء:۱۰۶)

”اور ہم نے قرآن کو جزو جزو کرکے نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو ٹھیر ٹھیر کر پڑھ کر سناؤ۔“

کیونکہ قرآن تربیت کرنے کے لیے نازل ہوا۔

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس وقت بطور شکایت کے عرض کیا جب کہ آپ ﷺ اپنی چادر اوڑھے ہوئے کعبہ کے سائے میں تکیہ لگائے بیٹھے تھے: آپ ﷺ ہمارے لیے مدد کیوں نہیں مانگتے؟ ہمارے لیے آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کیوں نہیں کرتے؟

كَانَ الرَّجُلُ فِيمَنْ قَبْلَكُمْ يُحْفَرُ لَهُ فِي الْأَرْضِ فَيُجْعَلُ فِيهِ فَيُجَاءُ بِالْمِنْشَارِ فَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ فَيُشَقُّ بِاثْنَتَيْنِ وَمَا يَصُدُّهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ وَيُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيدِ مَا دُونَ لَحْمِهِ مِنْ عَظْمٍ أَوْ عَصَبٍ وَمَا يَصُدُّهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ وَاللَّهِ لَيُتِمَّنَّ هَذَا الْأَمْرَ حَتَّى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ إِلَى حَضْرَمَوْتَ لَا يَخَافُ إِلَّا اللَّهَ أَوْ الذِّئْبَ عَلَى غَنَمِهِ وَلَكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُونَ. (متفق علیہ)

”تم سے پہلے بعض لوگ ایسے ہوتے تھے کہ ان کے لیے زمین میں گڑھا کھودا جاتا، وہ اس میں کھڑے کردیے جاتے پھر آرا چلایا جاتا اور ان کے سر پر رکھ کر دو ٹکڑے کردیے جاتے اور یہ عمل ان کو ان کے دین سے نہ روکتا تھا۔ نیز لوہے کی کنگھیاں ان کے گوشت کے نیچے اور پٹھوں پر کی جاتی تھیں اور یہ بات ان کو ان کے دین سے نہ روکتی تھی۔ اللہ کی قسم! دین پورا ہو کر رہے گا یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک چلا جائے گا اور اسے اللہ تعالیٰ کے سوا اور اپنی بکریوں پر بھیڑیے کے خوف کے سوا کسی کا خوف نہ ہو گا۔ لیکن اس معاملہ میں تم عجلت چاہتے ہو۔“

فتح حاصل کرنے اور پھل سمیٹنے میں جلدی کرنے سے جتنا بچ سکتے ہو بچو۔ یہ شرط نہیں ہے کہ ہم فتح کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔ ہم اپنے آپ کو اس کو پانے کے لیے کام پر آمادہ کریں۔ فتح براہ راست نہیں آتی۔ بلکہ اس سے پہلے کئی مخصوص مرحلے گزرتے ہیں۔

ہمیں راستہ سے اکتانا نہیں چاہیے۔ ایسا نہ ہو اس وجہ سے ہم انحطاط کا شکار ہو جائیں۔ اور آدھے، ٹیڑھے اور باطل حل تلاش کرنے لگ جائیں۔ جو کہ بسا اوقات ہمیں طاغوت کے سامنے تسلیم تک پہنچا دیں۔

انبیاء علیہم السلام میں سے ایسے تھے جن کا صرف ایک مؤمن پیروکار تھا۔ اور بعض کے فقط دو یا تین تھے۔ اور بعض کا کوئی بھی پیروکار نہ تھا۔ لیکن اس وجہ سے وہ والعیاذ باللہ دعوت و جہاد کا راستہ چھوڑ کر الٹے سیدھے راستے نہیں اپناتے تھے۔ اس دعویٰ اور احساس کے تحت کہ فتح و تمکنت جلدی کیوں نہیں آتی۔۔۔!

اہم بات یہ ہے کہ ہم دین کی خدمت کے لیے کام کریں۔ فتح نہ دیکھنے سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

شیخ ابو قتادہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

”بڑی اور عظیم فتح سلسلہ وار چھوٹی فتوحات کا نتیجہ ہوتی ہے۔ فتح اور شکست کے معاملے میں کوئی چیز اچانک اور انہونی نہیں ہوتی جو کہ فتحیاب اور شکست خوردہ کو یکدم پیش آئے۔ وہ جو بھی بات کرتے ہیں اور جو بھی منصوبہ بندی کرتے ہیں اس میں چاہتے ہیں کہ دشمن پر ایک ایسی ضرب لگائیں جس کے لیے انہوں نے پوری اور مکمل تیاری کی ہو۔ دشمن کی آنکھوں سے دور۔ اور اس اچانک اور یکدم ضربے سے دشمن کا خاتمہ ہو جائے۔ جس سے بہت سا خون بہنے سے اور جانیں ضائع ہو جانے سے بچ جائیں۔ ہمارے مشائخ اس فکر کا بہت پرچار کرتے ہیں۔ اور اس کی وجہ سے کشمکش سے تربیت اور اعداد کے نعرے کے تحت اپنے آپ کو نکال لیتے ہیں۔ یہ فکر لوگوں کو بھی پسند آتی ہے اور قبول ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ بہت خوبصورت، بہت زبردست اور بہت حسین ہے۔ لیکن ساتھ ساتھ انتہائی انتہائی کمزور بھی۔“

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَ لَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ۝ (سورۃ البروج:۱۰،۱۱)

”جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو تکلیفیں دیں اور توبہ نہ کی ان کو دوزخ کا (اور) عذاب بھی ہو گا اور جلنے کا عذاب بھی ہو گا۔ (اور) جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ یہ ہی بڑی کامیابی ہے۔“

یہ ابطال جیت گئے اگرچہ ان کے لیے خندقیں کھودنے کے بعد انہیں جلا دیا گیا۔ یہاں کامیابی ان کے لیے ذکر کی گئی ہے۔ اپنے ایمان کی بلندی، راسخ عقیدے، ثابت قدمی کی وجہ سے کامیاب ہو گئے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایسی کامیابی کو (بڑی کامیابی) قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نصرت لامحالہ آنی ہے۔ یہ اللہ پر کوئی مشکل نہیں کہ مسلمانوں کو فتح اور کامیابی عطا کرے۔ لیکن فتح کی تاخیر میں اللہ کی حکمتیں ہوتی ہیں۔ (باقی صفحہ نمبر 23 پر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلقاعِدہ برِّ صغیر
جماعت قاعدة الجِهاد برِّ صغِير

PR_109_AQS
تاریخ: 6 ذوالقعدہ 1443ھ بمطابق 5 جون 2022ء

بنگلہ دیش میں دینِ اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی توہین کرنے اور ان پر سب و شتم کرنے والوں کا قتل

انصاف کے نام پر معصوم مسلمانوں کو سزائے موت سنانے کے تناظر میں

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، وبعد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لزوال الدنيا أهون على الله من قتل مؤمن بغير حق." [1]

"ساری دنیا کا برباد ہو جانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی مومن کا ناحق خون بہانے سے زیادہ ہلکی بات ہے۔"

۱۵ نومبر، ۲۰۱۴ء بمطابق محرم الحرام ۱۴۳۶ھ کو القاعدہ برصغیر سے وابستہ مجاہدین نے بنگلہ دیش کے شہر راجشاہی میں اسلام اور شریعتِ مطہرہ کی تحقیر و تذلیل کرنے اور احکامِ اسلام کی توہین کرنے کے مرتکب ایک شخص، شفیع الاسلام لیلن کو قتل کیا۔ اسی طرح ۱۲ مئی ۲۰۱۵ء بمطابق رجب ۱۴۳۶ھ کو القاعدہ برصغیر سے وابستہ مجاہدین نے ایک دوسرے دشمنِ اسلام اور شاتمِ رسول اننتا بیجوائے کا قرض چکا دیا اور اسے جہنم واصل کیا۔ الحمد للہ! تمام توفیق اور کامیابی اللہ رب العزت ہی کی جانب سے ہے۔ ان دونوں واقعات کے بعد القاعدہ برصغیر نے قتل کی ذمہ داری قبول کرنے کے لیے اعلامیے بھی جاری کیے۔

یہ اشخاص محض اپنی ذاتی زندگی میں ملحد و مرتد ہونے اور اسلام سے عناد رکھنے کی بنا پر قتل نہیں کیے گئے، بلکہ یہ دونوں افراد معاشرے اور انسانیت کے بھی کھلے دشمن تھے۔ یہ ہر طرح سے اسلام اور امتِ مسلمہ کی تحقیر و تذلیل کرنے اور ان کی توہین کرنے پر کمربستہ تھے، حتیٰ کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں بدترین الفاظ استعمال کرتے ہوئے گستاخی کی، اللہ کے حبیب، ہمارے وہ رسول جو ہر مسلمان کو اس کی جان سے بڑھ کر عزیز ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان کے یہ جرائم بذاتِ خود اللہ جل جلالہ، اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان بحیثیت قوم و امّت کے خلاف ایک کھلم کھلا اعلانِ جنگ تھے۔ اللہ رب العزت کی نازل کردہ شریعت کے مطابق ان دونوں اشخاص کا قتل نہ صرف روا تھا بلکہ مسلمانوں پر واجب و لازم تھا۔ مگر ہندُتوا کی مددگار و تابع فرمان، بنگلہ دیش کی طاغوتی حکومت نے ان ملعونوں کو انصاف کے کٹہرے میں کھڑا کرنے کے لیے کچھ نہ کیا۔ بلکہ اس کے برعکس، ان مجرمین کو تحفظ فراہم کیا اور ان مسلمانوں

---

[1] سنن ابن ماجه ، حديث نمبر 2619، سنن ترمذي، حديث نمبر 1452، 1453، سنن ابن ماجة 2619 باب التغليظ في قتل مسلم ظلما. قال الشيخ شعيب الأرنؤوط رحمه الله في النسخة المحققة لابن ماجة: "حسن لغيره".

کو قید اور قتل کیا گیا جنہوں نے ان مجرمین کی سزا کا مطالبہ کیا۔ الحمدللہ، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجاہدینِ القاعدہ نے ان موذی مجرموں کو ان کے کیے کا پورا پورا بدلہ دیا، شریعت کے عائد کردہ فرض کو ادا کیا اور اپنے اس عمل سے لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کی آنکھوں اور دلوں کی ٹھنڈک کا سامان کیا۔ بے شک تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔

ان مبارک حملوں کے بعد بنگلہ دیش کا انسانی ساختہ، ظلم و عدوان پر کھڑا کیا گیا طاغوتی نظامِ عدل حرکت میں آیا اور عدالتی کارروائیوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ اپنی عدم اہلیت اور ناکامی کو چھپانے کے لیے ایسے لوگوں پر ان حملوں کے الزام لگائے گئے جن کا سرے سے ان واقعات سے کوئی تعلق ہی نہ تھا۔ حال ہی میں بنگلہ دیش کی نااہل عدلیہ نے تین افراد کو لیلن کے قتل کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے سزائے موت کی سزا سنائی جبکہ چار افراد کو اننتا بیجوائے کے قتل کے سلسلے میں یہی سزا سنائی گئی۔

ہم صاف اور واضح طور پر اعلان کرتے ہیں کہ ان مجرموں کو قتل کرنے والے القاعدہ برصغیر سے تعلق رکھنے والے عالی قدر مجاہدین تھے۔ بنگلہ دیش کی عدلیہ نے جن سات افراد کو ان مقدموں میں سزا سنائی ہے، ان کا ان حملوں سے کوئی واسطہ یا تعلق نہیں تھا۔ نہ ہی ان سات افراد کا القاعدہ برصغیر کے مجاہدین سے کوئی تعلق ہے۔ ایسے میں ان سات بے قصور و معصوم افراد کو سزا سنانا انتہائی شرمناک اور انصاف و قانون کی رو سے ناجائز و غلط ہے۔ صرف شریعتِ اسلامی ہی نہیں، بلکہ عقل اور انسان کے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے قانون کی رو سے بھی یہ فیصلہ ناجائز اور ظلم و ناانصافی پر مبنی ہے۔ کسی ملک اور اس کے عدالتی نظام کے لیے ایسی نااہلیت شرمناک اور قابلِ افسوس ہے۔

ڈھونگ اور ناٹک پر مبنی تفتیش اور تحقیقات، مقدمے اور ایسے لغو قسم کے فیصلے اور فرمان، ان سب نے انسان کے بنائے ہوئے قانون و نظام کی بے بسی و لاچاری، اس کی کمزوری اور بے بساطی اور طاغوتی نظام کا اصل کھوکھلا پن عوام کی نظروں میں واضح کر دیا ہے۔ یہ ایک ایسا نظام ہے جو اسلام اور پیغمبرِ خدا ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والوں کو سزا دینے کے بجائے ان کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔ یہ ایک ایسا نظام ہے جو بے گناہوں کو انصاف کے نام پر موت کی سزا دیتا ہے۔ انسانوں کا بنایا یہ نظام تو جرم کی تعریف و تشریح کرنے کے بھی قابل نہیں، کجا کہ عدل و انصاف مہیا کرے۔ اس کے باوجود کتنی دہائیوں سے عوام اسی ناانصافی پر مبنی، نااہل نظامِ حکومت و عدل کے تحت زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ اس غلامی سے نجات کا واحد راستہ انسان کے وضع کردہ ان افکار و نظریات اور نظام سے چھٹکارا حاصل کرنے اور اللہ کی نازل کردہ پاکیزہ و مطہرہ شریعت کی اتباع میں ہے۔

ان تمام لوگوں سے جو اس ڈھونگ اور ناٹک پر مبنی مقدموں اور عدالتی سلسلے سے وابستہ رہے ہیں، ہم یہ کہتے ہیں کہ: اس ظلم و ناانصافی سے توبہ کریں اور اپنے ان فیصلوں سے رجوع کریں۔ قانون کی عطا کردہ اس طاقت کا ایسا بے جا اور ظالمانہ استعمال انتہائی شرمناک ہے۔ یہ لوگ یاد رکھیں، کہ ایک دن آنے والا ہے جب انہیں خود بھی منصفِ اعلیٰ کی عدالت میں حاضر ہونا پڑے گا۔ ایک ایسا دن جب کوئی شخص اپنی اولاد اور دنیا بھر کا مال و دولت فدیے میں دے کر بھی اپنی گردن نہ چھڑا سکے گا۔ لہٰذا، ان بے گناہوں کو جن کو تم نے ناروا سزا سنائی ہے، باعزت طور پر رہا کر دو، اور اپنی دنیا و آخرت سنوارنے کے لیے اسلام و شریعت کے سائے میں لوٹ آؤ۔

اللہ تعالیٰ امّتِ مسلمہ پر اپنے رحم و کرم کا سایہ فرمائیں، اس زمین پر اسلام کو استحکام عطا کریں تا کہ مظلوم کی مدد کی جا سکے، ظالم کا ہاتھ روکا جا سکے اور لوگ حقیقی امن و سکون اور عدل و انصاف کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين وصلى الله تعالىٰ على نبينا الأمين، آمين!

نشریات

عید کے موقع پر القاعدہ برِّ صغیر کا تہنیتی پیغام

ادارہ السحاب برِّ صغیر

عید الفطر ۱۴۴۳ھ کے موقع پر جماعت قاعدۃ الجہاد برِّ صغیر کی جانب سے تمام اہلِ ایمان بالخصوص مسلمانانِ برِّ صغیر کے نام پیغام

بسم الله الرحمن الرحيم

الله أكبر الله أكبر لا إله إلا الله والله أكبر الله أكبر ولله الحمد، الله أكبر كبيرا والحمد لله كثيرا وسبحان الله بكرة وأصيلا، وبعد

ہم تمام اہلِ ایمان بالخصوص مسلمانانِ برصغیر کو عیدِ سعید کی مبارکباد دیتے ہیں اور اپنے رب کے حضور دعا کرتے ہیں کہ وہ تمام اہلِ ایمان کے صیام و قیام اور اعمالِ صالحہ کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں اور جنت کے استحقاق، جہنم سے نجات اور اپنی رضا و رضوان کا پروانہ عطا فرمائیں، آمین۔

یقیناً عید کا دن اہلِ ایمان کو یہ پیغام دیتا ہے کہ ان کی خوشی و راحت اپنے رب، اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور اس کے سامنے جھک جانے میں ہے۔ عید کا دن یہ پیغام دیتا ہے کہ مسلمانوں کی عزت و توقیر پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے دین سے چمٹ جانے اور اسے سرمایۂ افتخار بنانے میں ہے۔ عید کا دن یہ پیغام دیتا ہے کہ وہ پیشانیاں جو ایک اللہ کے سامنے جھکنے کے لیے پیدا کی گئی ہیں، انہیں زندگی کے کسی میدان میں بھی غیر اللہ کے سامنے نہیں جھکایا جاسکتا۔

عید کا دن ہمیں یہ پیغام ایک ایسے وقت میں دے رہا ہے کہ جب مسلمان بحیثیت امت دنیا میں مغلوب، پسماندہ و لاچار ہیں اور کفارِ عالم کے مظالم کا شکار ہیں۔ خطۂ برِّ صغیر میں بسنے والے مسلمانوں کی حالت بھی انتہائی ابتر ہے۔ 'کشمیر' اور 'مسلمانانِ کشمیر' دہائیوں سے بھارتی جارحیت تلے پس رہے ہیں، خود بھارت میں بسنے والے مسلمانوں کی اقلیت ہندو اکثریت کے ہاتھوں یرغمال ہے اور قتلِ عام (genocide) کے دہانے پر کھڑی ہے، اراکان (برما) سے روہنگیا مسلمانوں کو بے گھر کر دیا گیا ہے، پاکستان و بنگلہ دیش میں 'اسلام پسندی' ایک جرم اور 'اسلام پسند' مجرم قرار دیے جاچکے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک ہے:

”إذا تبايعتم بالعينة وأخذتم أذناب البقر، ورضيتم بالزرع، وتركتم الجهاد، سلط الله عليكم ذلا لا ينزعه حتى ترجعوا إلى دينكم.“

(رواه أبو داود)

”جب تم لوگ سودی کاروبار کرنے لگو گے اور بیلوں کی دمیں پکڑ لو گے اور کھیتی باڑی پر راضی ہو جاؤ گے اور جہاد چھوڑ بیٹھو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط فرمادیں گے، جو اس وقت تک تم سے نہیں ہٹائیں گے جب تک کہ تم اپنے دین کی طرف نہ لوٹ آؤ۔“

رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں جس طرح اہلِ ایمان اپنے اللہ کی طرف متوجہ ہوئے، چاہیے کہ وہ اللہ کے ہر حکم کی طرف اسی طرح لپکیں اور پورے دین پر عمل کی طرف لوٹیں، باطل کے مقابلے میں مداہنت سے بچ کر حق کے لیے ڈٹیں اور باطل قوتوں کی سرکوبی کے لیے جہاد و قتال کو اپنا راستہ بنائیں۔ اسی طریقے سے مسلمانوں کی ذلت اور مغلوبیت کا خاتمہ ہوگا اور عزت و اقبال کا دور لوٹے گا، اور اسی طریقے سے دنیا میں اسلام کا بول بالا اور انسانیت کے لیے امن کا سامان ہوگا۔

برِّ صغیر میں بسنے والے مسلمانوں کی نجات اور فلاح کا ضامن بھی یہی ہے کہ وہ پورے دین سے چمٹیں اور اس دین کے لیے ڈٹ جائیں۔ مسلمانانِ برصغیر سے وقت کا تقاضا ہے کہ وہ کشمیر میں جہاد و قتال کی تحریک کو دامے درمے سخنے مضبوط کریں کہ اسی جہاد و قتال کے ذریعے منبعِ شر و فساد 'بھارت' کی جارحیت کا زور ٹوٹے گا اور یہی 'غزوۂ ہند' کا دروازہ ہے۔ بھارت میں بسنے والے مسلمان سیکولرزم اور جمہوریت کے فریب سے اپنا دامن چھڑا کر اپنے دین کے لیے غیرت و حمیت کا مظاہرہ کریں اور منظم ہو کر ہندتوا دہشت گردوں کا ایسا مقابلہ کریں کہ وہ آئندہ جارحیت سے باز آجائیں۔ پاکستان و بنگلہ دیش میں بسنے والے مسلمان نفاذِ شریعت کی نعرے پر جمع ہو جائیں، نفاذِ شریعت کے لیے معاشرے میں تحریک برپا کریں اور 'دعوت و جہاد' کے راستے سے ایک ایسی قوت فراہم کریں جو شریعت دشمن قوتوں کا مقابلے کر کے یہاں غلبۂ احکامِ اسلام کو یقینی بنائے۔

ہم اہلِ ایمان کو خوشخبری دیتے ہیں کہ وہ وقت دور نہیں جب برِّ صغیر میں ایک بار پھر اسلام غالب ہوگا اور مسلمان معزز ہوں گے، غزوۂ ہند کامیابی سے بپا ہوگا، اور کفر کے سرداروں کو بیڑیوں میں جکڑا جائے گا۔ صرف برِّ صغیر نہیں، بلکہ دنیا بھر میں اسلام کا بول بالا ہوگا اور مسلمان قوی اور معزز ہوں گے۔ یہ خوشخبری ہمیں ہمارے پیغمبر الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم دے گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(باقی صفحہ نمبر 40 پر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القاعدہ برِّصغیر
جماعت قاعدة الجهاد برّ صغير

PR_110_AQS

تاریخ: 7 ذوالقعدہ 1443ھ بمطابق 6 جون 2022ء

ہم پر ہماری مائیں روئیں اگر ہم نے آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا دفاع نہ کیا!!!

بھارت میں خیر الخلائق صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کے تناظر میں

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين وعلى آله وأزواجه وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، وبعد

اس کائناتِ ارض و سما کا کوئی مالک ہے تو بس اللہ جَلَّ جَلَالُهُ ہے اور اسی مالکِ لاشریک لہ نے محمدِ عربی، مکی و مدنی، ہاشمی و قرشی صلی اللہ علیہ وآلہ وأزواجہ وسلم کو اپنا محبوب ترین اور اپنے بندوں کا بھی اپنے ذاتِ جلّ شانہٗ کے بعد محبوب ترین بنایا۔ اللہ جَلَّ جَلَالُهُ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو کائنات کے ہر اس کونے میں نافذ ہونے کے لیے قانون بنایا جہاں جہاں زندگی کا وجود ہے۔

چند روز قبل ایک بھارتی ٹی وی چینل پر اللہ جَلَّ جَلَالُهُ کے نازل کردہ دین و شریعت کے دشمن نظام 'ہندتوا' کے پرچارکوں کی جانب سے طاہر و اطہر، 'بعد از خدا بزرگ و برتر'، محمدِ مصطفیٰ، احمدِ مجتبیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وأزواجہ وسلم) اور آپؐ کی زوجۂ مطہرہ، صدیقہ و طاہرہ، امّ المومنین سیّدہ عائشہ بنتِ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کی شان میں نہایت خسیس و پلید الفاظ میں گستاخی کی ناپاک جسارت کی گئی۔ اس عملِ نجس کے نتیجے میں سارے عالم کے مسلمانوں کے دل غم سے چھلنی ہیں اور آپؐ کا انتقام لینے کو لبریز!

پس دنیا کا ہر گستاخ اور خاص کر بھارت پر قابض ہندتوائی دہشت گرد کان کھول کر سن لیں کہ ہم اپنے نبیٔ صادق و امین کی خاطر لڑیں گے، لڑنے مرنے کی تحریض دلائیں گے، قتل بھی کریں گے اور اپنے اور اپنی اولادوں کے جسموں سے بارود باندھ کر ان گستاخوں کی صفوں کو بھی اڑائیں گے۔ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخوں کے لیے نہ کوئی معافی ہے، نہ امان اور نہ ہی مذمتی الفاظ و قرار دادیں۔ بھگوا دہشت گرد اپنے انجام کے لیے، بعون اللہ الواحد القہار، دہلی و بمبئی اور یوپی و گجرات میں منتظر رہیں۔ ان گستاخوں کے لیے نہ ان کی فوجی چھاؤنیاں محفوظ ہیں اور نہ ہی ان کے رہائشی مکان! ہم پر ہماری مائیں روئیں اگر ہم نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وأزواجہ وسلم کا انتقام نہ لیا!!!

اس نہایت تکلیف دہ سانحے کے تناظر میں ہم امتِ مسلمہ کو عموماً اور برِّصغیر میں بھارتی مظالم میں پستے مسلمانوں کو امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ خوش خبری سناتے ہیں:

> ''حتیٰ کہ ہم قلعہ لینے کی آس بھی قریب قریب کھو چکے ہوتے...... یہاں تک کہ جب وہ لوگ کبھی رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی توہین کے مرتکب ہوتے اور آپؐ کی شان میں گستاخی کر لیتے تو اُن کا مفتوح ہو جانا ہمیں بہت قریب دکھائی دیتا۔ صورتِ حال یک بیک ہمارے حق میں پلٹتی اور قلعہ کا زیر ہونا دن دو دن کی بات رہ جاتی۔ پھر ہماری بھرپور فتح ہوتی اور دشمن کا خوب خوب ستیاناس۔ ان راویوں کا کہنا ہے 'یہ بات ہماری اس قدر آزمودہ رہی کہ جب کبھی ہم ان بدبختوں کو رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی شان میں زبان درازی کرتے سنتے تو اگرچہ اسے سن کر

ہمارا خون کھول رہا ہوتا مگر ہم اس کو فتح کی بشارت سمجھتے'۔ ایسی ہی روایت مجھ سے ثقہ راویوں نے غرب (شمالی افریقہ واندلس) کی بابت بیان کی، کہ وہاں بھی مسلمانوں کو نصاریٰ کے ساتھ یہی معاملہ پیش آتا رہا ہے۔"[1]

ساتھ ہی ہم غزوۂ ہند کی پیشین گوئی کرنے والے، اپنے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامینِ مبارکہ کی روشنی میں ہندوستان کی فتح کی خوش خبری مسلمانانِ برِّصغیر کو سناتے ہیں اور ہندوستان کے حکمرانوں کو قتل، پھانسیوں اور زنجیروں میں جکڑ کر قید کرنے کی وعید سناتے ہیں۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ○ (سورۃ التوبۃ: ۳۳، سورۃ الصف: ۹)

"وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچائی کا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ وہ اسے تمام دوسرے دینوں پر غالب کر دے، چاہے مشرک لوگوں کو یہ بات کتنی بری لگے۔"

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين وصلى الله تعالىٰ على نبينا الأمين، آمين!

ادارہ السّحاب، برِّصغیر
As-Sahab Media (The Subcontinent)

---

[1] (بحوالہ: الصارم المسلول ص ۱۲۳)

نبیؐ کی شانِ اقدس پہ فدا ہونا مبارک ہو!

مولانا عبد العلیم اصلاحی

ہندوستان سے مولانا عبد العلیم اصلاحی اعظمی (دامت برکاتہم العالیۃ) کا زیرِ نظر مضمون انٹرنیٹ سے حاصل کیا گیا ہے۔ (ادارہ)

گزشتہ جمعہ کے واقعات اور اس کے بعد کی مجموعی صورتحال اور پروپیگنڈوں کے متعلق چند باتیں اور اپنے احساسات آپ تمام کے سامنے اس امید کے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں کہ

ع شاید کہ ترے دل میں اتر جائے مری بات

گزشتہ سترہ دن سے ہر صاحب ایمان شخص اپنی اپنی جگہ نہایت بے چین و مضطرب ہے کہ نبی پاک ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی ہوئی ہے اور نہ صرف شاتمین قرار راقعی سزا سے بچے ہوئے ہیں بلکہ مختلف ریاستوں میں ایف آئی آر درج کرانے کے باوجود بھی حکومت کی جانب سے ان مجرمین کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی ہے۔ لہٰذا احتجاج تو ایمانی، فطری اور قانونی تقاضہ تھا اور جمہوریت پر یقین رکھنے والوں کی زبانی یہ احتجاج بالکل جمہوری حق ہے۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ اس احتجاج کو ہماری مذہبی اور سیاسی قیادت جرم سمجھ رہی ہے اور وہ یہ سوال اٹھا رہی ہے کہ دینی، ملی و سیاسی قیادت کی جانب سے کسی بھی احتجاج سے باز رہنے اور سڑکوں پر نہ آنے کی پرزور اپیلوں اور بیانات کے باوجود بھی عام مسلمانوں کا سڑکوں پر نکلنا اور احتجاج کرنا کس کی شہ پر ہوا ہے؟ مسلم نوجوانوں کو کس نے اکسایا ہے؟ یہ سوالات بالکل فضول اور بے جا ہیں، کیونکہ ہر مسلمان نبی پاک ﷺ کی محبت کو شرط ایمان، آپ ﷺ سے وفاداری کو دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضمانت، آپ ﷺ سے وابستگی کو خوش بختی کی علامت اور آپ ﷺ کے ناموس کی خاطر جان لینے اور دینے کو سعادت سمجھتا ہے۔ پیارے رسول ﷺ کے تیس کروڑ امتی اس ملک میں رہتے ہیں، اس کے باوجود آپ ﷺ کے جناب میں گستاخی ہوتی ہے تو یہ شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ یہی وہ احساس تھا جس نے ایک عام مسلمان کو بھی اپنے ایمان کا عملی مظاہرہ کرنے پر اکسایا اور آپ ﷺ سے اپنی محبت وعقیدت کا اظہار کروایا۔ یہ دراصل احتجاج سے زیادہ نبی پاک ﷺ سے اپنی محبت، عقیدت اور وفاداری کا اظہار تھا۔

لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اس ملک کی حکومت، انتظامیہ اور پولیس مسلمانوں کے کسی بھی احتجاج اور مظاہرے کو پرامن رہنے نہیں دیتی۔ گزشتہ نماز جمعہ کے بعد بھی یہی ہوا ہے۔ ملک کی تقریباً ہر ریاست میں مسلمان نماز جمعہ کے بعد اپنے نبی ﷺ سے اپنی محبت وعقیدت کے اظہار کے لیے باہر نکلے لیکن ان کو کھل کر اپنے جذبات کا اظہار بھی نہیں کرنے دیا گیا۔ پولیس نے ہر جگہ بزور تشدد ان کا راستہ روکا، بھگوا وادیوں کے ذریعے ان پر پتھراؤ کروایا، لاٹھی چارج کیا گیا، آنسو گیس کے گولے پھینکے گئے، رانچی میں تو پوائنٹ بلینک رینج سے ان پر گولیاں چلائی گئیں۔ اگر کچھ جی دار نوجوان اپنے دفاع میں اور اشرار کو اپنے سے دور رکھنے کے لیے ہاتھ میں پتھر اٹھاتے ہیں تو یہ ان کا جرم قرار پاتا ہے۔ دکھ اس بات کا ہے کہ اپنوں کے نزدیک بھی وہ مجرم قرار پاتے ہیں! پھر حکومتیں ان کے گھروں پر بلڈوزر چلاتی ہیں اور اپنے ان کے دلوں پر!

جمعہ کے واقعات کے بعد بعض مسلم قائدین کی جانب سے جو بیانیے سامنے آرہے ہیں وہ نا صرف قابل افسوس بلکہ انتہائی شرمناک ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ اس نازک وقت میں اپنے بچوں کو مجرم ٹھہرانے کے بجائے ان کے ساتھ کھڑے ہوتے، ان کے زخموں پر مرہم رکھتے، ان کے دلوں کو ڈھارس دیتے، ان کے حوصلے کو برقرار رکھتے، ان کے عزائم کو سراہتے اور ان کے لیے اپنے آپ کو ڈھال بنالیتے۔ مگر افسوس کہ قیادت آج اس موقع پر بھی اپنی مردہ ضمیری اور بے حسی کا ثبوت دے رہی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ پولیس کے ظلم پر سوال کھڑے کیے جاتے کہ ننھے بچوں پر پوائنٹ بلینک رینج سے گولیاں چلانے کا کیا جواز ہے؟ بغیر ایف آئی آر کے گرفتاریاں کرنے کا کیا جواز ہے؟ بغیر جرم ثابت ہوئے گھروں پر بلڈوزر چلانے کا کیا قانون ہے......؟

لیکن اس کے بجائے قیادت الزام تراشیاں کرکے اور بہانے بنا کر مسلم نوجوانوں کی مدد سے اپنا ہاتھ اٹھا رہی ہے۔ نوجوانوں پر انگلی اٹھانے سے پہلے قیادت کو اپنے گریبان میں جھانکنے کی ضرورت ہے۔ آپ اپنا محاسبہ کیجیے! آپ نے اپنی حکمت و مصلحت، فراست اور صبر و تحمل کے ذریعہ ان ستر سالوں میں کیا حاصل کیا ہے؟ کوئی ایک چیز بھی حاصل کی ہو تو بتلایئے! بلکہ جو کچھ ہاتھ میں تھا اسے بھی گنوا بیٹھے ہیں۔ البتہ نوجوانوں نے ہر موقع پر اپنے زندہ ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

اور آج الحمدللہ ناموس رسالت ﷺ کے تحفظ کی خاطر، اپنے نبی ﷺ سے محبت کے جرم میں اپنے سینوں پر گولیاں اور اپنے جسموں پر لاٹھی، ڈنڈے اور پتھر کھا رہے ہیں، اور قید وبند کی تکلیفوں سے گزر رہے ہیں۔ بڑے خوش نصیب ہیں یہ نوجوان! ان کی خوش بختی کے کیا کہنے! اگر اس سب کے بدلے انہیں ساقی کوثر ﷺ کے ہاتھوں جام کوثر نصیب ہو جائے تو یہ گھاٹے کا سودا ہرگز نہیں ہے۔ واقعی بڑے خوش نصیب ہیں شہید مدثر و شہید ساحل رحمہما اللہ جنہیں رب تعالیٰ نے کروڑوں کے درمیان سے اپنے حبیب ﷺ کی ناموس کے حوالے سے چن لیا۔ اس سے بڑی سعادت اور کیا ہو سکتی ہے! اس سے بڑی کامیابی بھلا اور کیا ہو سکتی ہے! ایک نوجوان صحابی کو جب دشمن کا نیزہ لگا تو وہ 'فزت برب الکعبۃ'، ''رب کعبہ کی قسم میں

کامیاب ہو گیا'' کہہ کر شہید ہو گئے۔ ہم بھی اپنے شہداء کے متعلق یہی یقین رکھتے ہیں کہ ''رب کعبہ کی قسم یہ کامیاب ہو گئے''۔ زندگیاں سینت سینت کر رکھنا اور بچانا نہیں بلکہ زندگیاں نچھاور کر دینا اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے، وذلک الفوز العظیم!

یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے!

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر مسلمان اپنے دل میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی شمع جلائے کہ جس کے بغیر ایمان ثابت ہی نہیں ہوتا، ہر قسم کی قربانی اور دفاع کے لیے تیار رہے اور کسی بھی قسم کے ڈر اور خوف کو اپنے اوپر طاری نہ ہونے دے۔ یہ عاشقان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آزمائش کی گھڑی ہے۔ یہی ایمان کو ثابت کرنے کا وقت ہے۔ یہی چھٹائی کا وقت ہے جب مومنین کا ایمان اور منافقین کا نفاق ظاہر کیا جاتا ہے۔

بلاشبہ جس گھر کے بھی بچے شہید ہوئے ہیں، زخمی ہیں، گرفتار ہو کر اذیتیں سہہ رہے ہیں، اور جن کے گھروں پر بلڈوزر چلائے جا رہے ہیں، ان گھروں پر تو قیامت ٹوٹ پڑی ہو گی۔ ان کے عزیز و اقارب کے دکھ اور غم کا تو ہم اندازہ بھی نہیں لگا سکتے! لیکن ہم دکھ کی اس گھڑی میں ان کے ساتھ شامل ہو کر ان کے دکھ کو ہلکا کر سکتے ہیں۔ زخمیوں کے بہترین علاج کا سامان کر سکتے ہیں۔ گرفتار نوجوانوں کی رہائی کے لیے اسباب فراہم کر سکتے ہیں۔ ہم میں سے جس کے بس میں جو ہے وہ اپنی ذمہ داری سمجھ کر کرے ورنہ روز محشر پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا نہیں کر سکیں گے اور اللہ کی گرفت سے بچنا بھی محال ہو جائے گا۔

بہر حال مسلمانان ہند اس حقیقت کا ادراک جتنی جلد کر سکیں ان کے حق میں اتنا ہی بہتر ہے کہ اگر ہندوستان میں مسلمان بن کر رہنا ہے تو اپنی جان و مال کی قربانیاں پیش کرنا ہوں گی۔ اس درد سے گزرنا ہو گا ورنہ اس ملک میں ہم مسلمان بن کر نہیں رہ سکیں گے۔

☆☆☆☆☆

عید تہنیتی پیغام

”لا يبقى على ظهر الأرض بيت مدر ولا وبر إلا أدخله الله كلمة الإسلام بعز عزيز أو ذل ذليل إما يعزهم الله عز وجل فيجعلهم من أهلها أو يذلهم فيدينون لها.“

(رواه أحمد والحاكم)

”کرۂ ارضی پر کوئی کچا یا پکا مکان ایسا نہ بچے گا جس میں اللہ تعالیٰ اسلام کا کلمہ داخل نہ کر دیں خواہ لوگ اسے عزت کے ساتھ قبول کر کے معزز ہو جائیں یا ذلت اختیار کر لیں۔ اللہ تعالیٰ جنہیں عزت عطا فرمائیں گے تو انہیں اسلام والوں میں شامل فرما لیں گے اور اللہ جن کے حق میں ذلت کا فیصلہ فرمائیں گے تو انہیں (اسلام سے محروم رکھ کر) اسلام (کی حاکمیت) کے ماتحت محکوم بنا دیں گے۔“

بس اس کے لیے عزت و سرفرازی کے راستے پر چلنا شرط ہے، اور وہ راستہ دین کی طرف کامل رجوع اور جہاد فی سبیل اللہ کی ادائیگی ہے۔ ہم اس سفر میں برِّ صغیر کے مسلمانوں کے ہمرکاب ہیں، انہی کی عزت و ناموس کے لیے اپنی جانیں لے کر حاضر ہیں۔ دشمنانِ اسلام دہشت گردی کی تہمت لگا کر جتنا بھی مسلمانوں میں تفریق ڈالنا چاہیں، باذن اللہ نہیں ڈال سکتے۔

آیئے! عید کے دن سب مل کر اپنے گناہوں پر اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور استغفار کریں، آئندہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے تمام احکامات پر عمل کرنے کا تہیہ کریں، اللہ کے کلمے کی سربلندی اور دین کے غلبے کے لیے میدان میں نکلنے کا عزم کریں، اور امریکہ، اسرائیل، بھارت سمیت ہر جارح قوت اور اس کے کاسہ لیسوں کے مقابلے میں ڈٹنے کا وعدہ اپنے اللہ سے کریں۔

اللهم أبرم لهذه الأمة أمر رشد يعز فيه أهل طاعتك ويذل فيه أهل معصيتك، ويؤمر فيه بالمعروف وينهى فيه عن المنكر. اللهم أعز الإسلام والمسلمين وانصر المجاهدين، آمين يا ربّ العالمين.

وصلى الله تعالىٰ على نبينا وحبيبنا محمد وعلى آله وصحبه وأمته أجمعين.

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

☆☆☆☆☆

بقیہ: دعوۃ الامام لامۃ الاسلام

میری ہر آزاد اور شریف بندے سے گزارش ہے کہ ان باتوں کو اگر مفید پائے تو ان کا ترجمہ کرے اور نشر کرے اور اگر کوئی ایسی بات پائے جو ناپسندیدہ ہو تو مجھے نصیحت کرے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ ربّ العالمین وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم!

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

☆☆☆☆☆

ایسا ہوتا ہے اسلام کا حکمراں......!

مولوی عبد الہادی مجاہد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ وعلی آلہ واصحابہ ومن والاہ ومن تبع سنتہ إلی یوم الدین وبعد

قال اللہ تبارك وتعالیٰ:

اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى○ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا (سورۃ الکہف: ۱۳-۱۴)

"یہ کچھ نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے، اور ہم نے ان کو ہدایت میں خوب ترقی دی تھی۔ اور ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا جب وہ کھڑے ہوئے۔"

میں اپنے لیے سعادت سمجھتا ہوں کہ امتِ مسلمہ کے ایک عالی قدر فرزند اور رہبر کے بارے میں گفتگو کر رہا ہوں۔ جس کے ساتھ زندگی میں ملاقات اور چند لمحات گزارنے کی سعادت مجھے بھی حاصل ہوئی ہے۔

ملا محمد عمر مجاہد معاصر عالم اسلام میں سب سے اہم شخصیت ہیں۔ اور یہ اس لیے کہ ان کی فکر، اقدامات، مواقف اور آثار سے جو نتائج منتج ہوئے ہیں، وہ ایک عالمی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ ایسے نتائج ہیں جن کے ساتھ دنیائے عالم کے تمام انسان معرفت رکھتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ امتِ مسلمہ کے بیٹے اس کے ساتھ آشنا ہیں بلکہ پوری دنیا، سارے ادیان، احزاب، نظریات، افکار اور نظاموں کی پیروی کرنے والے اس کے ساتھ معرفت رکھتے ہیں۔ لہٰذا اس شخصیت کا جو مقام ہے اسی کے مطابق اس کو دیکھا جائے، اس عظیم شخصیت کو مضبوط چٹانوں کے برابر تولا جائے۔ ان کی فکر سے جو نتائج منتج ہوئے ہیں، وہ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ، اسلام کو دوبارہ موجودہ زمانے میں زندہ کرنے کا سبب بنے۔ زندگی کے تمام امور میں چاہے وہ فکری ہوں یا سیاسی، عسکری ہوں یا اجتماعی، اخلاقی ہوں یا تمدنی......ان کے فکری آثار ایسے نمایاں اور کھلے ہیں جو کئی سال گزر جانے کے باوجود عالمِ اسلام کی اسلامی قیادت کے لیے مشعلِ راہ ہیں اور ان کو ہرگز نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔ اس عظیم شخصیت کی زندگی اور امور کے بارے میں ایک دو اہم نقاط آپ سب کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

اس عظیم شخصیت کی زندگی کے آثار اور تدوین ہمیں اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ ہم اس شخصیت کی زندگی کے تمام امور اور ان کے افکار کے نتائج کو عملی جامہ پہنائیں، البتہ اس حوالے سے میں آخر میں تمام مسئولین کی خدمت میں چند گزارشات کروں گا۔

ایک اہم اثر جو اس شخصیت کے افکار اور اقدامات سے منتج ہوا، وہ یہ کہ انہوں نے دین اور سیاست کو دوبارہ ایک کر دیا۔ عالمِ اسلام میں تقریباً پچھلے ڈیڑھ سو سال کی زندگی میں دینی قیادت کو سیاسی اور اجتماعی قیادت سے علیحدہ کر دیا گیا تھا۔ اور سیاسی و اجتماعی قیادت ایسے افراد کے ہاتھ میں تھی یا ایسے افراد کو اس قیادت کے منصب پر بٹھایا گیا تھا جن کے افکار اسلام کے سیاسی فہم کے سرچشمے سے ناآشنا تھے۔ وہ اسلامی فکر، اسلام کے احکام اور شریعت کو سیاست و قیادت کے پیرائے سے نہیں دیکھتے تھے، جس سے منفی نتائج یہ منتج ہوئے کہ عالمِ اسلام میں مسلمانوں کی سیاسی قیادت یا تو مشرقی و مغربی استعماریت کے ساتھ جڑی ہوئی تھی یا ایسے نظاموں اور خاندانوں کے ساتھ جڑی ہوئی تھی جن میں دین حاکم نہیں تھا۔ یا تو کسی شاہ کو یا مارشل لا لگانے والے کو حاکم بنایا جاتا یا اسی سے منسوب احکام کو نافذ کیا جاتا۔ لیکن ملا محمد عمر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا موقف، جس نے دینی اور سیاسی قیادت کو ایک کر دیا، انہوں نے دوبارہ مسلمانوں کو اس مفہوم کی یاد دلائی جو صدرِ اسلام میں تھا۔ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر بھی تھے، مسلمانوں کے زعیم بھی تھے اور مدینہ منورہ کی مسجد کے امام بھی۔ مطلب یہ کہ دینی اور سیاسی قیادت جیسے صدرِ اسلام میں ایک تھی اسی طرح اس فہم اور تاریخ کا دوبارہ اعادہ کیا گیا، جس طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ مسلمانوں کی مسجد کے امام بھی تھے اور مسلمانوں کے سیاسی زعیم و عسکری سالار بھی، جنہوں نے ایک وقت میں گیارہ لشکروں کو ارتداد کے خاتمے کے لیے روانہ کیا۔ آپؓ کی مانند اس دور میں دوبارہ ایک دینی شخصیت پیدا ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے یہی صفات ڈالیں اور اس شخص نے دینی و سیاسی قیادت کو دوبارہ ایک کر دیا۔ اور یہ علیحدگی جو دینی و سیاسی قیادت کے مابین تھی، جو ایک مصنوعی علیحدگی تھی، جس کا ہمارے دینی معاشرے سے کوئی تعلق نہیں تھا، اس کو ختم کر دیا۔

دوسرا اہم اثر جو اس شخصیت کی فکر سے منتج ہوتا ہے وہ یہ کہ انہوں نے اہلِ دین اور اہلِ علم کو دوبارہ قیادت و مسئولیت کے موقف اور منصب تک لے آئے۔ استبدادی نظام، برائیوں کے ساتھ اپنے آپ کو جوڑنے والی قیادتوں نے عالم، پیر، بزرگ، صالح، مصلح، مجاہد اور خیر اندیش انسان کو الگ کر دیا تھا۔ سیاست کے میدان اور معاشرے کی قیادت کرنے سے ان کو نکال دیا گیا تھا۔ حتیٰ کہ فکری میدان اور خطاب کے منابر سے ان کو محروم رکھا۔ لیکن اس عظیم شخصیت کے اخلاص، دینی موقف، جرأت اور فہمِ دین نے یہ موقع فراہم کیا کہ اہلِ دین اور

اہلِ علم دوبارہ قیادت کے منصب پہ آجائیں۔ وہ لوگ دوبارہ اس منصب پہ آجائیں جو اللہ سے ڈرتے ہوں۔ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ[1]......!

اور یہ وہ کچھ ہے جس کی پچھلے صدیوں میں مثال نہیں ملتی۔ بادشاہ ایک شیخ یا مفتی کو اپنے ساتھ صرف مشاور کے طور پر رکھتا تھا۔ جب بادشاہ کو ضرورت پڑتی تو اس کی طرف رجوع کرتے۔ پچھلی دس صدیوں میں اس طرح کی حالت پیش نہیں آئی کہ سیاسی، عسکری، اجتماعی، فکری، اخلاقی اور اقتصادی قیادت کے مناصب ان لوگوں کے ہاتھوں میں دیے جائیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ گواہی دی ہے کہ وہ اللہ سے ڈرنے والے لوگ ہیں۔

اگلا اثر جو اس عظیم شخصیت کی فکر سے منتج ہوتا ہے وہ یہ کہ آپؒ نے ایک ایسے نظام کی بنیاد رکھی جو زندگی کے تمام امور میں شریعت کو بالادست رکھتا ہو۔ سیاست و قیادت میں شریعت کی بالادستی، نہ کہ مشرق و مغرب کے افکار کی، یورپی فلاسفروں کے الحادی نظریات کی طرف نہیں بلکہ دینی نصوص کی بالادستی۔ اسی طرح انتظامی اور عسکری امور میں دین کو حاکم بنایا، معاشرتی و انفرادی امور میں دین کو حاکم بنایا، اور یہ وہ چیزیں ہیں جن کی پچھلی صدیوں میں مثال نہیں ملتی۔ اگرچہ بعض ممالک نے اپنے سیاسی نظام کے ساتھ 'اسلامی' لگایا ہوتا ہے لیکن عمل میں اسلام کی طرف رجوع کرنا، ''سب سے پہلے ہے اسلام'' کو اپنا مقتدا بنانا، یہ سعادت پہلی بار اللہ تعالیٰ نے افغان قوم اور مجموعی طور پر تمام مسلمانوں کو اس عظیم شخصیت کے ہاتھوں عطا فرمائی۔

اگلا نقطہ یہ ہے کہ عالمِ اسلام میں، پچھلی ایک ڈیڑھ صدی میں سیاسی قیادتیں بارہا امت کی قیادت اور ان کے مصالح کی حفاظت میں ناکام ہو چکی ہیں، اور اس کا منفی نتیجہ عوام اور امتِ مسلمہ کے فرزندوں کے ذہنوں میں یہ بنا کہ مسلمان سیاسی قیادت کی صلاحیت نہیں رکھتے، وہ اس سیاسی خلا کو پُر نہیں کر سکتے، اس کی صلاحیت کمیونسٹ، لبرلز، ڈیموکریٹک، نیشنلسٹ اور ہیومنسٹ میں ہے۔ وہی لوگ جو پرایوں کی یونیورسٹیوں، نظریات اور معاشروں سے منسلک ہیں، وہی اس خلا کو پُر کر سکتے ہیں۔ لیکن جب ملا محمد عمر مجاہدؒ نے قیادت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں تھامی، صرف نعرے لگا کر نہیں بلکہ اپنے عمل، موقف اور خالص اسلامی اقدامات اٹھا کر اس خلا کو ایسے پُر کر دیا جس کی وجہ سے امت کے فرزند مطمئن ہو گئے کہ اس امت میں اصل قیادت موجود ہے۔

آپؒ نے امت کے کھوئے ہوئے وقار، اطمینان و یقین کو دوبارہ نئے سرے سے زندہ کیا، کہ مسلمان اپنے مبادی و افکار، عقائد کی بنیاد پر اپنی سیاسی قیادت کو سنبھال سکتے ہیں۔ اور مثبت نتیجہ یہ منتج ہوا کہ اس سے پہلے کہ وہ کسی سے مدد مانگتے، شرق تا غرب، افریقہ اور عالمِ عرب سمیت پوری امت نے ان کو اپنا رہبر بنالیا، ان کو دعائیں دیں اور آپؒ پوری امتِ مسلمہ کے سروں کے تاج بن گئے۔ یہ چیزیں آپ نے کسی سے مانگی نہیں تھی، آپ نے مشہوری اور دکھاوے کے لیے مہم نہیں چلائی تھی۔ یہ ان کا پُر خلوص موقف تھا جس نے امت کے بیٹوں کو اس بات پر قائل کیا کہ یہی وہ شخص ہے جو اس خلا کو پُر کر سکتا ہے۔ لوگوں نے ان کے اندر یہ استعداد و صلاحیت دیکھی۔ پھر یہی تھا کہ شرق تا غرب، عرب و عجم، یورپ، ایشیا اور افریقہ سمیت پوری دنیا میں مسلمانوں نے ان کو اپنے سیاسی مدبر و قائد کی حیثیت سے، جو اسلام کے ساتھ وفاداری رکھتے ہیں اور سختی کے مرحلے میں تمسك بالله اور تمسك بالشريعة پر کھڑے رہتے ہیں اور کسی کے سامنے سر نہیں جھکاتے، تسلیم کیا۔ اور وہ بے اعتمادی جو پچھلی ڈیڑھ صدی میں سیاسی قیادت میں موجود تھی، ختم ہو گئی اور الحمد للہ آپؒ کے اس موقف کی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ آج نوجوان امارت کو سنبھال رہے ہیں، جبہات کو سنبھال رہے ہیں، وزارت، اقتصاد، عالمی معاملات اور تعلیم و تربیت کو سنبھال رہے ہیں۔ اسی طرح آپ نے ایک نسل تیار کی اور آپ تمسك بالدين اور تمسك بالشريعة کو اپنا کر سیاسی میدان میں آئیڈیل کے طور پہ نمایاں ہوئے۔

اگلا نقطہ جو میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپؒ نے افادیتِ جہاد پر مضبوطی کے ساتھ جمنے سے یہ ثابت کر دیا کہ عالمی متکبر قوتوں کا زور بھی توڑا جا سکتا ہے۔ ماضی قریب ایک ڈیڑھ صدی میں اگر کوئی عالمی قوت کسی کو صرف دھمکی دیتی تو اسلامی ممالک کی سیاسی قیادت کی حالت متزلزل ہو جاتی تھی، اپنے موقف میں متردد ہو جاتے تھے۔ کیوں؟ اس لیے کہ ان کا جہاد فی سبیل اللہ پہ بھروسہ نہیں تھا، وہ اپنے اندر جہاد کی صلاحیت نہیں دیکھتے تھے، ان کو اپنی عوام کی صلاحیتوں کا ادراک نہیں تھا، وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ جہاد مسلمانوں کی عزت و سربلندی کا راستہ ہے، جب ان کو اس راستے کے مستقبل کا یقین نہ تھا تو ان کے لیے اس کا انتخاب کرنا بھی ناممکن تھا۔ آپؒ افادیتِ جہاد پر یقین رکھتے تھے۔ زمینی، فضائی، سمندری، اقتصادی فوجیں اور استخباراتی قوتیں ان کے خلاف متحد ہو گئیں، لیکن اس آدمی کا عزم متزلزل نہ ہوا اور وہ افادیتِ جہاد میں تردد کا شکار نہیں ہوئے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپؒ کے لیے مٹھی بھر لوگوں کو لشکر میں بدل دیا، ان کمزور و ناتواں لوگوں کو اللہ نے قوی کر دیا، پرانے اسباب کو نئے اسباب میں بدل دیا، اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے دلوں میں ان کے ساتھ کھڑے ہونے کے لیے محبت اور ہمت پیدا کر دی، نوجوان نسل قربانی اور فداکاری کے میدانوں میں نکل آئی، اور وہ سب کچھ ہوا جس کا اسلامی دنیا میں ناممکن ہونے کا جھوٹا تصور بنا ہوا تھا۔ اسلامی نظام کا قیام اور دشمنانِ دین کا راستہ روکنا افادیتِ جہاد کا نتیجہ ہے۔ افادیتِ جہاد پر آپؒ عظیم اعتماد رکھتے تھے اور آخری وقت تک ڈٹے رہے۔ اگرچہ لوگوں نے آپ کو مایوس کرنے کی بھرپور کوشش کی، کئی لوگوں نے مکارانہ نصیحتیں کیں کہ یہ کام کرنے کے قابل نہیں، لیکن آپؒ کا جہاد فی سبیل اللہ پر بھروسہ تھا اور اسی بھروسے کا نتیجہ اسلامی نظام کا قیام ہے۔

[1] اللہ سے اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔

اگلا اور آخری نقطہ یہ ہے کہ آیئے! اس عظیم شخصیت کی فکر، عقیدے، موقف، نظریات اور ان کے فکر و آثار پر تخلیق و تدوین کے لیے ایک تحقیقاتی مرکز بنائیں، ایک ایسا تحقیقاتی مرکز جو ان کی فکر پر مرتب شدہ آثار خواہ وہ عسکریت میں ہوں یا فکر و فرہنگ میں، تعلیم و اعتقاد میں ہوں یا سیاست و ڈپلومیسی میں، ان سب آثار کی علم کی روشنی میں تخلیق و تدوین کریں، اور ان کو ایک مثالی شخصیت کے طور پر آنے والی نسلوں کے لیے رکھیں۔ اگر ہم خوشحال خان کے بارے میں کتابیں لکھ سکتے ہیں، اور اس کو اپنی ذاتی لڑائی لڑنے پر قومی رہبر بنا سکتے ہیں، اکیڈمیز قائم کی جاتی ہیں، ایک شاعر کے اوپر جو صرف چند الفاظ کو خوبصورتی دیتا ہے، اس کے بارے میں تالیفات ہوتی ہیں، تو کیوں نہ ایک ایسی عظیم شخصیت کی فکر کی تخلیق و تدوین کے بارے میں ان کا اپنا نظام ایک مرکز نہ بنائیں، جنہوں نے پوری دنیا کا مقابلہ کیا، جو اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا باعث بنے، امت کو پرایوں کے اثر سے بچایا۔ تو لہٰذا یہ وہ کام ہے جسے ہمارا نظام، ہماری وزارتیں اور ہماری سیاسی قیادت اس کی طرف متوجہ ہو جائے تاکہ ایسا نہ ہو کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ عظیم شخصیت غفلت کے بادلوں میں چھپ جائے، اور یہ عظیم آثار جو ایک عالمی حیثیت رکھتے ہیں، ان کو لوگ بھلا بیٹھیں۔ پھر برے لوگ آجائیں اور ان کو بری حیثیت، برے اوصاف اور برے ناموں سے آنے والی نسلوں کے سامنے متعارف کروائیں۔ آیئے! ان آثار کی مختلف زبانوں میں تدوین کریں اور پھر پوری دنیا کے سامنے ان کو علمی و سیاسی انداز میں پیش کریں تاکہ امت کا اپنے رجالِ کار پر اعتماد پیدا ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کو جزائے خیر دے کہ آپ سب نے مجھے بات کرنے کا موقع فراہم کیا۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

☆☆☆☆☆

بقیہ: ملا محمد عمر مجاہد، صبر و توکل کا پیکر

آپؒ نے جواب دیا: ان شاء اللہ کچھ نہیں ہوتا، برآمدہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی ملا صاحب کا توکل تھا، یہی ان کی درویشی تھی جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندے کی حفاظت فرمائی۔ الغرض یہ ملا صاحب کا صبر و توکل تھا جو آپؒ کے کامل ایمان کا نتیجہ تھا۔

امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد رحمہ اللہ کی سیرت کو دیکھتے ہوئے ہمارے اوپر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ ملا صاحب نے تو اس دین کی خاطر صبر، توکل اور غیرت کا مظاہرہ کر کے اپنے اللہ اور رسول ﷺ کی محبت کو پالیا۔ کیا ہمارے لیے صرف ملا صاحبؒ کی تعریفیں کرنا کافی ہے؟ نہیں بھائیو یہ کافی نہیں ہے، ہمیں چاہیے خصوصاً مسئول ساتھیوں کو کہ وہ ملا صاحبؒ کی سیرت سے سبق اخذ کریں۔ ملا صاحب نے اپنے کامل ایمان کی بدولت کفار کا مقابلہ کیا، اپنی عوام کے ساتھ خیر خواہی کی اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ وفا نبھائی۔ ہمیں چاہیے کہ ہم آپؒ کی مانند اپنے ایمان کو کامل بنائیں۔ ایمان کو کامل بنانے کے کیا شرائط ہیں؟ جب آزمائش آجائے تو اس پر توکل اور صبر اختیار کرو۔ وقت کم ہے، یہ امیر المومنین رحمہ اللہ کے چند اور مختصر سوانح تھے جو میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیے۔ آپ سب کو اللہ رب العزت کے سپرد کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ملا محمد عمر رحمہ اللہ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے اور اللہ تعالیٰ ہمیں آپؒ کی مانند صبر و توکل سے نوازیں۔ ومن اللہ توفیق!

☆☆☆☆☆

بقیہ: مولانا عبد الرشید غازی تقریر

یہ یہاں پہ بھی fundamentalists موجود ہیں، یہ اس طرح کے مدارس ہیں مجھے مشکل میں ڈال رہے ہیں، تم مجھے سپورٹ کرو، میری مدد کرو ورنہ تو ابھی اٹھنے والے ہیں یہ لوگ۔ یعنی اب یہ ایک تیسری بات۔ یعنی ایک القاعدہ، ایک سی آئی اے اور ایک یہ۔ تو اس طرح یعنی یہ کوئی مذاق نہیں ہے کہ اس کو اس طرح کا مذاق بنا دیا جائے۔ ہمیں بڑا سوچ سمجھ کے، ایک تو یہ کہ ہمیں سسٹم کو سمجھنا چاہیے کہ سسٹم کیا ہے، سسٹم کیسے کام کرتا ہے۔ ہم نے سمجھا ہوا ہے کہ یہ سسٹم بس ایسے ہی چل رہا ہے۔ یہ سسٹم ہے باقاعدہ ایک چیز چل رہی ہے اور اس کے اندر ایک ترتیب ہے، ایسے ہی کوئی ایجنسیوں کا اگر ہونے لگے تو سارے کے سارے جو ہیں وہ ایجنسیوں کے ہیں۔ ہم تو ایک ایجنسی کے ہیں وہ اللہ کی ایجنسی جو ہے ناں اس کے ہیں ہم سارے کے سارے۔ تو یہ چند باتیں تھیں......

(وما علينا الا البلاغ!)

بقیہ: ہندتوا کیا ہے؟

اسی طرح گجرات فسادات کے دوران درگاواہنی کی عورتوں نے کلیدی کردار ادا کیا۔ یہ عورتیں ووٹر فہرستوں اور تجارتی لائسنسوں کی مدد سے مسلمان گھرانوں کی نشاندہی کر کے بجرنگ دل کے غنڈوں کو اطلاع دیتی تھیں۔ گھر گھر جا کر مسلمانوں کے گھرانوں میں مردوں، عورتوں اور بچوں کی تعداد کی معلومات اکٹھی کر کے یہ معلومات بجرنگ دل کے غنڈوں کو فراہم کرتی تھیں۔ حتیٰ کہ مسلمان عورتوں کی عصمت دری میں اور مسلمان عورتوں اور بچوں کو زندہ جلانے کے واقعات میں بھی درگاواہنی کی عورتیں بجرنگ دل کے غنڈوں کی مددگار رہیں۔

۲۰۲۲ء میں کرناٹک میں باحجاب مسلمان طالبات کو ہراساں کرنے، ان کا حجاب کھینچنے اور ان پر آوازیں کسنے میں درگاواہنی کی عورتیں بجرنگ دل کے غنڈوں کے ساتھ آگے آگے تھیں۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

ملا محمد عمر مجاہدؒ...... صبر و توکل کا پیکر!

مولوی عبد الجبار عمری

امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہدؒ کے بارے میں علمائے کرام اور مسئول بھائیوں نے کافی گفتگو کی ہے اور ان کی گفتگو کے بعد مجھے میری گفتگو کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، لیکن چونکہ ملا صاحبؒ[1] کے آخری ایام کا ساتھی میں تھا اور بھائیوں کی خواہش تھی کہ آپؒ کے آخری بارہ سال میں ہجرت کی زندگی کے اسرار و حالات دنیا بھر کے لوگوں اور اپنے بھائیوں کے سامنے بیان کروں۔ اگرچہ میں ابھی تک میڈیا پر نہیں آیا تھا، اور یہ پہلا موقع ہے، میں اللہ رب العزت کی حمد و شکر ادا کرتا ہوں کہ اس سٹیج سے کل تک ملا صاحبؒ کے بارے میں پراپیگنڈا ہوا کرتا تھا کہ وہ پاکستان میں ہیں، پاکستانی استخبارات کے زیرِ اثر زندگی گزار رہے ہیں اور ان کی رحلت کراچی میں ہوئی۔ آج الحمدللہ اسی سٹیج سے حق کی آواز بلند ہو رہی ہے۔ دشمن کا بیس سالہ پراپیگنڈا آج سب کے سامنے عیاں ہے، ملا صاحبؒ کے حالاتِ زندگی کو دیکھا جائے تو آپؒ کے کافی واقعات ہیں، لیکن چونکہ رمضان کا مہینہ ہے، بھائی بھی تھکے ہوئے ہیں اس لیے آپؒ کے حالاتِ زندگی کو مختصراً عرض کروں گا۔

اس صدی میں ملا صاحبؒ کے توکل، دیانت اور دینی غیرت کو دیکھا جائے تو ان کا کوئی ثانی نہیں۔ آپؒ اللہ تعالیٰ کے ایک خاص، صابر اور غیرتِ اسلامی سے سرشار بندے تھے۔ آیئے! دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ملا صاحبؒ کو کس عظیم صبر سے نوازا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے قرآن پاک میں فرماتے ہیں: وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۝ ”صبر سے کام لو، یقین رکھو کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے“۔ ملا صاحبؒ نے اپنی تمام تر مشکلات اور زندگی کے تمام امور میں، چاہے وہ امارت سے منسلک ہوں یا ساتھیوں سے اور گھر والوں سے منسلک اپنے تمام امور میں صبر اختیار کیا تھا۔ دوسرا یہ کہ ملا صاحبؒ کامل ترین توکل کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلامِ پاک میں فرماتے ہیں: وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ۝ ”جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرے، تو اللہ اس (کا کام بنانے) کے لیے کافی ہے“۔

ملا صاحبؒ نے اپنی زندگی میں جو کارنامے سرانجام دیے؛ آپؒ نے روس کے خلاف جہاد کیا، افغانستان کی سرزمین پر شریعت کو نافذ کیا، پھر تیرہ سال دنیا بھر کے کفار، یہود و نصاریٰ اور منافقین کے خلاف مزاحمتی تحریک کی قیادت کی، اور ہمارے گمان کے مطابق عاقبت میں اللہ رب العزت نے ان کو سرفراز کیا۔ آپ کے صبر اور توکل کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس عظیم کام کے لیے چنا۔ صبر اور توکل ایمانِ کامل کا نتیجہ ہے۔ ملا صاحبؒ کو یہ کامیابیاں صبر و توکل کی بدولت ملی، وہ صبر و توکل جو ایمانِ کامل کے نتیجے میں وجود میں آتا ہے۔ تو ملا صاحبؒ کے صبر و توکل اور دیانت کا کافی تذکرہ ہے، جس طرح شیخ صاحب نے کہا کہ آپؒ کا یہ تذکرہ ایک کتاب میں قلم بند نہیں ہو سکتا۔

ملا صاحبؒ قندھار میں تھے۔ یہ وہ مشکل ایام تھے کہ ایمان کے ساتھ دین پر عمل کرنا انگارے کو ہاتھ میں لینے کے مترادف تھا۔ رمضان المبارک کے مہینے کی بیسویں رات تھی، میں قندھار چلا گیا۔ رات میں نے ’زاڑہ گمرک‘ میں گزاری، صبح جب میں نے شہر کے حالات دیکھے تو دشمن کے سامنے مزاحمت کرنا ناممکن تھا۔ میں نے سوچا ان مشکل حالات میں ملا صاحبؒ کی حفاظت کرنی چاہیے کیونکہ دشمن کی پیش قدمی کا مقابلہ کرنا ناممکن ہے۔ میں نے قندھار میں شہید نافذؒ کو ڈھونڈا، وہ شہدا چوک سے نیچے ایک سرائے تھی، اس میں بیٹھے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا آپ کی ملا صاحبؒ سے ملاقات تو ہوتی ہوگی، آپ میری طرف سے ملا صاحب کو ایک پیغام دے دیجیے گا، وہ یہ کہ ملا صاحبؒ کو میری طرف سے سلام کہیے، سلام کے بعد ان سے عرض کیجیے گا کہ اگر آپ مناسب سمجھ کر جنگ کی قیادت میرے ہاتھ میں دیتے ہیں تو دشمن کی پیش قدمی روکنے کے لیے آج جنگ کا دن ہے۔ ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں اور آپ کی اتباع کریں گے، نتائج اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور اگر آپ کی طرف سے جنگ کا حکم نہیں تو پھر ہمیں چاہیے کہ آپ کو محفوظ مقام تک منتقل کریں، ہلمند غیر ملکی افواج کے ہاتھ میں ہے، ارغنداب اور خواجہ عمری میں امریکی قابض ہو چکے ہیں، بولدک مخالفین کے ہاتھ میں ہیں، باقی زابل کا راستہ بچا ہے تو وہ بھی دوپہر تک بند ہو جائے گا۔ میں نے نافذ شہیدؒ کو یہ پیغام دیا۔ آپؒ ملا صاحبؒ کی طرف چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد میں دیکھتا ہوں کہ نافذ شہیدؒ اور ملا شیرین اخوند (جو کہ ابھی وزارتِ دفاع میں استخبارات کے مسئول ہیں) آگئے۔ ہم تینوں گاڑی میں بیٹھ گئے۔ ملا شیرین اخوند نے مجھے کہا؛ ملا صاحب کو سنبھال لوگے؟ میرے منہ سے بے اختیار یہ بات نکلی کہ ان شاءاللہ اپنی زوجہ کی چادر اٹھا کر اس کے نیچے ملا صاحب کو چھپالوں گا۔ ملا شیرین اخوند اور نافذ شہیدؒ میری یہ بات سن کر آبدیدہ ہوگئے۔ ہم نے سفر شروع کر دیا اور ملا صاحبؒ جس گھر میں موجود تھے ادھر پہنچ گئے۔ آپؒ، ملا گل آغا اخوند (جو کہ ابھی اس مجلس میں بیٹھے ہیں) اور ملا عبد السلام راکٹی اور ان کے علاوہ کافی ساتھی تھے، ان کے ساتھ بیٹھے تھے۔ جس طرح شیخ صاحب نے پہلے ذکر کیا کہ ملا صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے فراست سے نوازا تھا، جی ہاں ایسا ہی تھا!

میرا ملا صاحبؒ کے ساتھ اتنا قریبی تعلق نہیں تھا۔ میں بغلان کا والی تھا، اس کے بعد سمنگان کا والی بن گیا، اور اس کے بعد دوبارہ بغلان کا والی بن گیا۔ میرا ملا صاحبؒ کے ساتھ فقط اتنا تعلق تھا کہ ایک دفعہ میں کچھ فائلیں ملا صاحب کے پاس دستخط کے لیے لایا تھا۔ اس کے علاوہ ملا صاحبؒ

[1] زیر نظر بیان میں مولوی عبد الجبار صاحب نے امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہدؒ کا ذکر ”ملا صاحب“ کے نام سے کیا ہے۔ افغان معاشرے میں ملا محمد عمر مجاہدؒ کو ”لوئے ملا صاحب“، یعنی ”بڑے ملا صاحب“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ (ادارہ)

کے ساتھ کوئی خاص جان پہچان نہیں تھی۔ لیکن جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، سلام کے بعد حال احوال پوچھا، پھر اس کے بعد ملا صاحبؒ نے بہت سادہ الفاظ میں مجھ سے پوچھا: ہمیں سنبھال لوگے؟ میں نے بھی سادہ الفاظ میں جواب دیا کہ اصل حفاظت کرنے والی تو اللہ رب العزت کی ذات ہے، لیکن میرے ذمے آپ کی حفاظت کی جو مسئولیت ہے وہ میں آخری دم تک احسن طریقے سے ادا کروں گا۔ اس کے بعد ہم نے زیادہ گفتگو نہیں کی۔ فوراً ترتیب بنائی، کافی لوگ مجھ سے یہ سوال پوچھتے ہیں کہ ملا صاحبؒ نے اتنے افراد میں سے آپ کا انتخاب کیوں کیا؟ میں کہتا ہوں اس میں میرا کوئی کمال نہیں، یہ اللہ رب العزت کا انتخاب تھا۔ اور ملا صاحبؒ کی اپنی بھی عادت تھی جس کام یا راستے کا انتخاب کرتے پھر اس سے پیچھے نہیں ہٹتے تھے، یہاں تک کہ آپ کامیاب ہو جاتے۔ آپؒ نے میرے اوپر اعتماد کیا، میں فقط ایک صوبے کا والی اور امارت کا ایک عام فرد تھا۔ آپؒ نے مجھے ہدایت کی کہ آپ جا کر 'نساجہ کارخانے' کے ساتھ قریب کھڑے ہو جائیں، پیچھے سے میں آپ کے پاس آجاتا ہوں۔ رمضان المبارک کی بیس تاریخ تھی، دوپہر کے گیارہ بج رہے تھے۔ میں متعلقہ جگہ تک پہنچا، پیچھے سے ملا صاحبؒ اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ سراچا گاڑی (ڈگی بند ٹویوٹا کورولا) میں آگئے۔ میں ان سے آگے ہو گیا اور یہ میرے پیچھے آرہے تھے۔ 'جیلدک' کے مقام پر ہم نے نمازِ ظہر ادا کی۔ جب میں سنتوں کے لیے کھڑا ہو گیا تو آپؒ نے کہا؛ سنتیں نہ پڑھو، ہم مسافر ہیں۔ ہم نے دو رکعات نماز پڑھی اور آگے سفر شروع کر دیا۔ زابل کے شہر 'قلات' میں جب پہنچے تو یہاں ملا صاحبؒ کی گاڑی پنکچر ہو گئی۔ ہم نے پنکچر لگایا اور عصر کے وقت ہم اپنے گاؤں پہنچ گئے۔ ہمارا گھر صوبہ زابل کے ضلع سیوری کے 'مجزو' گاؤں میں ہے۔ ہم نے گھر پر رات گزاری۔ صبح ملا صاحبؒ نے مجھے کہا کہ زابل کے تمام عسکری کمانڈانوں کو یہاں مدعو کرو۔ میں نے ان کی ہدایت کے مطابق سب کو یہاں اپنے گھر بلایا۔ ملا صاحبؒ نے ہمارے گھر پر ان کے ساتھ عمومی مشورہ کیا۔ ہمارا سارا گاؤں گاڑیوں سے بھرا ہوا تھا، پورے علاقے میں بات پھیل گئی کہ امیر المومنین آئے ہوئے ہیں۔ اس بات میں ایک خاص نقطے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہا ہوں اور وہ نقطہ یہ ہے کہ اس گاؤں میں ملا صاحبؒ کی مشہوری اور بعد میں یہی گاؤں ملا صاحب کو اپنی حفاظت میں چھپالیتا ہے۔ ملا صاحب نے مجلس میں موجود تمام ساتھیوں کو یہ ہدایت فرمائی:

''آپ سب اپنی حفاظت کریں، اور مطمئن رہیے۔ ان شاء اللہ! اللہ تعالیٰ ہمیں دوبارہ سرخرو کرے گا۔ یہ ہمارے اوپر ایک ابتلا ہے اور ان شاء اللہ اس کا اختتام ہماری کامیابی پہ ہو گا۔ ہم نے جب بھی کام شروع کرنے کا فیصلہ کیا تو ہم آپ کو اطلاع دے دیں گے۔''

مجلس برخاست ہو گئی اور سارے مہمانوں نے اپنی راہ لی۔ ہم نے دو تین راتیں ادھر گزاری۔ ملا صاحبؒ کو تو اللہ نے ایسی حکمتوں سے نوازا تھا جس کو سمجھنا ہمارے لیے مشکل تھا۔ ملا صاحبؒ کو اندازہ ہوا کہ یہاں اس گاؤں میں ہمارا راز افشا ہو گیا ہے، پورے گاؤں میں یہ بات گردش کر رہی ہے کہ ملا صاحب ادھر موجود ہیں، اور آئندہ ہم نے ادھر اس گھر میں ہی رہنا ہے، لہٰذا اس بات کو مخفی رکھنا زیادہ اہم ہے۔ ان سب حالات کو دیکھتے ہوئے ملا صاحبؒ نے مجھے کہا؛ چلو 'شین کئی' چلتے ہیں۔ ہم نے عشاء کی نماز پڑھی، میرے پاس ایک لینڈ کروزر گاڑی تھی ہم اس میں بیٹھ کر شین کئی چلے گئے۔ شین کئی میں ملا صاحبؒ کی بہن کا گھر تھا۔ مجھے وہ وقت یاد آرہا ہے، ہم عوام کے خوف سے گاؤں کے اندر گاڑی نہیں لے جا سکتے تھے۔ ہم نے گاڑی گاؤں سے باہر کھڑی کر دی۔ ملا صاحبؒ کے پاس سردی سے بچنے کے لیے ایک پرانی قبا[1] تھی، جسے آپ نے اپنے کندھوں پہ ڈالا ہوا تھا اور آپ شدید ٹھنڈ کی وجہ سے کانپ رہے تھے۔ ہم نے گھر کے دروازے پہ پہنچ کر دستک دی، اندر سے آواز آئی کون ہے، ملا صاحب نے اپنا نام لیا۔ انہوں نے دروازہ کھولا اور ہم کمرے میں جا کر بیٹھ گئے۔ میں نے ملا صاحبؒ کو ادھر چھوڑ کر اپنے گھر کی راہ لی اور اسی رات واپس اپنے گاؤں پہنچ گیا۔

دو دن بعد میں ملا صاحبؒ سے ملنے گیا تو ملا صاحبؒ نے کہا کہ کسی کے علم میں لائے بغیر اب واپس 'سیوری' چلتے ہیں۔ ہم نے مغرب کی نماز پڑھی۔ سراچہ گاڑی میں بیٹھ گئے اور واپس سیوری آگئے۔ سیوری گاؤں میں میرے ایک دوست ملا کبیر اخوند شہیدؒ کا گھر تھا، ہم نے اس گھر میں اٹھارہ دن گزارے۔ اس کے بعد میرے ایک استاد ہیں استاد عبد الصمد، ان کے گھر چلے گئے اور وہاں ملا صاحب نے ساڑھے تین سال گزارے۔

میں اپنے گھر میں رہتا تھا اور ملا صاحب سے ملنے مہینے میں ایک بار چلا جاتا تھا۔ ایک دن میں اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا کہ میرے دوست شیر علی آگئے اور کہا کہ ملا صاحبؒ آئے ہوئے ہیں۔ میں حیران ہو گیا، میں نے پوچھا ملا صاحبؒ کا کیسے آنا ہوا۔ خیر میں آپؒ سے ملنے چلا گیا۔ ملا صاحبؒ اسی کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے جس کمرے میں ہم نے چار سال قبل زابل کے عسکری کمانڈانوں کا اجلاس بلایا تھا۔ میں نے ملا صاحب سے ان کا حال احوال پوچھا۔ آپؒ نے مجھ سے پوچھا: گھر میں میرے لیے کمرہ بنایا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں بنایا ہے۔ پھر ملا صاحب اُٹھ گئے اور کہا چلو چلتے ہیں۔ میں ملا صاحب کو ان کے کمرے میں لے آیا اور پھر ہمارے گھر میں ملا صاحب نے ساڑھے آٹھ سال گزارے۔ اس حال میں کہ میں خود بھی دشمن کو مطلوب تھا۔ اس عرصے میں ملا صاحب نے ضلع سیوری، تغر اور سور زنگل کی مسئولیت مجھے دی تھی۔ میرا گھر بھی پورے علاقے میں معروف تھا۔ لیکن الحمدللہ ہم نے اس گھر میں آٹھ سال گزارے۔

یہ مختصر روداد تھی جو میں نے سنائی، اب اس بات کی طرف آتا ہوں کہ ملا صاحب نے ادھر کیسی زندگی گزاری۔ امریکیوں کا کیمپ ہمارے گاؤں سے قریب تھا۔ جب مجاہدین امریکیوں پر کارروائی کرتے تو امریکی جوابی فائرنگ شروع کرتے تھے اور ان کی گولیاں ہمارے گاؤں تک پہنچتی تھی۔ امریکی جب گشت پر باہر نکلتے یا ان کے ایمرجنسی الارم بجتے تھے تو ان کی آوازیں ہمیں گھر بیٹھ کے سنائی دیتی تھی۔ میں جب ملا صاحبؒ کے لیے کھانا لے جاتا تھا تو کیمپ کے اوپر

[1] جسے پشتو میں ''چپان'' کہتے ہیں۔

لگائے گئے سکیورٹی غباروں(Security Balloon) سے بچنے کے لیے دیوار کے قریب چلتا تھا۔ ہمارے گھر امریکی تلاشی کے لیے دس بار آئے۔ ان تلاشیوں میں دو بار مقامی فوجی ملا صاحب کے اس کمرے میں آئے جہاں آپ رہتے تھے۔ الحمدللہ ہم نے کمرے کے اندر ایک خفیہ جگہ ہائیڈ بنائی تھی۔ جب بھی تلاشی ہوتی، ہم اس کے اندر چلے جاتے تھے۔ وہ بھی کوئی خاص محفوظ جگہ نہیں تھی، بس اللہ تعالیٰ نے ہماری حفاظت کے لیے ایک ذریعہ بنایا تھا۔

ملا صاحبؒ نے میرے گھر جو زندگی گزاری، وہ حیران کن ہے۔ میں نے قطار میں تین کمرے بنائے تھے۔ ملا صاحب کے کمرے کے ساتھ میرا کمرہ تھا۔ جب میرے بچوں کی پیدائش ہوئی تو ملا صاحب نے ان کے نام رکھے۔ آپ کا میرے بچوں کے ساتھ اس حالت میں وقت گزرا کہ میرے بچے آپ کی آنکھوں کے سامنے بیٹھنے کی عمر تک پہنچ جاتے، پھر زمین پہ قدم رکھ کر بڑے ہو جاتے۔ یہاں تک کہ میرا ایک بیٹا جس کا نام محمد ہے آپ کی آنکھوں کے سامنے بڑا ہو گیا اور ابھی وہ جوان ہے۔ وہ سارا دن چھت کے اوپر ہمارے لیے پہرا دیتا تھا۔ میرے بچے جب میرے کمرے سے نکلتے تھے تو دوسرے کمرے میں ملا صاحبؒ ہوتے تھے۔ بچے وہاں آپؒ کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ ملا صاحبؒ ان کے ساتھ پیار کرتے اور ان کو ٹافیاں دیتے تھے۔ میرے ساتھ گھر میں میرے چار بھائی بھی رہتے تھے لیکن ان آٹھ سالوں میں کبھی بھی میرے بچوں کے منہ سے یہ بات نہیں نکلی کہ ہمارے گھر میں ایک بابا جی رہتے ہیں جو ہمارے ساتھ پیار کرتے ہیں اور ہمیں ٹافیاں دیتے ہیں۔ میرے والد صاحب کا کمرہ ملا صاحب کے کمرے سے دس میٹر دور تھا۔ اس سارے وقت میں میرے والد صاحب کو ملا صاحبؒ کا پتہ نہیں چلا۔ میرے گھر میں تین بھابھیاں ہیں، ان تینوں کو اس بات کا علم نہیں تھا۔ میرے گھر والوں اور بچوں کے علاوہ کسی کے علم میں نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی حفاظت ایسے کرتا ہے۔ ہم نے قرآن مجید اور تاریخ میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیائے کرام کی حفاظت پانی اور آگ کے اندر کی۔ ہم نے تاریخ میں پڑھا تھا اور آج اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء اللہ کی حفاظت ہمارے آنکھوں کے سامنے دکھادی۔ جب ایک دشمن پورے کرۂ ارض پر اپنے تسلط کا دعویٰ کر رہا ہو، اس کے پاس ٹیکنالوجی حد سے زیادہ ہو، پائے دار اقتصاد کا مالک ہو، اس نے ایک مسلمان کے خلاف جنگ شروع کی ہو، اس کے سر کی قیمت مقرر کی ہو۔ ابھی کچھ دنوں پہلے کی بات ہے، میں نے بی بی سی پہ سنا کہ امریکیوں کے پاس افغانستان میں ستر ہزار جواسیس تھے۔ پھر ایک مردِ قلندر کا توکل دیکھیے کہ وہ کھڑا ہو جاتا ہے، اس نے جس گاؤں میں اجلاس کیا ہو، جہاں اس کے آنے کے خوب چرچے ہوئے ہوں، پھر ایک ایسے آدمی کے ساتھ جس کے بارے میں امریکی بھی جانتے ہیں کہ آخری وقت میں ملا صاحب قندھار سے زابل کی طرف ملا عبدالجبار کے ساتھ آئے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد جب میں گرفتار ہو گیا تو میں نے امریکیوں کو ساری تفصیل سنائی۔ پھر ایک فوجی اڈے کے قریب رہنا بغیر اسلحے کے۔ میرے پاس صرف ایک پستول تھی، وہ بھی میں نے گھر سے باہر ایک محفوظ جگہ رکھی ہوئی تھی۔ ایک دن میں نے آپؒ سے پوچھا: ملا صاحب! اسلحہ لے آؤں؟ آپ نے جواب دیا: آپ کی مرضی ہے۔ میں نے جواب میں کہا: اگر آپ نے میری مرضی پہ چھوڑ دیا تو پھر مجھے آپ کے توکل پہ یقین ہے۔ صرف ایک پستول تھی وہ بھی میں نے احتیاطاً اپنے پاس رکھی تھی کہ کہیں امریکیوں کے ہاتھ نہ لگ جائے۔

علمائے کرام بیٹھے ہیں، ہم اگر قرآن مجید پڑھیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیا کی حفاظت ہمیشہ اپنی کمزور مخلوق سے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے دشمن کو ایک چھوٹے مچھر کے ذریعے سے شکست دی۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ملا صاحبؒ کی حفاظت کا کیا ذریعہ بنایا تھا؟ آپ سب کے سامنے بے ادبی معاف! ہمارے دو خادم تھے جن میں سے ایک خاتون تھی یعنی میری بیوی اور دوسرا میرا بیٹا محمد تھا۔ دیکھیے! ہم اگر دیکھیں تو انسانوں میں سب سے کمزور ذات خواتین اور بچوں کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ہماری خدمت کے لیے چنا تھا۔ محمد چھت کے اوپر پہرا دیتا تھا، جب بھی چھاپہ آجاتا تو وہ ہمیں خبر دیتا اور جب ہم خطرے کے وقت خفیہ جگہ ہائیڈ کے اندر جاتے تھے تو میری گھر والی آکر ہمارے قدموں کے نشان مٹادیتی تھی اور غسل خانے کے اندر ہائیڈ کے اوپر جو الماری تھی اس میں برش اور صابن رکھ دیتی تھی۔ پھر جب امریکی واپس چلے جاتے تو میرے گھر والے ہمیں آواز دیتے کہ باہر آجائیے، امریکی واپس چلے گئے ہیں۔ تو یہ ہماری فوج تھی، اللہ تعالیٰ نے اس ضعیف مخلوق کے ذریعے ہماری حفاظت فرمائی۔ پھر وہ مکان و جگہ، کیا عقل یہ تسلیم کرتی ہے کہ یہاں کوئی محفوظ رہے گا؟ اس موضوع پر میں اور ملا صاحبؒ تبادلۂ خیال کرتے تھے۔ ملا صاحبؒ کہتے تھے:

''یہاں عقل تسلیم نہیں کرتی کہ ہماری حفاظت اللہ تعالیٰ اس چھوٹی سی جگہ پر کریں گے، لیکن اللہ رب العزت نے ہماری حفاظت کا ارادہ کیا ہے اسی وجہ سے ہم محفوظ ہیں۔''

جب اوبامہ کی حکومت آگئی اور اس نے مزید تیس ہزار فوجی افغانستان بھیجے تو اس وقت ہمارے علاقے میں فوجی چیک پوائنٹ کافی زیادہ ہو گئے۔ گھر گھر تلاشیاں بھی کافی زیادہ ہو گئیں۔ تو ایک دن میں عصر اور مغرب کے درمیان باہر بیٹھا ہوا تھا، اوپر ڈرون گھوم رہا تھا، ملا صاحب بھی باہر بیٹھے تھے۔ میں نے آپؒ سے کہا: ملا صاحب! یہ ڈرون آپ کے سر کے اوپر گھوم رہا ہے اور آپ باہر بیٹھے ہیں، اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو اندر کمرے میں چلے جائیں۔ ملا صاحبؒ نے جواب دیا: ''ان فضائی چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے اندھا کر دیا ہے، ان کو میں نظر نہیں آتا''۔ میں نے جب آپ کی یہ بات سنی تو میری پریشانی ختم ہو گئی، اس کے بعد میں اس بارے میں کبھی فکر مند نہیں ہوا۔

ایک دن میں نے ملا صاحب کو کہا کہ ہمارے کمروں کے سامنے برآمدہ نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو رات کو امریکی چھاپہ آجائے، وہ ہماری چھتوں پہ کھڑے ہوں اور برآمدہ نہ ہونے کی وجہ سے میرا اور آپ کا رابطہ کٹ جائے۔

(باقی صفحہ نمبر 43 پر)

دعوة الإمام لأمة الإسلام

حکیم الامت، فضیلۃ الشیخ ایمن الظواہری (دامت برکاتہم العالیۃ)

بسم اللہ والحمد للہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ و علی آلہ وصحبہ و من والاہ

دنیا بھر میں موجود میرے مسلمان بھائیو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امام، مجدد، شیخ اسامہ کی شہادت کو تقریباً گیارہ سال گزر چکے ہیں۔ ان کا اللہ کے نزدیک مقام اللہ تعالیٰ خود بہتر جانتا ہے۔ لیکن آپ کی شہادت کے اتنے عرصہ کے بعد بھی اللہ کے فضل سے ان کی دعوت نہ صرف زندہ ہے بلکہ مزید وسعت پا گئی ہے۔ دشمن نے اس دعوت کو ختم کرنے کے لیے تمام ہتھکنڈے استعمال کیے۔ عسکری حملے کیے، مکر و فریب اور جھوٹ کا سہارا لیا، لیکن اس کی قبولیت میں اضافہ ہوا اور اس دعوت کے انصار بڑھتے چلے گئے۔ اس دعوت کو بدنام کرنے کے لیے اور امت کو گمراہ کرنے کے لیے اس جماعت پر طرح طرح کے بہتان لگائے گئے، لیکن اس تمام مکر و فریب اور بہتان بازی کے باوجود یہ دعوت دشمن کے الحاد، فساد اور حرص پر مبنی شر پسندی کے خلاف ایسا خطرہ بنی جو دشمن کے سکوت پر منتج ہوئی۔

یہ اس لیے ممکن ہوا کیونکہ یہ دعوت شریعت کے نفاذ کی دعوت ہے، یہ دعوت ہر انسانی دستور و قانون کے رد کی دعوت ہے، یہ دعوت مسلمانوں کی مقبوضہ سرزمینوں کی آزادی کی دعوت ہے، دشمن کی لوٹ مار کو روکنے کی دعوت ہے، امت کو آمریت اور ظلم سے نجات کی دعوت ہے۔ یہ امت کے حکمرانوں کو اقتدار دینے اور اقتدار سے محروم کرنے کا حق صرف امت کے ہاتھوں میں رکھنے کی دعوت ہے۔ یہ امت مسلمہ کو دشمن کے سامنے ایک صف میں سینہ سپر ہونے کی دعوت ہے۔ مذہب و قومیت سے بالاتر ہو کر مظلوموں کی نصرت کی دعوت ہے۔ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ نے جب یہ دعوت شروع کی تو یہ ان کی اپنی اختراع نہ تھی بلکہ اسلام کے احکام کا اتباع تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ(سورۃ آل عمران: آیت ۱۱۰)

”(مسلمانو!) تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لیے وجود میں لائی گئی ہے، تم نیکی کی تلقین کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔“

شیخ اسامہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے شیخ عبد اللہ عزام کے عظیم پیغام کو عملی جامہ پہنایا، کہ ’سقوطِ اندلس کے دن سے تمام مسلمانوں پر فرض عین ہو چکا ہے کہ وہ جہاد کریں‘ اور اس پیغام کو ایک جہدِ مسلسل بنا دیا۔ اس کی عملی ترتیب کھڑی کر دکھائی اور ایک ایسی دعوتی اور عسکری جدوجہد کا آغاز کیا جو نہ تھمنے والی ہے۔ اس جدوجہد کا مقام رفعت گیارہ ستمبر کا حملہ ہے جس نے انسانی تاریخ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور امریکہ آج تک اس درد سے تڑپ رہا ہے، اس تڑپ میں خون، مال و دولت لٹا رہا ہے لیکن درد نہ تھمنے والا ہے، اور اس سے بھی بڑھ کر شیخ کا یہ کارنامہ ہے کہ انہوں نے امتِ مسلمہ کو ایک راہ پر یکجا کرنے کی عملی کاوش کر دکھائی۔

امتِ مسلمہ کو پارہ پارہ کرنے کی دشمنوں کی کوششوں کے خلاف مزاحمت کو ترویج دی۔ دشمن نے شیخ اسامہ کی دعوت کی مزاحمت کے لیے عام مسلمانوں اور مجاہدین میں تفرقہ ڈالنے کی مذموم حرکتیں کی۔ کہیں مصلحت کے نام پر، کہیں حقیقت پسندی کے نام سے، مسلمانوں میں انتشار پھیلانے کی کوششیں کی گئیں، جو مسلمانوں کو دین اور دنیا کے خسارے میں ڈالنے کے علاوہ کچھ نہ تھا۔

دشمن کی چال صرف تفرقہ بازی تک محدود نہ تھی اور فقط وحدتِ مسلمین کو پارہ پارہ کرنے کی سازش ہی نہ تھی بلکہ مسلمانوں کو ملحدین اور سیکولرازم کی طرف دھکیلنے کے لیے مذموم اقدام کیے۔ وطن فروشی، خیانت اور دشمن کی دلالی کا نام وطن پرستی اور جدیدیت رکھ دیا۔ اسلام سے دور ہو کر بین الاقوامی ملحدانہ قوانین کی پاسداری کا سبق پڑھایا، اور اسی طرح کے ہزاروں دیگر فریب مسلمانوں پر آزمائے۔ یہ ہتھکنڈے اور مکر بین الاقوامی مجرموں کی تمام دنیا کو بالخصوص امتِ مسلمہ کو اپنی غلامی کا طوق پہنانے کا بندوبست ہے۔ شیخ اسامہ کو اللہ تعالیٰ نے اس مکر کا ادراک اس کے ظہور سے پہلے دے رکھا تھا، اسی لیے وہ ہمیشہ اس کی یاد دہانی کرواتے رہے اور تنبیہ کرتے رہے کہ ہم ایک امتِ واحد ہیں، اس لیے ہمیں قبائلی و قومی عصبیت اور سرحدیں علیحدہ نہیں کر سکتی۔ شیخ اسامہ نے ایک عظیم خواب دیکھا اور اس کو ایک قول میں سمجھا دیا کہ:

”ہم عالمِ اسلام کے نقشے کو نئی تشکیل دیں گے تاکہ اللہ کے حکم سے ایک خلافتِ واحد کا وجود ظہور پذیر ہو جائے۔“

شیخ اسامہ کی میراث یہ ہے کہ آپ تمام اسلامی جدوجہد کی تحریکوں کو ایک نظم میں لانے کی کوشش میں رہے۔ شیخ نے یہ پیغام عام کیا کہ دشمن کی دلالی کرنے والے حکمران دراصل دشمن کے وہ پنجے ہیں جن سے وہ امتِ مسلمہ کو نوچنے اور بھنبھوڑنے میں مصروف ہے۔

شیخ اسامہ نے آلِ سعود کی پوشیدہ تاریخ کو واضح کیا کہ یہ امریکہ اور برطانیہ کے سدھائے ہوئے بندر ہیں جو اپنے آقاؤں کے اشارے پر طرح طرح کے کرتب دکھاتے ہیں اور آلِ سعود کے پالتو خلیجی حکمرانوں کے مکروہ اور ذلت آمیز تاریخی کردار کو واضح کر دیا۔ کیا یہ تاریخی حقیقت

نہیں کہ ان حکمرانوں کو برطانیہ نے مسلمانوں پر مسلط کیا اور برطانیہ کے بعد امریکہ نے ان کے ذریعے مسلمانوں کی دولت کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا۔ شیخ اسامہ نے تاریخِ انسانی کی سب سے بڑی واردات کو آشکارا کیا جس میں مسلمانوں کا مسروقہ پٹرول امریکی لٹیروں نے بے رحمی سے لوٹا ہے۔ شیخ اسامہ نے اس لوٹ مار کو واضح کرنے اور اس کو روکنے کی اہمیت کو اجاگر کرنے میں ہراول دستے کا کردار ادا کیا۔ وہ فرماتے تھے:

> ''مسلمانوں کا لوٹا ہوا پٹرول ہی مغربی تہذیب کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ لوٹ مار کا یہ عالم ہے کہ پیپسی کے ایک بیرل سے بھی کم قیمت پر پیٹرول خریدا جارہا ہے۔''

وہ یاد دلاتے رہے کہ:

> ''مسلمانوں کے زمین میں پوشیدہ خزانوں بالخصوص پیٹرول کو لوٹنے کے لیے مغربی استعمار نے امتِ مسلمہ کو اپنی فوجی طاقت کے حصار میں لے رکھا ہے اور دھمکی یہ ہے کہ لوٹنے دو ورنہ چھین لیں گے۔''

لہو رلاتا، صد افسوس مقام یہ ہے کہ نام نہاد اسلامی جماعتوں کی طرف سے اس لوٹ مار کا دور دور تک کوئی تذکرہ بھی نہیں ہے۔ بلکہ ان میں سے اکثر جماعتوں کا مطمحِ نظر ان دلال خلیجی حکمرانوں کی قربت اور خوشامد سے آگے کچھ نہیں کیونکہ ان جماعتوں کا مطلوب و مقصود صرف روٹی کے وہ چند ٹکڑے ہیں جو یہ خلیجی حکمران ان کی طرف وقتاً فوقتاً اچھال دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ احمق خلیجی حکمران مسلمانوں کے خزانوں کی تاریخی لوٹ مار سے جو تھوڑا سا حصہ اپنے آقاؤں سے پاتے ہیں، اس کا کثیر حصہ تو یہ حکمران اپنے لہو لعب اور اپنے آقاؤں کے بین الاقوامی مالی نظام کا شیطانی پہیہ گھمانے میں دوبارہ اپنے آقاؤں کے قدموں میں نچھاور کر ڈالتے ہیں۔

اگر یہ احمق اور گھٹیا دلال اس دولت کا رائی برابر حصہ بھی عالمِ اسلام میں غربت، بیماری اور جہالت کے شر کو ختم کرنے پر خرچ کرتے تو یہ ان تمام مسائل کو جڑ سے اکھاڑ دیتے۔ مسلمانوں کو بہترین تعلیم، خوراک، علاج اور رہائش کی باعزت سہولیات میسر کر سکتے۔ مگر وہ ان پیسوں کو فٹبال ٹیموں پر خرچ کر ڈالتے ہیں اور شبینہ مصروفیات پر ضائع کر دیتے ہیں۔ بڑے بڑے ہوٹلوں پر سرمایہ کاری کرتے ہیں، صہیونی بینکوں اور مغربی اقتصادی منڈیوں کی بھینٹ چڑھاتے ہیں، مغربی آقاؤں سے غیر ضروری اسلحے کے سودے کرتے ہیں جس کا کبھی استعمال بھی نہیں کر سکتے۔ امریکی اور مغربی افواج کو ان سودوں سے مضبوط کرتے ہیں اور کرائے کے قاتلوں کے جتھے اپنے کھوکھلے اور بے وقعت وجود کی حفاظت کے لیے پالتے ہیں۔

یہ سب کرتوت یہ پوری ڈھٹائی اور بے شرمی سے علی الاعلان کر رہے ہیں۔ اور اسلامی تحریکوں کے نام نہاد نمائندگان جو اپنے علم اور دعوت کا ڈھنڈورا ہمہ وقت پیٹتے ہیں وہ تمام اس بے غیرتی پر خاموشی کی چادر اوڑھے ہوئے ہیں۔ بلکہ ان میں سے اکثر تو ان گھٹیا حکمرانوں کی مدح سرائی ایسے کرتے ہیں کہ جیسے یہ مسلمانوں کے محافظ و محسن ہیں۔

بقول شاعر:

ہائے ری امت کہ دنیا تجھ پہ ہنستی ہے
داڑھی چھوڑنے سے آگے بھی تیرے دین میں کچھ ہے

مسلمانوں کا خلیج سے لوٹا ہوا یہ مالِ مسروقہ ہی دشمن مجاہدین میں تفرقہ ڈالنے میں، فتنہ انگیزی میں اور اپنے دلال بھرتی کرنے میں استعمال کرتا ہے۔ شیخ اسامہ نے صہیونی سیاست اور صہیونیت کے دلال مسلمان حکمرانوں کا پردہ فاش کیا کہ خلیج کے پیٹرول فروش دلال حکمران، اتاترک کی لادینیت کے پیروکار اور اسی طرح کے دیگر مسلمان حکمران اسی صہیونی سیاست کے مختلف روپ ہیں۔ شیخ اسامہ نے فلسطین میں لادینیت کی طرف بھٹکتی جدوجہدِ آزادی کو اسلام کا راستہ دکھایا اور وطنیت کے نام پر فلسطین کو بیچنے والے ملحدوں سے دور رہنے کی نصیحت کی۔ نہ صرف فلسطین بلکہ ہر مقبوضہ مسلمان علاقے کے قابض کے سر کو پاش پاش کرنے کا عملی راستہ دکھایا تاکہ وہ اپنی اوقات میں رہیں اور مسلمانوں سے مذاکرات کریں۔ شیخ اسامہ نے حق بات ہمیشہ ببانگِ دہل کرنے کو اپنے طرۂ امتیاز بنانے کا عزم کیا۔ لیکن حق بات کرنے کی یہ روایت خلیج کے ظالم و فاسق حکمرانوں کے زیرِ نگیں علاقوں سے ہجرت کیے بغیر ممکن نہیں تھی، لہٰذا شیخ نے اپنے گھر بار، دولت، خاندان اور وطن کو اس پیغامِ حق کو پھیلانے کے لیے قربان کیا اور ہجرت کی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ شیخ اسامہ اور تمام مہاجرین کی ہجرت کو اپنی راہ میں قبول فرمالے۔

شاہ فہد کے دور میں آلِ سعود نے یہ جال بچھایا کہ شیخ اسامہ واپس اپنے وطن آجائیں۔ ان کو انعام و اکرام سے نوازا جائے گا اور ان کی دولت اور جائیداد ان کے حوالے کر دی جائے گی۔ ان کو شہری حقوق عطا کیے جائیں گے بشرطیکہ وہ آلِ سعود کے فساد کو فاش نہ کریں اور ان کے تابع رہیں۔ مگر شیخ نے صاف انکار کیا۔ شیخ اسامہ کی صفات میں سے یہ تھا کہ حالانکہ ان کو آلِ سعود کے گھٹیا مکر و فریب اور بدکرداری کا پورا ادراک تھا لیکن انہوں نے ہمیشہ نظام کی خرابی پر توجہ کی اور آلِ سعود کے گندگی بھرے ذاتی کردار پر کبھی نہ خود تبصرہ کیا نہ اپنے ساتھیوں کو اس طرف جانے دیا، کیونکہ وہ ایک حلیم الطبع انسان تھے۔ لیکن ان سب حکمرانوں کے لیے امریکہ، صلیبی مغرب اور مسلمانوں کے تمام دشمنوں نے ہر درجہ کوشش کی کہ شیخ اسامہ کو بدنام کیا جائے اور ان کی دعوت کو نقصان پہنچانے کی ہر طرح کی کوسشش کی۔ اسامہ بن لادن بے شک ایک انسان تھے جو نہ تو معصومیت کے دعویدار تھے نہ ہی غلطیوں سے مبرا تھے۔ مگر وہ ایثار، صلۂ رحمی اور قربانی کا نمونہ ضرور تھے۔ اخلاق میں شریف، کردار میں حلیم الطبع،

معاملہ فہمی میں نرم اور زیرک تھے۔ اسی وجہ سے ان کی اچھائیاں ان کی برائیوں پر غالب ہیں جو بے شک اللہ تعالیٰ کا ان پر کرم ہے کہ وہ جسے چاہے یہ مقام عطا کرتا ہے۔

بقول شاعر:

کسی کی ہر صفت ہر کس و ناکس کو پسند آ ہی نہیں سکتی
باوصف لوگوں کا وطیرہ اچھائیوں کو یاد رکھنا ہے

اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنی عزت بخشی کہ لاکھوں لوگوں کے دلوں میں شیخ اسامہ کی محبت زندہ ہے۔ نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ غیر مسلم لوگوں کے دلوں میں بھی، جو ظلم اور جھوٹ کے اکابر مجرمین کے سامنے ڈٹ کر کھڑا ہونا پسند کرتے ہیں۔

شیخ اسامہ نے جو بھی منصوبہ بندی کی وہ اس میں کامیاب رہے۔ ان کی عظمت کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ امریکہ اور تمام اسلام دشمنوں کے لیے دہشت کی علامت بن گئے۔ حتیٰ کہ جس گھر میں وہ شہید کیے گئے وہ بھی امریکہ کے حکم پر پاکستانی فوج نے مسمار کر دیا۔ ان کو پورے کرۂ ارض پر کہیں دفن کرنے کی جرأت نہ ہوئی بلکہ کھلے سمندر میں ڈال دیا گیا۔ لیکن دراصل بحر محیط نے ایک بے کراں سمندر کو اپنے اندر سمو لیا۔ شیخ کا وجود بلند خصلتوں، فضیلتوں، عظمتوں اور بلندیوں کے روشنی کے ایسے مینار کی صورت اختیار کر چکا ہے جس کی روشنی اور جس کے اریج وجود کی خوشبو اس مینار سے ٹکرانے والی لہروں کے ذریعے تمام عالم کے ساحلوں کو چھو رہی ہے۔

امریکہ نے شیخ کی شخصیت کو بدنام کرنے کے لیے ان کو ایک خون آشام ذہنی مریض کے طور پر پیش کیا جو ہر جگہ تباہی اور ہلاکت پھیلانا چاہتا ہے۔ امریکی کانگریس کی قابل تمسخر گیارہ ستمبر کی رپورٹ جو مجسم کذب ہے، میں امریکی کہتے ہیں:

> ''امریکی حکومت پر لازم ہے کہ وہ اس امر کا تعین کرے کہ اس کا بیانیہ کیا ہے اور دنیا کے لیے اس کا کیا پیغام ہے کہ امریکہ کس چیز کی نمائندگی کرتا ہے۔ دنیا پر اپنی اخلاقی سبقت دکھانا سب سے اہم ہے کہ ہم دنیا سے انسانیت پر مبنی اصولوں کے تحت معاملات کریں اور قانون کی حکمرانی کو ثابت کر دیں اور ہم دنیا کو دکھائیں کہ ہم باعزت طریقے سے دنیا سے معاملات کرتے ہیں اور اپنے اتحادیوں کے لیے اچھا خیال رکھتے ہیں۔ یہ موقع ہے کہ امریکہ اور اس کے اتحادی مسلمان ممالک یہ ظاہر کریں کہ انسانی حقوق کا احترام ہمارے لیے مقدم ہے اور اسامہ جیسے دہشت گردوں کے پاس مسلمان والدین کو دینے کے لیے موت اور دہشت کے مناظر کے علاوہ کچھ نہیں جبکہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ مسلمان والدین کو ان کے بچوں کا ایک پر امن ترقی پسند مستقبل پیش کرتے ہیں۔''

امریکہ یہ مجسم کذب بیانیہ آج تک دنیا کو مسلسل پیش کر رہا ہے کہ اگر تم القاعدہ یا اس کے منہج کے قریب ہوئے تو تمہارے لیے سوائے تباہی کے کچھ نہیں اور اگر تم ہمارے ساتھ ہو تو خوشحالی اور ترقی تمہاری منتظر ہے۔ امریکہ ایسے ہی وعدہ وعید سے دنیا کو خوش رکھتا ہے جبکہ اس کا ہر وعدہ جھوٹا ہے اور جس نے بھی اس کا ساتھ دیا اس کے لیے دین اور دنیا میں تباہی کے سوا کچھ نہیں۔

شیخ اسامہ کو اللہ نے توفیق دی کہ امریکی جعلسازی کو رد کریں۔ امریکہ نے پراپیگنڈا کیا کہ عرب بہار میں اٹھنے والی تحاریک شیخ اسامہ کا غیر عسکری منصوبہ ہیں اور دراصل القاعدہ نے ان لوگوں کو بھڑکایا ہے یہاں تک کہ شیخ اسامہ نے ان کی مدح میں شعر کہے ہیں اور ایک شوریٰ بنا دی ہے جو ان انقلابات کو کنٹرول کر رہی ہے۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے اور یہ امریکہ کے منہ پر ایک طمانچہ ہے۔

بے شمار ایسے بہتان ہیں جو القاعدہ کے بارے میں، شیخ اسامہ کے بارے میں اور مجھ ناچیز کے بارے میں بھی امریکہ نے پھیلا رکھے ہیں جو سب کے سب جھوٹ ہیں۔ ہمارا اس پر خاموش رہنا ہرگز ان بہتانوں کا اقرار نہیں ہے۔ جو کچھ ہم خود اپنے اعلام کے ذریعے بیان کرتے ہیں، اس کے علاوہ ہماری ہر بہتان سے برأت ہے۔ اسلام دشمن ہمیشہ ہماری توقعات پر پورا اترتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو اس منہج سے دور کریں اور شریعت کے صحیح راستے سے بھی منحرف کر دیں۔ ان کے یہ ہتھکنڈے ایک بار کا معاملہ نہیں بلکہ قدم بقدم اسلام دشمنی کی ایک جہدِ مسلسل ہے، یہ نت نئے فتنے اٹھائیں گے، کسی کے اقتدار کے لالچ کو استعمال کریں گے، جہاد کو بدنام کرنے پر بے شمار پیسہ لگائیں گے اور مسلمانوں کو مسلمانوں کے قتال پر ابھاریں گے۔

ان فتنہ انگیزیوں میں سب سے بڑا ہاتھ آلِ سعود، خلیج کے صہیونیت پسند حکمرانوں کے ساتھ ساتھ اتاترک کے سیکولر نظامِ حکومت کا بھی ہے۔ ان بادشاہوں کا سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ یہ ہمہ وقت ایک مکارانہ سازش کے ذریعے امتِ مسلمہ کو اس سوچ کے ادراک سے بھی دور رکھنا چاہتے ہیں اور مجاہدین بھی اس لحاظ سے ان کے نشانے پر سرِ فہرست ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ عام مسلمانوں اور خاص طور پر مجاہدین کے اندر شریعت مخالف رجحانات پیدا کریں، مثلاً طاقت کے ذریعے اقتدار پر غاصبانہ قبضہ، ایک دوسرے پر چڑھائی کرنا اور دھماکے کرنا، باہمی وحدت کو توڑنا، اپنی صفوں میں نفاق پیدا کرنا، مصلحتوں کے تحت دوستیاں اور دشمنیاں رکھنا، بڑے فساد سے بچنے کی دلیل دے کر مسلمانوں پر قابض قوتوں کو تقویت دینا، امتِ مسلمہ اور اسلامی اخوت پر وطنیت پرستی کو ترجیح دینا، سیکولر آئین کو وقت کی مجبوری بنا کر اس کا اتباع کرنا، اپنے وطن کے مفادات کے نام پر دیگر مسلمان مظلومین کی نصرت سے آنکھ چرانا۔ علاقائی عصبیت کے نام پر دیگر مسلمانوں کی مدد سے انکار کرنا۔

ہمیں معلوم ہے کہ بعض ایسے لوگ بھی ہیں جن کا شیخ اسامہ سے قریبی یا دور کا بھی تعلق رہا ہے، وہ اس تعلق سے اپنا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مفادات کی لالچ میں بھی آجاتے ہیں اور جیسے ہی ان کے ہاتھ کچھ لگتا ہے تو الٹے پاؤں بھاگ جاتے ہیں۔ ہمیں اس کا علم بھی ہے اور اس کی توقع بھی رکھتے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ سے فتنوں سے بچنے کی دعائیں کرتے ہیں۔ جو ہم حق سمجھتے ہیں اس پر استقامت سے قائم ہیں اور اسی کی دیگر مسلمانوں کو دعوت بھی دیتے ہیں۔ اللہ کے فضل سے ہماری دعوت کا نظم بھی قائم و دائم ہے۔

دنیا بھر میں موجود میرے مسلمان بھائیو!

ہمارے لیے یہ مقامِ مسرت ہے کہ اللہ نے مجاہدین بلکہ عالمِ اسلام پر اپنا فضل کیا کہ شیخ اسامہ کی شہادت کے گیارہ سال بعد امریکہ ہزیمت اٹھا کر شکست خوردہ ہو کر رہا، جبکہ جہاد کی وہ دعوت جو شیخ اسامہ نے جاری کی تھی وہ غالب رہی۔ شیخ اسامہ کے جانبازوں نے پہلے امریکہ میں گھس کر اسے گھر کے اندر مارا اور شکست کا مزہ چکھایا، اسی طرح عراق سے بھی امریکی بے عزت ہو کر انخلا پر مجبور ہوئے اور آخر کار افغانستان سے بھی ہزیمت اٹھا کر نکالا گیا۔ اگر امت اللہ کے فضل سے متحد ہو جائے تو آج امریکہ امتِ مسلمہ کے آگے مغلوب ہے کیونکہ اب یہ کمزور ہو چکا ہے۔ گیارہ ستمبر کے حملے سے اقتصادی تباہی، عراق اور افغانستان سے پر ہزیمت وانخلا اور کورونا کی تباہی کمزوری کی وہ داستان ہے جس کا جدید باب یوکرائن میں لکھا جا رہا ہے، جس کو امریکہ نے روس کے سامنے تر لقمہ بنا کر پیش کیا اور اپنے حلیف یوکرائن کو مار کھانے کے لیے روس کے سامنے لٹا دیا ہے۔ امریکہ اور اس کے اتحادی باقی اسلام دشمنوں کا مطمحِ نظر صرف مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا ہے اور اس سلسلے میں وہ ہر ملکی، علاقائی اور بین الاقوامی سطح پر ہمہ وقت مصروف ہیں۔ حتیٰ کہ تنظیموں اور جماعتوں کی سطح پر بھی یہ کام جاری ہے۔

اس کا سامنا کرنے کا واحد حل کلمۂ توحید کے گرد اکھٹا ہونا ہے اور اس کام میں ہمیں آگے بڑھنا ہے نہ کہ پیچھے۔ تعمیر کرنا تخریب سے بہتر ہے۔ جو آزمائش کے مراحل ہم نے اس کاوش میں کاٹے ہیں ہمیں ان پر آگے چلنے کی کوشش اور ہمت دکھانی چاہیے، نہ کہ الٹے پاؤں چلیں۔

ہر وہ قدم جو مسلمانوں کی صفوں میں دراڑ ڈالے، مسلمانوں کو اتحاد سے پیچھے ہٹائے اور ان کی طاقت کو منتشر کرے، وہ امریکہ اور اسلام دشمنوں کے مفادات کا تحفظ ہے۔ اے شیخ اسامہ! اللہ آپ کو اپنی رحمتوں کے سائے میں رکھے، آپ کی غلطیوں کو معاف کرے اور آپ کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ جبکہ امتِ مسلمہ کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے۔

اے شیخ اسامہ! ہم آپ کی مدح تلواروں کی جھنکار اور خونریز معرکوں سے کرتے ہیں

نہ کہ بے معنی خطبات اور شعر و شاعری سے

اے شیخ اسامہ! آپ کی جدائی میں قندھار اور قائدینِ قندھار غمزدہ ہیں

یمن کے دل پر ہتھوڑے چل رہے ہیں اور بیت المقدس پریشان ہے

شام مصیبتوں میں غرق ہے، ہندوستان حیرت زدہ ہے اور پاکستان سویا ہوا ہے

آپ کی جدائی کے درد ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں

بدبختوں نے آپ کو سمندر میں پھینکا لیکن یہ سمندر آپ کی عظمتوں کی وسعت پاکر جھوم اٹھے ہیں

زمین آپ کو اپنی آغوش میں لینے کو تڑپ رہی تھی

اور آسمانوں پر بادلوں میں تیر تا پانی بھی سمندر کی رفعت پر رشک کرتا ہے

کہ عرب شہزادہ ان پانیوں میں مدفن ہے، آپ کا مردہ جسم بھی ان کو دہشت زدہ کرنے کو کافی ہے

اے شان و شوکت اور عظیم نسب والے مجاہد! آپ کی کیسی ہیبت ہے کہ

آپ نے مجرم واشنگٹن پر حملہ کیا اور امریکی مینار گرد کا ڈھیر بنا ڈالے

مغرور شیطان پر ذلتوں کا پہاڑ توڑا اور امریکہ کے قلعوں میں بے دھڑک جا گھسے

آپ نے دفاعی جہاد کیا اور فتوحات کے جھنڈے بھی گاڑے

آپ نے اپنے نفس کو اور اپنی اولاد کو اللہ کی راہ میں قربان کیا

اسلام کی نصرت میں سخاوت کی آپ اک درسگاہِ زہد ہیں

دشمن پر آپ کے حملے اس کے لیے بھیانک عذاب ہیں

جنگ میں آپ ہیبت کا نشان ہیں اور شرافت و شرم و حیا کا ایسا پیکر ہیں

جس کے سینے میں ادب اور بردباری موجزن ہے

روس کی ماؤں سے پوچھو، جن کے جوان بچے آپ کا شکار ہوئے

رومیوں سے پوچھو، جن کو آپ نے آگ کے سمندروں میں گم کر دیا

قوموں کی قومیں آپ کی دہشت سے ڈر کر مر گئیں

اے کفر و الحاد کی شیطانی مملکت! ہمارا ایک ادھار تمہاری طرف باقی ہے

قسم ہے اللہ کی کہ تُو انتظار کر اس بدلے کے دن کا جو آنا ہی ہے

بے مثل فضائل والے شیخ اسامہ پر بے وجہ ظلم کرنے والے اے ظالم!

میرا رب تجھے ہدایت دے کہ تو اخلاق کے یہ موتی پرکھنے سے محروم رہا

یہ ہے وہ شیخ جس پر نسلیں فخر کریں گی

جو اس زمانے کا ایک عہد ساز واقعہ ہے جس پر آج بھی لوگ متعجب ہیں

’’اور اللہ اپنے معاملے پر غالب ہو کر رہتا ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔‘‘[1]

میں آپ کو اللہ کے حفظ و امان میں دیتا ہوں۔ اپنی دعاؤں میں مجھے مت بھولیے گا۔

(باقی صفحہ نمبر 40 پر)

---

[1] سورۃ یوسف: آیت ۲۱

مولانا عبد الرشید غازی شہیدؒ کا علمائے کرام کی مجلس میں خطاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بہت سی میٹنگز (meetings) ہوتی رہیں اسلام آباد میں علمائے کرام کی، لیکن حالات کچھ ایسے بن گئے تھے کہ جن کی وجہ سے باقاعدہ نشست کی کوئی ترتیب نہیں بن سکی، اب الحمد للہ پہلے سے حالات کچھ بہتر ہیں، اس لیے خیال ہوا کہ علمائے کرام کی ایک نشست کر لی جائے۔ چونکہ باتیں بہت ساری گردش کر رہی ہیں اور ان باتوں میں بہت عجیب عجیب باتیں بھی ہیں اور ایسی کہ جن کا حقیقت سے دور دور تک واسطہ نہیں ہے، اس لیے اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی۔ اگرچہ فرداً فرداً تو بہت سارے حضرات سے بات ہوتی رہی، لیکن باقاعدہ کوئی نشست نہیں ہو سکی۔

یہ جو مساجد کا مسئلہ ہے، یہ کافی عرصے سے چل رہا ہے اور مساجد کے بارے میں ہماری جو میٹنگز ہیں، جب جب مسجدیں گرتی گئیں ہماری میٹنگز ہوتی رہیں، اخبارات میں آتا رہا، اس میں بہت سارے اتار چڑھاؤ بھی آئے اور کئی جگہوں پر ایسے واقعات بھی ہوئے کہ جہاں شدید ٹینشن کی بات ہو گئی تھی۔ مثلاً مسجد الصفّہ آئی ایٹ تھری (I-8/3) کا جو مسئلہ ہوا تو مجھے یاد ہے کہ وہاں مسجد کو جب گرا رہے تھے انفورسمنٹ (قانون نافذ کرنے) والے تو مجھے ٹیلی فون آیا، میں جامعہ فریدیہ میں تھا، اس وقت کوئی چار لڑکے تھے جو گاڑی میں میرے ساتھ بیٹھ سکے، ان کو لے کر وہاں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ انفورسمنٹ کا ایک آدمی ایک بہت بڑا ہتھوڑا لے کے منبرِ رسولؐ کو ہتھوڑے مار رہا ہے۔ وہ کیفیت ایسی تھی کہ، اگرچہ مجھے اس طرح غصہ تو نہیں آتا لیکن اس دن میری کیفیت بھی کچھ تبدیل ہو گئی اور میں نے جاتے ہی، وہاں انفورسمنٹ والے بھی تھے پولیس کے لوگ بھی تھے، میں نے جاتے ہی، جو ہتھوڑا مار رہا تھا منبر پہ، اس کو گریبان سے پکڑ کے کھینچا اور کہا کہ تم یہ کیا کرتے ہو؟ کیا غضب کر رہے ہو؟ کیا ظلم کر رہے ہو؟ اس نے کہا: جی اوپر والوں کا آرڈر ہے۔ میں نے کوئی اس کو سخت بات کہی۔ وہ سخت بات ایسی تھی جو سب کو (سخت) لگی۔ یعنی میں نے کہا کہ اوپر والے اگر تم کو کسی اور کام کا کہیں، اپنی ماں کے ساتھ برے کا کہیں تو تم وہ کرو گے؟ تو یہ بات ان سب حضرات کو بری لگی جو وہاں کھڑے تھے۔ بات بھی سخت تھی لیکن میری چونکہ کیفیت ایسی تھی کہ یہ بات میرے منہ سے نکلی۔

بہر حال وہاں انفورسمنٹ اور پولیس والے آئے؛ میرے پاس اس وقت گن (بندوق) تھی اپنی تو میں نے ان سے کہا کہ میرے سامنے سے، میری نظروں سے دور ہو جائیں ورنہ آج یہاں خون ہو جائے گا۔ بہت سخت غصے کی کیفیت تھی۔ انہوں نے بھی اندازہ کر لیا اور کہا کہ غازی صاحب! آپ تو اس طرح بات نہیں کرتے ہیں، آج کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ البتہ میرے غصے سے یہ ہوا کہ سارے انفورسمنٹ والے وہاں سے چلے گئے اور پولیس والوں سے میں نے کہا کہ میری نظروں سے دور ہو جائیں ورنہ یہاں خون ہو جائے گا۔ اگرچہ میرے ساتھ چار لڑکے تھے مگر میرا بس یہ تھا کہ پھر میں گولی چلا دوں گا؛ ایک منبر پہ اور محراب پہ ہتھوڑا چلتے ہوئے میں نہیں دیکھ سکتا۔ بہر حال انہیں یہ بات سمجھ آئی اور انہوں نے فورس بھی پیچھے ہٹا لی اور وہ وہاں سے چلے گئے۔ اس دن تو وہ مسجد بچ گئی لیکن بعد میں ایک دن اچانک انہوں نے وہ مسجد گرا دی۔ اسی طرح مسجد ابن عباسؓ کو گرایا گیا، میرا خیال ہے کوئی آج سے چار مہینے پہلے، اور اس مسجد کے اندر قرآن مجید ابھی بھی دفن ہیں۔ بہت سارے نکالے ہیں۔ دو تین حضرات ہمارے علمائے کرام گواہ ہیں کہ نالے میں سے قرآن مجید نکالے ہیں۔ اور انہی دنوں میں میری اس سلسلے میں بات ہوئی تھی ڈپٹی کمشنر سے، ٹیلی فون پہ میری بات ہو رہی تھی تو میں نے انہیں یاد دلایا کہ آپ کو یاد ہے کہ آپ نے یہ کام بھی کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ جی مجھے یاد ہے لیکن ہمیں جلدی تھی، قرآن مجید نکالنے کی (فرصت) ہمیں نہیں تھی کہ ہمیں فوراً کارروائی کرنی ہے ورنہ لوگ پہنچ جائیں گے۔ تو انہوں نے مجھے کہا کہ ہمیں اللہ معاف کرے گا، تو میں نے کہا کہ اللہ نہیں معاف کرے گا، اللہ کیوں معاف کرے گا؟ آپ قرآن مجید کے ساتھ یہ سلوک کریں، مسجد کے ساتھ یہ سلوک کریں اور اللہ تعالیٰ آپ کو معاف کرے گا! اللہ قطعاً معاف نہیں کرے گا۔

اور یہی ہوا کہ ٹینشن بڑھتی جا رہی تھی۔ یہ جو مسجدیں گرتی گئیں، مسجد امیر حمزہؓ...... اگرچہ بہت چھوٹی سی ہے، ایک کمرے کی مسجد تھی، بہر حال بڑی بڑی مسجدیں گریں، زیادتیاں بہت زیادہ ہوئیں، لیکن مسجد امیر حمزہؓ کے بعد طالبات نے ایک قدم اٹھایا، اس کے بعد ٹینشن کی ایک فضا بن گئی۔

اس کے اندر ابتدائی جو بات ہے وہ یہ کہ شروع سے ہی اس میں حکومت نے جو رویہ اختیار کیا وہ ایسا رویہ تھا کہ بس تہس نہس کر دیں گے۔ آپ لوگوں کو تہس نہس کر دیں گے۔ اور شروع سے ہی جب انہوں نے یہ رویہ رکھا تو ابتدا میں انہوں نے ہمارے یہاں کے کچھ حضرات پہ دباؤ ڈالا، ڈالا کے اور ہمارے حضرات نے اپنی طرف سے اچھی ہی (نیت) سے کیا ہو گا، ان کی اس (خیر خواہی) پر ہمیں کچھ شک نہیں ہے، لیکن بہر حال ایک ایسا دباؤ ڈالا گیا کہ اس دباؤ کا جو اثر تھا وہ بار بار مولانا عبد العزیز صاحب پر دباؤ ڈالتے رہے۔ یعنی جو بھی حضرات کی طرف سے کوئی بات آئی تو وہ یہی آئی کہ لائبریری چھوڑ دیں۔ یعنی مسلسل ایک تسلسل کے ساتھ لائبریری لائبریری لائبریری کو تو کہا جاتا رہا، اس میں حکومت کے حضرات تھے، کچھ اس میں اپنے بھی شامل ہو گئے، تھوڑے سے کچھ حضرات، لیکن لائبریری کے اوپر تو زور تھا کہ

لائبریری چھوڑ دی جائے جبکہ مساجد کا ذکر ہی نہیں آرہا تھا۔ اور یہ بات میں نے کئی دفعہ کہی۔ ابھی چند دن پہلے بھی کچھ حضرات آئے تھے میں نے ان سے کہا کہ لائبریری مقدس نہیں ہے، لائبریری کا کوئی تقدس نہیں ہے، مساجد جو ہیں وہ مقدس ہیں، ان کے آداب ہیں احکام ہیں، اس لیے بار بار لائبریری کی بات تو کی جارہی ہے اور مساجد کی بات ہی نہیں کی جارہی، یہ بات اس وجہ سے خراب ہورہی ہے اور مسلسل یہ کہا جارہا ہے کہ ختم کردیں گے، تباہ و برباد کردیں گے۔ یہ سمجھیں کہ بالکل ایسی صورت تھی کہ بش نے مشرف سے کہا کہ تمھیں سٹون ایج (stone age) میں لے جائیں گے، پتھر کے دور میں دھکیل دیے جاؤ گے، ختم کردیے جاؤ گے، تو مشرف نے یوٹرن لے لیا ایک دم۔ ہم سب نے کہا کہ اس کا یوٹرن غلط ہے۔ یعنی طاقت کے سامنے جھکنا غلط ہے۔ اگر اُس کا طاقت کے سامنے جھکنا غلط تھا تو ہمارا طاقت کے سامنے جھکنا کیوں صحیح ہوجائے گا؟ یہ بڑی بنیادی بات ہے۔ بہر حال اس کے اندر ایسی چیزیں ہوئیں کہ، یعنی پریشر آیا، مثلاً مولانا کو، کوئی دوسرا دن تھا، ٹیلی فون آیا، اپنے کچھ ساتھی ڈی سی کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ''مولانا! ان کی فورسز تیار ہیں، بیس منٹ کے اندر فورسز آرہی ہیں، آپ خالی کرتے ہیں یا نہیں کرتے، آپ ایک بات بتادیں! یہ ہم سے پوچھ رہے ہیں کہ یہ خالی کرتے ہیں یا نہیں کرتے''۔ تو مولانا نے کہا کہ ٹھیک ہے، نہیں کرتے ہیں، آجائیں پھر۔ اگر ایسی بات ہے تو آجایئے۔ لیکن یقیناً انہوں نے نہیں آنا تھا کہ یہ کوئی آسان بات تو نہیں تھی ایسی کہ فورسز آجائیں گی، کوئی مذاق تو نہیں ہے کہ فورسز آجائیں گی۔

بہر حال اس کے بعد ایک تسلسل کے ساتھ دباؤ بڑھتا گیا۔ اس دباؤ کے دوران بہت سارے لوگ آتے رہے۔ اعجاز الحق صاحب بھی تشریف لائے۔ اعجاز الحق صاحب جب پہلے دن آئے تو میں نے ان سے یہی بات کہی کہ دو بنیادی باتیں ہیں: ایک تو یہ کہ الزام نہیں لگانا؛ الزامات کی بات نہیں ہوگی اور دوسری بات یہ کہ دھمکی نہیں ہوگی۔ اگر یہ بات آپ کو قبول ہے تو ہم آگے چلتے ہیں، اگر یہ قبول نہیں ہے تو ہم آگے نہیں چل سکتے۔ دھمکی سے بات نہیں ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ یہ بہت مناسب بات ہے۔ پھر چلتے چلتے جب دیکھا کہ کچھ چیز نہیں ہورہی تو انہوں نے مجھ سے پھر یہ کہا کہ ''اگر میں یہاں سے چلا جاؤں گا، بات ختم ہوجائے گی تو پھر ٹرپل ون بریگیڈ آجائے گی''۔ میں نے ان سے کہا کہ ''کیا اس سے پہلے بھی اس قسم کے مسائل ٹرپل ون بریگیڈ نے حل کیے ہیں جو اَب کریں گے؟ کیا پہلے جو یونیورسٹیز کے سٹوڈنٹس نے پتہ نہیں کیا کچھ کیا، انہوں نے عمارتیں جلادیں، بسیں جلادیں اور امریکن ایمبیسی جلادی تھی، جس کے حکومت نے اکّیس (۲۱) کروڑ روپے دیے تھے، اس وقت تو ٹرپل ون بریگیڈ نہیں آئی! تو کیا یہاں کوئی خاص قسم کے سٹوڈنٹس ہیں جن کے ساتھ کوئی معاملہ ہے؟'' انہوں نے کہا کہ بہر حال میں تو آپ سے ایک بات کہہ رہا ہوں، جب میرے ہاتھ سے نکل جائے گی تو پھر انہی کے ہاتھ میں ہوگی، پھر وہ جس طریقے سے کریں۔ مقصد یہ ہے کہ ان کی طرف سے بھی پھر وہی فورس کی بات ہوئی۔ اب اس کے اندر ایک چیز جو ہوئی، یعنی میں اپنا جو تجزیہ کرتا ہوں، میں ایک چیز بالکل واضح کردوں کہ اس میں قطعاً، اس سے ممکن ہے کہ اس سے بعض حضرات تاثر لیں کہ میں کسی بزرگ کے بارے میں کوئی ایسی بات کہنا چاہتا ہوں کہ ہمیں ان پہ کوئی شک ہے یا ان پہ کوئی الزام ہے۔ ایسی بات نہیں ہے؛ آپ حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ بہت ساری میٹنگز ہوتی رہیں اور بہت ساری میٹنگز میں بہت کچھ کہا جاتا رہا، یعنی مولانا کے بارے میں بھی، میرے بارے میں بھی، لیکن ہم خاموشی سے سنتے رہے ہیں اور ابھی بھی سن رہے ہیں اور ہم آگے بھی سنیں گے، ہم سے کسی نے بات کی تو ہم نے کہا کہ ٹھیک ہے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، کیونکہ ہر ایک نے اپنا اپنا جواب دینا ہے؛ اصل حساب تو آگے ہوگا نا، یہاں تو کوئی حساب نہیں ہے، آگے حساب ہوگا۔ تو ایک چیز جو اس میں غلط ہوئی جو میں سمجھتا ہوں تجزیہ کرتے ہوئے کہ یہاں ہمارے کچھ حضرات نے اس مسئلے کو اتنا زیادہ ایشو بنایا، حکومت نے تو بنایا ہی، انہوں نے تو بنانا ہی تھا، ان سے اور کیا توقع کی جاسکتی ہے، لیکن ہمارے کچھ حضرات نے ایسا ایشو بنایا کہ اس مسئلے کو وفاق تک لے گئے، وفاق سے پھر آگے بزرگوں تک لے گئے، اس کے بعد بزرگوں کو یہاں تک لے آئے، پہلی مرتبہ جب تشریف لائے تھے۔

اس کے اندر جو میں سمجھتا ہوں، جو ٹیکنیکل غلطی ہوئی وہ یہ ہوئی کہ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ آپ کا کوئی مسئلہ ہو اور میں آپ کے پاس آؤں کسی ایشو پہ اور میں آپ سے کہوں کہ آپ مجھے ثالث مان لیں اور آپ مجھے جواب دے دیں کہ میں آپ کو ثالث نہیں مانتا تو شرعاً اخلاقاً قانوناً مجھے یہ حق نہیں ہے کہ میں اس پہ ناراض بھی ہوں، مجھے ناراض نہیں ہونا چاہیے۔ آپ نہیں مان رہے، آپ کی مرضی ہے۔ لیکن یہاں ایسا ہوا کہ مولانا کے پاس آئے، کافی بحث کے بعد مولانا نے کہا کہ اس مسئلے میں مجھے چھوڑ دیجیے، آپ دعا کیجیے، اللہ تعالیٰ ان شاءاللہ بہتر کریں گے۔ غلطی یہ ہوئی کہ یہاں سے جب حضرات گئے، وہاں جا کر شیر پاؤ کے پاس ایک معاہدہ کرلیا۔ میرے خیال میں ٹیکنیکلی یہ معاہدہ ٹھیک نہیں تھا، اس لیے کہ انہوں نے کہا تھا کہ آپ ہمارے اوپر چھوڑ دیں اور مولانا نے کہا تھا کہ میں نہیں چھوڑتا، اب اس بحث میں میں نہیں پڑتا کہ یہ مولانا نے ٹھیک کیا کہ غلط کیا، لیکن مولانا نے یہ کہا کہ میں آپ کے اوپر نہیں چھوڑتا ہوں، تو ان کو چاہیے تھا کہ وہ وہاں جا کر یہی بات کہتے کہ اس مسئلے کو ابھی کررہے ہیں، ابھی دیکھتے ہیں۔ لیکن وہاں جا کر ایک معاہدہ ہوگیا۔ یہاں سے بات خراب ہونا شروع ہوئی۔ یہ میں صرف تجزیے کے لیے بیان کررہا ہوں۔ یہاں سے بات تھوڑی سی خراب ہوگئی کہ وہاں جاکے معاہدہ کرلیا گیا، وہ معاہدہ ٹیکنیکلی ٹھیک نہیں تھا۔ یعنی جب شرعاً اخلاقاً قانوناً کسی نے تسلیم ہی نہیں کیا، اور اس معاہدے میں ایک اور چیز آگئی، وہ یہ ہوگئی کہ جیسے میں نے عرض کیا کہ لائبریری، یعنی لائبریری کی بات تو پھر کی گئی، اس کے جائز ناجائز کی بات کی گئی لیکن باقی چیزوں کو چھوڑ دیا گیا۔ اتنی مساجد جو تھیں گری ہوئی، وہ ابھی تک گری ہوئی ہیں، ان کی بات نہیں آئی کہ ان کا کیا ہے۔ کم از کم اتنا ہوجاتا کہ وہ تعمیر کردیں، اس کے بعد لائبریری خالی کردی جائے۔ (یہ کہہ دیتے کہ) ہم سمجھتے ہیں کہ یہ طریقۂ کار غلط ہے اور اس دوران تمام مساجد تعمیر کردی جائیں اور

پھر یہ لائبریری دے دی جائے، ہم اس کو یوں سمجھتے ہیں۔ ایسی بات کر لیتے لیکن معاہدہ نہیں کرنا چاہیے تھا میرے خیال میں۔ آپ حضرات زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ اس کے بعد پھر اس مسئلے کو اور زیادہ اچھالا گیا، یعنی اتنی زیادہ اس میں چیزیں کی گئیں مولانا عبد العزیز صاحب کے بارے میں کہ مولانا عبد العزیز صاحب نے امام مہدی کی بات کی ہے کہ میں امام مہدی ہوں اور اس کے علاوہ پتہ نہیں کیا کیا چیزیں...... اور بڑی حیرت ہوتی رہی کہ یہ کوئی دوسرے کی زبان سے سنے تو شاید میرا خیال ہے کہ بات سمجھ میں آنے والی ہے لیکن اپنوں کی طرف سے سن کے، چند ایک کی طرف سے سن کے بڑا عجیب لگتا ہے اور افسوس ہوتا ہے، اس پہ افسوس ہی کیا جاتا ہے، تو یہاں سے مسئلہ پھر اور یقیناً خراب ہی ہوتا گیا۔ مولانا عبد العزیز صاحب نے بھی یقیناً اس کو محسوس کیا کہ میرے بارے میں کس طرح کی چیزیں کی جا رہی ہیں۔ پھر اس کے بعد ایک عجیب بات اور بھی سننے میں آئی۔ ابھی پشاور کے چند علما آئے تھے، انہوں نے مجھ سے کہا کہ جی اسلام آباد کے حضرات ہمارے وہاں آئے تھے اور انہوں نے یہ کہا کہ مولانا عبد العزیز صاحب امریکی سی آئی اے کے لیے کام کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے میں آپ کو ایک چیز اور بتا دوں کہ میرے پاس جو انٹیلی جنس کے لوگ آتے رہے، بڑے حضرات کہ جی آپ اس میں کچھ کریں، کچھ کردار ادا کریں، انہوں نے مجھے یہ کہا کہ ہمیں اس بات پہ بالکل پوری طرح یقین ہے کہ مولانا عبد العزیز صاحب جو ہیں انہیں القاعدہ نے گرین سگنل دے دیا ہے کہ آپ پاکستان میں کام شروع کریں، ورنہ ایسے کیسے ممکن ہے کہ اتنے بہت سے علما بھی کہہ رہے ہیں، سب کہہ رہے ہیں کہ یہ کام نہیں کرو اور مولانا عبد العزیز صاحب پھر بھی اڑے ہوئے ہیں؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس حکومت کو گرانے کے لیے، مشرف کو گرانے کے لیے، چونکہ امریکہ اب اس کو چھوڑنا چاہتا ہے مشرف کو تو ایجنسیوں کی طرف سے یہ آیا کہ القاعدہ جو ہے وہ اس کو کر رہا ہے، تو علما کی طرف سے آیا کہ سی آئی اے کر رہا ہے، میں نے دونوں حضرات سے اس پر کوئی کمنٹس تو نہیں دیے لیکن جو فرداً فرداً آتے رہے میں نے کہا جی دونوں حضرات ایک بات بھول رہے ہیں، ان کے خیال میں طاقت جو ہے وہ یا القاعدہ کے پاس ہے یا سی آئی اے کے پاس؛ یعنی کسی کی بیک/back (پشت) پر اگر القاعدہ ہو تو وہ کھڑا ہو سکتا ہے تن تنہا یا سی آئی اے ہو، ان دونوں میں سے کوئی ہو تو؛ تو ایک چیز بھول رہے ہیں کہ ایمان کی طاقت پہ بھی تو کوئی کھڑا ہو سکتا ہے! کوئی دیوانہ کھڑا ہو گیا، ایمان کی طاقت سے کھڑا ہو گیا! یہ دونوں طرف بات اس طرح چلتی رہی۔ بہر حال اس کے بعد جو ہے وہ بزرگ حضرات دوبارہ تشریف لائے۔ اعجاز الحق صاحب نے سفر کیا۔ اعجاز الحق صاحب جب یہاں سے چلے گئے، اس کے بعد وہ وہاں تشریف لے گئے...... کراچی۔ کراچی میں میں نے ان سے درخواست کی کہ اعجاز الحق صاحب آپ چند دن کے لیے ٹھہر جائیں، یہاں پہ حالات ایسے بن جائیں تاکہ پھر آپ علما کو لے کر آئیں تاکہ بات کسی اچھی طرف چلی جائے۔ لیکن انہوں نے کہا کہ نہیں میں نے ٹکٹ لے لیے ہیں۔ میں نے کہا کہ ٹکٹ واپس ہو سکتے ہیں، آپ ٹکٹ واپس کر لیں، جیسے ابھی لے لیے ہیں اور آپ نے صبح آنا ہے، اس وقت میری بات ہو رہی ہے اور انہوں نے صبح آنا ہے، میں نے کہا کہ آپ ابھی نہ آئیں تاکہ اس مسئلے کو تھوڑا سا ٹھنڈا کر کے اطمینان سے بیٹھنے کے بعد ہم کریں، لیکن اعجاز الحق صاحب نے میری یہ بات نہیں مانی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر بزرگ حضرات تشریف لائے اور پھر جب گئے تو انہوں نے ایک کمیٹی کا اعلان کر دیا۔ اب وہ کمیٹی نے ابھی تک تو کچھ نہیں کیا۔ اس کی وجہ ہمیں نہیں معلوم کہ کیا ہے، لیکن اتنی بات ہے کہ اس کمیٹی کی ایک میٹنگ ہو گئی ہے اور دوسری میٹنگ ایک ہفتے بعد رکھی گئی ہے۔ میں نے اس پر ڈی سی صاحب سے کہا اور جو حضرات آئے میں نے کہا کہ اس کی میٹنگ روزانہ کی بنیاد پر ہونی چاہیے، یہ ایمرجنسی مسئلہ ہے۔ مساجد گری ہوئی ہیں، مساجد جب تک تعمیر نہیں ہوتیں یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ اس لیے اگر آپ نے جو کمیٹی بنا دی ہے اس کی روزانہ کی بنیاد پر میٹنگ کریں، یہ تو کوئی مذاق نہیں ہے کہ آپ نے ایک میٹنگ کر لی اور دوسری میٹنگ ایک ہفتے بعد رکھی ہے۔ لیکن اس کی میٹنگ میرے علم کے مطابق ابھی تک نہیں ہوئی۔ اسی طرح مسجد امیر حمزہؓ جو ہے اس کا صرف سنگ بنیاد ہی ابھی تک رکھا ہے اور اس کے بعد اس پر کچھ نہیں ہوا۔ کہہ رہے ہیں کہ آرکیٹیکٹ اس کا ڈیزائن کرے گا۔ ایک چھوٹے سے کمرے کی مسجد ہے یعنی کوئی ایسی مسجد نہیں ہے جس کے اندر بڑی کوئی تعمیر اور ایسی کوئی چیز اِنوالو/involve (دخیل) ہے اس میں، ایک چھوٹے سے کمرے جتنی مسجد ہے، اس کی تعمیر کرنی ہے، اس کے لیے سی ڈی اے کے اندر پورا آرکیٹیکٹ کا ڈیپارٹمنٹ موجود ہے، وہ اگر چاہیں تو چند گھنٹوں کے اندر ایک چھوٹی سی مسجد کا ڈیزائن بن سکتا ہے، بلکہ ان کے پاس ڈیزائن بنے ہوئے ہوں گے، ان کے پاس آل ریڈی (پہلے سے) بنے ہوئے ہوں گے اور وہ چاہتے تو یہ کر سکتے تھے۔ لیکن چونکہ وہ کرنا نہیں چاہتے اس لیے اس میں وہ لیت و لعل سے کام لے رہے ہیں۔

اس کے اندر ایک اور جو اہم بات وہ یہ کہ مولانا عبد العزیز صاحب کا جو ایک موقف رہا اسلامی نظام کے حوالے سے؛ پہلی بات تو یہ کہ مولانا عبد العزیز صاحب کوئی نئی بات نہیں کر رہے کہ آدمی کہے کہ کوئی بہت نئی چیز آئی ہے، بہت سارے دیگر حضرات بھی یہی بات کر رہے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ لیکن چلیں وہ ایک بات ایک آواز لگا رہے ہیں کہ ایک چیز کے لیے ابھی سفر کر لینا چاہیے، یہ موزوں ٹائم ہے، اس میں اختلافِ رائے ہو سکتا ہے، اس میں کسی کا بھی اختلاف ہو سکتا ہے، لیکن میں ایک چیز، جس پر بار بار زور دیتا رہا، اپنے بزرگوں سے بھی، انتظامیہ کے بھی جو لوگ آتے رہے کہ اللہ کے بندو! آپ کم از کم مساجد کے بارے میں کوئی ٹھوس چیز لے کے آجاؤ، کم از کم یہ سات مساجد تو کسی بھی طرح کھڑی ہونی چاہئیں، چاہے لائبریری ہے نہیں ہے، لائبریری کو چھوڑتے ہیں نہیں چھوڑتے ہیں، اس پر تو کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ یہ سات مساجد، اللہ کے گھر، گرے ہوئے ہیں، ابھی بھی اس وقت بھی گرے ہوئے ہیں، ان کا تقدس پامال ہو رہا ہے، کم از کم اگر یہ کر کے لے آؤ تو میں سمجھتا ہوں کہ مسئلہ تقریباً پچاس فیصد سے زیادہ حل ہو جائے گا۔ لیکن بار بار جب بھی بات آئی کہ جی لائبریری کا قبضہ چھوڑ دیں۔ سب حضرات اس ایک ہی بات پہ زور دیتے رہے کہ آپ لائبریری کا قبضہ

چھوڑ دیں اور ایک ایسی کیفیت بنائے رکھی کہ بس ختم ہو جائیں گے۔ ہمارے حضرات جتنے بھی ہیں سب نے، اصل میں جو پریشر تھا نا، یہ بالکل جیسے ۲۰۰۴ء میں میرے اوپر جب (الزام) لگا تھا، آپ حضرات کو یاد ہو گا، اس وقت بھی ایک مسئلہ ایسا ہی بنا تھا بہت شدید قسم کا، اس میں بھی اختلافِ رائے آیا تھا، بہت سارے ہمارے حضرات کا خیال تھا، مجھے کہہ رہے تھے کہ آپ گرفتاری دے دیں، مجھے اس وقت بہت سارے حضرات نے کہا کہ آپ گرفتاری دے دیں باقی ہم جانیں اور کچھ بھی نہیں ہو گا ٹھیک ہو جائے گا یہ مسئلہ۔ میں نے کہا کہ جی میں سمجھتا ہوں کہ گرفتاری نہ دی جائے۔ یہ اختلاف تھا اور میں نے گرفتاری نہیں دی اور الحمدللہ اس کا اثر ہوا۔ ورنہ گرفتاری دے دیتا تو وہ کہتے کہ انہوں نے قبول کر لیا ہے اور ان کے کمپیوٹر سے ساری چیزیں نقشے بھی بر آمد ہو گئے ہیں، ان کے لیے کون سا مشکل کام ہے، جھوٹ کا تو ان کے پاس ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے کہ حکومت جھوٹ بولنے میں تو بہت ماہر ہے۔ تو مجھے اس وقت بہت سارے حضرات یہ کہتے رہے کہ آپ گرفتاری دے دیں، میں نے نہیں دی، تو یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پہ کہ ناراضگی کی جائے، نہ اس وقت ناراضگی کرنی چاہیے تھی، لیکن الحمدللہ جب مسئلہ ٹھیک ہو گیا تو سب حضرات نے خوشی کا اظہار کیا کہ الحمدللہ مسئلہ کسی ٹھیک کنارے لگ گیا۔ اب اس کے اندر بھی اگر کوئی اختلافِ رائے ہے، مولانا کے ساتھ، تو اپنے اختلافِ رائے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اس کے اوپر ایک بات کا بتنگڑ بناتے جائیں اور اس کے اندر چیزیں ایسی ایسی add (جمع) کرتے جائیں کہ جن کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے۔ مولانا کے بارے میں ایسی ایسی باتیں کہ جی اسلحہ آ گیا ہے اور کئی نے یہ کہا کہ یہ اصل میں مولانا صاحب جو ہیں پاکستان کے سارے مدارس کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ ایجنسیوں کے ہاتھ لگ گئے ہیں اور وہ اب تمام مدارس کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ الحمدللہ آپ حضرات اچھی طرح جانتے ہیں، حضرت والد صاحب کی زندگی آپ کے سامنے ہے، ہماری زندگی آپ کے سامنے ہے۔ ایسی بات نہیں ہے کہ مواقع نہیں آئے کہ جب ہم بِک سکتے تھے اور بڑی اچھی قیمت لگ سکتی تھی، بہت کچھ مل سکتا تھا، اتنا کچھ مل سکتا تھا جو کسی کو بھی نہیں مل سکتا، یعنی ایسے مواقع آئے لیکن الحمدللہ، اللہ کے فضل سے ہم سمجھتے ہیں کہ ایک کاز/cause (مقصد) کے لیے کام کر رہے ہیں، حضرت والد صاحب کی شہادت کے بعد آپ کو پتہ ہے کہ میں جو ایک دوسری طرف تھا، اسی طرف لگ گیا، اس وقت سے اب تک میری زندگی بھی آپ کے سامنے ہے، مولانا کی زندگی تو تعلیمی دور سے لے کر ساری ہی آپ کے سامنے ہے۔ ایسی بات نہیں ہے کہ بلاوجہ کسی کے بارے میں اس طرح کی رائے اور ایسی چیز دینا اور پھر میٹنگز کے اندر برملا اس چیز کا کہنا، میرا خیال ہے کہ ہمارے شایانِ شان نہیں ہے۔ ہمارے حضرات جو ہیں، ہم مطلب ہے کہ باہر درس گاہ سے نکلیں اور جوتیاں سیدھی ہمیں ملیں...... ہمارا ایک مزاج بن گیا ہے کہ ہم دھکا نہیں کھانا چاہتے، ہم یہ نہیں چاہتے، (کہ) ٹینشن ہو، تو میں کہا کرتا ہوں کہ اگر اس طرح ٹھنڈی ٹھنڈی دین کی خدمت کروانی ہوتی...... تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی ہی خدمت کروالی ہوتی اور صحابہ کرام سے ایسی ٹھنڈی ٹھنڈی خدمت کروالی ہوتی، لیکن ہم

دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور صحابہ کرام کو ایسے مراحل سے گزارا کہ جن کے اندر مشکلات بھی ہیں، جس کے اندر ٹینشن بھی ہے۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹینشن نہیں ہوتی تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو روتے کیوں تھے؟ مسائل کی وجہ سے، حالات کی وجہ سے کہ یہ کیسے ہو گا؟ کیسے ہم کریں گے؟ جہاد کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو خون مبارک بھی بہا، دانت مبارک شہید ہوئے؛ ہم میں سے کتنوں کو ابھی پتھر لگے ہیں؟ ہم پتھر کھانے کو بھی تیار نہیں ہیں۔ ہم تو کہتے ہیں کہ دھکا بھی نہ پڑے۔ کوئی ہمیں اوئے بھی نہ کہے...... ہمیں کوئی اوئے بھی نہ کہے اور ہماری ایک ریسپیکٹ/respect (احترام) ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو مجنون بھی کہا گیا، کیا کچھ کہا گیا نعوذ باللہ، لیکن ہماری ایک نفسیات بن گئی ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ ہم ایک روٹین میں جو لائف (زندگی) ہے ناں ہماری...... یہ تو ایک عام آدمی کی سوچ ہے، عام دکان دار کی سوچ ہے، ملازمت کرنے والے جو لوگ ہیں، عام آدمی، یہ تو اس کی سوچ ہے کہ میری روٹین ڈسٹرب نہ ہو، میں اپنی روٹین میں رہوں۔ ہمیں تو میرا خیال ہے کہ ہر طرح کے اس (قربانی) کے لیے تیار رہنا چاہیے، ٹینشن کے لیے ہمیں تیار رہنا چاہیے، ساری چیزوں کے لیے ہمیں تیار رہنا چاہیے اور ہمیں اتنی جلدی سرنڈر (surrender) نہیں کر دینا چاہیے۔ یہ میں تھوڑا سا صرف مثال کے لیے عرض کروں گا کہ اس دوران میں کہ یہ بات چل رہی تھی۔ ایک ہفتہ ہوا تھا میرا خیال ہے، ایک ہفتے بعد میری کچھ حضرات کے ساتھ میٹنگ تھی۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ جائیں ایک مسوّدہ ان سے لے کر آئیں کہ وہ کیا دے سکتے ہیں ہمیں۔ وہ حضرات گئے، وہاں سے واپس آئے اور میں نے ان سے کہا تھا کہ دستخط نہیں کرنے۔ وہ دستخط کر کے آ گئے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! دستخط کیوں کیے؟ تو انہوں نے کہا کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ چند گھنٹوں کی بات ہے بس۔ اگر آپ ویسے چلے گئے تو یہاں کچھ ہو جائے گا۔ یعنی اتنی ٹینشن دے دی۔ تو میں نے کہا کہ چند گھنٹوں کی بات ہے تو ان سے کہہ دیں کہ کر لیں پھر۔ اس لیے کہ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے، یہ اتنا آسان نہیں ہے اس طریقے سے یہاں پہ کر لینا، دارالحکومت کے اندر اور پھر جو یہاں پہ صورتِ حال بنی وہ آپ حضرات کے سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بڑا اکرم کیا، دعائیں ہیں آپ حضرات کی اور ہمارے سب کی یعنی کاوشیں ہیں، اس لیے ہمیں اتنی جلدی بیک (پیچھے) نہیں ہو جانا چاہیے، گھبرانا نہیں چاہیے۔ وقت آتا ہے، اوپر نیچے کبھی چیزیں ہوتی رہتی ہیں، اس میں ہمیں ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور دوسرا یہ کہ اعتماد کرنا چاہیے۔ اتنی جلدی ہم ایجنسیوں کا بنا دیتے ہیں ناں کہ...... اور سچی بات یہ ہے کہ مولوی سب سے پہلے ایجنسی کا بناتے ہیں۔ کسی کے بارے میں کچھ نہیں ہے ناں تو کہتے ہیں کہ وہ ایجنسی کا ہے۔ یہ عجیب بات ہے اللہ کے بندو! یہ کوئی مذاق ہے؟ کوئی کہتا ہے کہ اس کے لیے کام کر رہے ہیں کوئی اس کے لیے، کوئی کہتا ہے کہ جی مشرف کو مضبوط کرنے کے لیے وہ ایجنسیاں، یہ بھی آئی بات کہ وہ ایجنسیاں جو مشرف کو مضبوط کرنا چاہتی ہیں وہ مولانا صاحب کو استعمال کر رہی ہیں تا کہ یہ حالات بنیں اور مشرف دنیا کو، امریکہ کو یہ دکھا سکے کہ دیکھو......

(باقی صفحہ نمبر 43 پر)

ہندوستان...... تباہی کے راستے پر بگٹٹ گامزن

ابو اَنور الہندی

ہندوستان پر حاکم پارٹی بی جے پی کے اراکین کی جانب سے ہمارے محبوب رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کیا جانے والا قبیح و نفرت انگیز گستاخانہ حملہ، اب تک پوری دنیا کے علم میں آ چکا ہے۔ جب مسلمانوں نے اس ظلم و جہالت کے خلاف احتجاج کرنا چاہا تو بھارت سرکار کی جانب سے ان پر مزید ظلم و تشدد کا دروازہ کھول دیا گیا اور بھارتی پولیس اور دیگر سکیورٹی اداروں نے احتجاج کرنے والے غیر مسلّح مسلمانوں پر فائرنگ کی اور انہیں گولیوں کا نشانہ بنایا۔ ریاستی مشینری بھی حرکت میں آئی، مگر اقلیت کے حق میں نہیں بلکہ اس کے خلاف...... نہایت منظّم انداز میں بھرپور منصوبہ بندی کے ساتھ مسلمانوں کے گھروں کو نشانہ بنایا گیا اور بلڈوزروں کی مدد سے انہیں منہدم کیا گیا۔ ایسے میں نام نہاد 'غیر جانبدار' و سیکولر عدلیہ نے ان 'آئینی حقوق' کے تحفظ کے لیے کوئی قدم نہ اٹھایا جنہیں وہ مقدس گردانتے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور اس سارے منظر نامے کے دوران، 'لبرل' ہندو 'طرفین' کی غلطیوں کی نشاندہی کرتے رہے، 'دونوں' کو موردِ الزام ٹھہراتے رہے اور 'دونوں' سے امن و آشتی کی استدعا کرتے رہے۔

یہ واقعات اور ان کے ردعمل بہت سے اہم و قطعی حقائق کو واضح کرتے ہیں۔

اوّل: رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پر یہ قبیح حملہ کر کے ہندوستانی سرکار نے بالعموم اور ہندُتوا تحریک نے بالخصوص، اسلام اور پورے عالم اسلام کے خلاف کھلے بندوں اعلانِ جنگ کر دیا ہے۔ وہ من حیث المجموع امتِ مسلمہ کے خلاف جنگ میں اتر چکے ہیں۔ اس معاملے میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں بچی۔ مجاہدین کی جانب سے ہندُتوا تحریک اور بھارتی ریاست کو نشانہ بنانے کی دھمکی تو محض ان کے جرائم کا ایک مناسب جواب ہے، مزید بھی ابھی آئے گا ان شاءاللہ، اور بلاشبہ (فساد) شروع کرنے والا ہی ظالم ہے۔

دوم: بھارتی ریاست ہندُتوا تحریک کی معاون اور رفیقِ جرم ہے۔ یہ حقیقت بھی وقتاً فوقتاً ثابت ہوتی رہی ہے۔ کئی دہائیوں سے بھارتی عدلیہ کا بنیادی کام ہندُتوا تحریک کی مخاصمانہ و مبنی بر جنگ و فساد کارروائیوں اور حرکتوں کو قانونی جواز فراہم کرنا بن گیا ہے، جبکہ اب تو یہ حال ہے کہ عدلیہ و انتظامیہ کا مقصدِ وجود ہی گویا ہندُتوا کے جرائم کو بر حق ثابت کرنا ہے۔ رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اس حملے سے پہلے بھی ہم نے دیکھا کہ کیسے ہندو دہشتگردوں نے رمضان کے مبارک مہینے میں مسلمانوں کے گھروں پر حملے کیے۔ ہم نے دیکھا کہ کیسے ان مشرک وحشیوں نے مساجد پر اپنے جھنڈے لہرائے۔ ہم نے دیکھا کہ کیسے گائے اور بندر کے ان پجاریوں نے مسلم خواتین کے بارے میں غلیظ نعرے لگائے۔ ہم نے دیکھا کیسے ہر موقع پر پولیس نے ان کو مدد و تعاون فراہم کیا۔ اور ہم نے یہ بھی دیکھا کہ کیسے انتظامیہ اور عدلیہ نے مسلمانوں کے گھر مسمار کرنے اور ایک منظّم انداز میں انہیں ظلم و تشدد کا نشانہ بنانے کے لیے تاویلات گھڑیں۔ بھارتی ریاست کبھی مسلمانوں کا تحفظ نہیں کرے گی، اس کے برعکس وہ ہندُتوا دہشتگردوں کی ہر طرح نصرت و حمایت کرے گی۔ ایسے میں ظالم سے انصاف اور حقوق کا مطالبہ کرنا دیوانگی نہیں تو کیا ہے؟

سوم: نام نہاد 'لبرل' ہندو مسلمانوں کے حلیف یا ساتھی و مددگار نہیں ہیں۔ یہ امر حال ہی میں ملعونہ نپور شرما کے کیس میں صراحت سے واضح ہو گیا۔ 'طرفین' اور 'جانبین' کو ان کی غلطیوں اور کوتاہیوں کا احساس دلانے اور ان سے اپیلیں کر کے انہوں نے حملہ آور اور مدافعین کے مابین برابری کا ایک جھوٹا تاثر پیدا کر دیا، گویا ظالم و مظلوم کو برابر لا کھڑا کیا کہ دونوں قصوروار ہیں۔ اور ساتھ ہی نپور شرما اور نوین جنڈال جیسوں کے جرائم کو ہلکا بھی ثابت کر گئے۔ یہ اسلوب نیا نہیں بلکہ بار بار اپنے آپ کو دہراتا ہے۔ جب کبھی مسلمان ہندو دہشتگردوں کے ظلم و تعدّی کو ہٹانے یا روکنے کی کوشش کرتے ہیں، یکا یک یہ لبرل اپنے بِلوں سے باہر نکل آتے ہیں اور امن و آشتی کا درس دینے لگتے ہیں۔ یہ ڈاکو اور لٹیرے کو اس وقت نہیں روکتے جب وہ حملہ کرتا ہے، ہاں اگر گھر کا مالک اپنا دفاع کرنا چاہے تو یہ 'جانبین' سے امن و سکون کی اپیلیں کرنے چلے آتے ہیں۔ حقیقت میں، یہ لبرل ہندو نہایت احتیاط اور دقیق غور و فکر کے بعد ایک ایسا بیانیہ تیار کرتے ہیں جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا اپنی بقا کے لیے اٹھایا گیا کوئی بھی قدم، غیر قانونی اور مجرمانہ قرار دیا جا سکے۔ ان 'لبرلوں' کا بنیادی کام مسلمانوں کو مدہوش رکھنا ہے تاوقتیکہ ہندُتوا کے غنڈے مسلمانوں کے گلے کاٹنے اور ان کے گھر جلانے کے لیے پہنچ سکیں۔

چہارم: ہندوستان کے مسلمان قائدین کا ان واقعات پر ردّعمل ظاہر کرتا ہے کہ وہ آج بھی دنیا اور عالمی سیاست کے بارے میں ایسے قدیم و دقیانوسی تصورات کے زیرِ اثر کام کر رہے ہیں جو عرصہ ہوا متروک ہو چکے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمان کو آج اپنی بقا کا خطرہ لاحق ہے، اور اس مسئلے سے نکلنے کا کوئی آئینی راستہ موجود نہیں! ایسی کوئی 'قومی یکجہتی' اور 'مرکب قومیت' وجود نہیں رکھتی جو اس خطرے سے نمٹ سکے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ خوابِ غفلت سے جاگیں اور اس حقیقت کا ادراک کریں۔

پنجم: مغرب کی جانب دیکھنے اور اس سے مدد و نصرت کی امیدیں قائم کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ نہ اس سے پہلے کبھی بوسنیا کے مسلمانوں کو کوئی فائدہ پہنچا، نہ روہنگیا مسلمان کی اذیت ہی کچھ کم

ہوئی، نہ شام کے مسلمانوں کو کوئی فیض حاصل ہوا اور نہ ہی آج ایغور مسلمانوں کو ہو رہا ہے۔ اللہ تمام عالم کے مسلمانوں کی تکلیف و آزمائش آسان فرمائے اور ہماری کمزوری پر ہم سے درگزر فرمائے۔ نوّے کی دہائی میں سوویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد دنیا نے جو مختصر سا ایک قطبی دور دیکھا......وہ گزر چکا ہے، اور دنیا کی قیادت لبرلوں کے ہاتھ میں دیکھنے کے خواب کو ایک بھیانک تعبیر مل چکی ہے۔ امریکہ ویورپ ہندوستان کے مسلمانوں کی مدد کو نہیں آ رہے، بلکہ اس کے برعکس ہندوستان اور ہندُتوا تحریک امریکہ کے خیمے میں بیٹھی ہے۔ صلیبی، صہیونی اور ہندُتوا وادی......یہ سب ایک کشتی کے سوار ہیں۔ جبکہ بھارت خطے میں امریکہ کا سب سے قیمتی حلیف ہے۔ انکل سام کو چین کو لگام ڈالنے کے لیے، مسلمانانِ پاکستان کے اندر بھڑکتے اسلامی جذبے کو ٹھنڈا رکھنے کے لیے، سرحد کے بہادر و غیور قبائل کو محدود کرنے کے لیے، بنگلہ دیش میں حاجی شریعت اللہ کے ناقابلِ تسخیر بیٹوں کو روکے رکھنے کے لیے اور امارتِ اسلامی افغانستان پر بند باندھنے کے لیے مودیوں اور یوگیوں کی ضرورت ہے۔ امریکہ کبھی بھارت کو ناراض کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ اور یہ بات بھی ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے کہ امریکہ کو لاحق سب سے بڑا اندیشہ مسلمانوں کی ایک مضبوط و مستحکم اور خود مختار سیاسی حیثیت کا وجود ہے۔ اس لیے بھی امریکہ کبھی یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا کہ برِ صغیر کے مسلمان برطانوی سامراجی دور کی سرحدی بندشوں سے خود کو آزاد کر لیں اور خود مختارانہ انداز میں سوچنا اور عمل کرنا شروع کر دیں۔ لہٰذا امریکہ ہندُتوا تحریک کا نسل کشی کی جانب بڑھتا ایجنڈا روکنے کے لیے کبھی کوئی خاطر خواہ قدم نہیں اٹھائے گا۔

ششم: یہی معاملہ عرب ریاستوں کا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عالمِ عرب کے مسلمان اپنے قلوب و عقائد کی بنیاد پر مسلمانانِ ہندوستان کے ساتھ کھڑے ہیں۔ مگر ان ریاستوں پر قابض حکمران عالمی صلیبی صہیونی کبَل کی کٹھ پتلیوں کے سوا کچھ نہیں۔ بالخصوص بن زید اور بن سلمان جیسے حکمران تو کھلے عام مودی کے حلیف و مددگار ہیں۔ لہٰذا، تلخ حقیقت یہی ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی مدد کے لیے کوئی بیرونی طاقت حرکت میں نہیں آئے گی۔ ہندُتوا تحریک نے نفرت اور جنگ و فساد کی جو لہریں بپا کی ہیں، ان کے تدارک کے لیے کوئی بیرونی امداد مسلمانانِ ہندوستان کو ملنے والی نہیں۔

ہندوستان اور پورے برصغیر کے مسلمانوں کو اب معاملات خود اپنے ہاتھوں میں لینا ہوں گے، اگر وہ اپنی بقا کو درپیش اس خطرے کا سامنا کرنا چاہتے ہیں جسے روز بروز ہندُتوا تحریک بڑھاوا دے رہی ہے۔ یہ وہ بنیادی فہم ہے جس سے برصغیر و ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں کسی بھی کلام و گفتگو کو بڑھنا چاہیے۔ یہ وہ بنیاد ہے جس پر ہمیں...... مسلمانانِ برصغیر کو...... اپنی بقا کی حکمتِ عملی ترتیب دینا ہوگی جو ان شاء اللہ اور بعون اللہ بالآخر فتح و نصرت پر منتج ہو گی۔

تباہی کی طرف بڑھتے قدم

ہندوستان میں صورتحال تیزی سے بگڑ رہی ہے۔ ہم پہلے بھی اس مجلّے کے مبارک صفحات میں بارہا اس امر کی نشاندہی کر چکے ہیں کہ ہندوستان میں ہندُتوا کی تحریک بہت جلد اس نقطۂ عروج کو چھونے والی ہے کہ جہاں محض ایک چنگاری بھی ایسے بھڑکتے الاؤ کا سبب بن جائے گی جو ناقابلِ یقین حد تک بڑے پیمانے پر تباہی و بربادی پھیلائے گا اور ظلم و تشدد کے ایک نہ رکنے والے سلسلے کو جنم دے گا۔ یہ محض برّصغیر کے مسلمانوں کے لیے تباہ کن ثابت نہیں ہو گا بلکہ خطے میں بسنے والے عام ہندوؤں اور دیگر اقوام کے لیے بھی تباہی کا پیغام لائے گا۔ اس تنبیہہ کو مبالغہ نہ سمجھا جائے، بلکہ یہ حقائق اور تاریخی شواہد پر مبنی، ایک حقیقت پسندانہ اگرچہ افسوسناک تجزیہ ہے۔ بدقسمتی سے خطے کے مسلمان اور بالخصوص مسلمانانِ ہند اپنی جانب تیزی سے بڑھتی اس تباہ کن صورتحال کی شدت اور اہمیت کا ادراک کرنے سے ہنوز قاصر ہیں۔

ذرا تصور کیجیے ایک ایسی گاڑی کا جو پوری رفتار سے ایک اندھی کھائی کی سمت دوڑ رہی ہو۔ گاڑی میں نہ کوئی بریک ہے اور نہ رخ بدلنے کے لیے سٹیئرنگ ویل۔ وہ صرف ایک ہی سمت میں چل سکتی ہے......زوال کی اس اٹل کھائی کی جانب جس سے کوئی فرار نہیں۔ یہ وہ صورتحال ہے جو ہندُتوا تحریک نے بھارت میں مسلمانوں کے لیے پیدا کر دی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہندوستان میں مسلمانوں کی قیادت کی اکثریت اب بھی آئین و دستور اور شہری حقوق کی بیکار بحث میں الجھی ہوئی ہے۔ گاڑی تباہی کی جانب گامزن ہے......مگر یہ اب بھی گاڑی کے اندرونی ڈیزائن اور اس کے رنگ روپ کے بارے میں بحث مباحثہ میں مصروف ہیں۔

یہ مخصوص مثال میری اپنی ایجاد نہیں، بلکہ یہ آر ایس ایس کے سربراہ و قائد، موہن بھگوت کے الفاظ ہیں۔ (گزشتہ مضامین میں ہم آر ایس ایس کی تاریخ کے بارے میں تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں)۔ اپریل ۲۰۲۲ء میں اپنی ایک تقریر میں موہن بھگوت نے کہا:

> ”ہماری گاڑی چل پڑی ہے، بنا بریک کی گاڑی ہے، صرف ایکسلریٹر ہے۔ جو روکنے کی کوشش کریں گے، وہ مٹ جائیں گے۔ جو آنا چاہے وہ ہمارے ساتھ آ کر بیٹھ جائے، گاڑی رکے گی نہیں......اگر ہم اسی رفتار سے چلتے رہے تو اگلے بیس پچیس سال میں اکھنڈ بھارت ایک حقیقت بن جائے گا، مگر اگر ہم ذرا اور محنت کریں......جو ہم ضرور کریں گے......تو یہ مدّت آدھی ہو جائے گی اور ہم دس پندرہ سال میں ہی یہ ہوتا دیکھ لیں گے......“

بھگوت کے اس بیان پر کوئی بھی تبصرہ کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اکھنڈ بھارت کے تصور کو سمجھا جائے۔ ہندُتوا تحریک کا دعویٰ ہے کہ اکھنڈ بھارت یا 'متحدہ ہندوستان' ایک تاریخی حقیقت ہے جس کا تذکرہ پرانہ میں ملتا ہے۔ پرانہ مشرکانہ قصّے کہانیوں اور داستانوں پر مشتمل ایک قدیم کتاب ہے جو ہندوؤں کے ہاں مقدس گردانی جاتی ہے۔ ہندُتوا کے ماہرینِ نظریات کے مطابق

اکھنڈ بھارت میں آج کے افغانستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاقے بھی شامل ہیں۔ آر ایس ایس کے اراکین اپنے گھروں اور دفاتر میں اکھنڈ بھارت کا جو نقشہ رکھتے ہیں، اس کے مطابق مغرب میں افغانستان سے لے کر مشرق میں میانمار تک کا تمام علاقہ ہندوؤں کی اس افسانوی ریاست کا حصّہ ہے۔

پس تحریکِ ہندُتوا کے لیے 'اکھنڈ بھارت' محض کوئی تاریخی یا سیاسی ہدف نہیں، بلکہ مذہبی ہدف و فریضہ بھی ہے۔ بعض اعتبار سے یہ تصور صہیونیوں کے 'گریٹر اسرائیل' (عظیم تر اسرائیل) کے نظریے سے مشابہت رکھتا ہے جس کی سرحدیں ان کے بقول ساحلِ نیل سے لے کر دریائے فرات تک پھیلی ہوئی ہیں۔ صہیونیت اور ہندُتوا میں اور بھی بہت سی دلچسپ مماثلتیں پائی جاتی ہیں، اسی طرح جیسے فلسطین وکشمیر کی صورتحال کے مابین پائی جاتی ہیں۔ بہر صورت، یہ ایک مختلف بحث ہے جو ابھی ہمارا موضوع نہیں۔ مگر یہ امر اہمیت سے خالی نہیں کہ بھارت کے قریبی ترین حلیفوں اور دوستوں میں، اور بالخصوص ہندُتوا کے حمایتیوں میں، عالمی صہیونی کَبَل سرِ فہرست ہے۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا (سورة المائدة: ۸۲)

"تم یہ بات ضرور محسوس کرلو گے کہ مسلمانوں سے سب سے سخت دشمنی رکھنے والے ایک تو یہودی ہیں، اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو (کھل کر) شرک کرتے ہیں۔"

اکھنڈ بھارت کی تشکیل بی جے پی، آر ایس ایس اور اس قسم کی دیگر اکثر ہندُتوا تنظیموں کا حتمی ہدف ہے۔ لیکن ایسا ہر منصوبہ بھارت سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ افغانستان، پاکستان، بنگلہ دیش، میانمار اور سری لنکا کے ممالک پر قبضہ کرلے۔ ظاہر ہے، ایک آدھ نہیں بلکہ کئی پڑوسی ممالک پر حملہ کرنے اور قابض ہونے کی خواہش کا اظہار تو درکنار، اس قسم کا ہلکا سا اشارہ بھی بھارت کے لیے بے تحاشا دشمنی کی فضا اور مشکلات پیدا کردے گا۔ لہٰذا بی جے پی اور آر ایس ایس اپنے موقف میں توازن پیدا کرنے اور اسے ذرا قابلِ قبول بنانے کے لیے فی الحال محض یہی کہنے پر اکتفا کررہے ہیں کہ وہ بھارت کی سربراہی میں ایک اتحاد (confederation) بنانا چاہتے ہیں جس میں یہ تمام ریاستیں شامل ہوں۔ لیکن ہندُتوا کی جارحانہ اور مکّاری و دغابازی پر مشتمل تاریخ اس بات کا کافی وشافی ثبوت ہے، کہ یہ محض مخالفین کو پرامن رکھنے کا ایک بہانہ ہے۔

ہندُتوا کا ہدایت نامہ

مزاحمت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم پہلے ہندُتوا کے مزاج کو سمجھیں کہ وہ آنے والے دنوں میں کس طرح اپنے ایجنڈے کو عملی قالب میں ڈھالنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

ہندُتوا کی تحریک ہمیشہ سے اطالوی فاشزم اور جرمن نازی تحریک کے سحر میں رہی ہے۔ یہ امر بہت سے مورخین واصحابِ علم سے مخفی نہیں اور مرضیہ کاسولاری اور دیگر نے اس موضوع پر قلم بھی اٹھایا ہے۔ ہندُتوا کے اوّلین قائدین بینیتو مسولینی اور اڈولف ہٹلر جیسوں سے بے حد متاثر تھے۔ ہندُتوا کی فکر سازی کرنے والے ایک ابتدائی مفکر، ڈی وی تہمانکر نے ۱۹۲۷ء میں مسولینی اور فاشزم کے بارے میں کتاب لکھی اور شائع کی۔ اس کتاب میں اس اطالوی آمر کی سوانح حیات اور اس کے فاشسٹ نظریات پر تفصیلی بحث کی گئی تھی۔

لیکن فاشزم کے جس رخ سے ہندُتوا قائدین سب سے زیادہ متاثر ہوئے وہ معاشرے کو مسلّح کرنا اور انتہائی جارحانہ مزاج کے فاشسٹ نوجوانوں پر مبنی تنظیموں کی تشکیل دینا تھا۔ ہندُتوا کی ایک اور نمایاں فکری اور نظریاتی شخصیت، بے پناہ اثرورسوخ رکھنے والا لیڈر بی ایس مونجے تھا، جو نہ صرف ہندو مہاسبھا کا سربراہ تھا بلکہ کے بی ہیڈگوار کا اتالیق ورہنما بھی تھا، وہی کے بی ہیڈگوار جس نے آر ایس ایس تشکیل دی۔ ۱۹۳۱ء میں مونجے نے اٹلی کا سفر کیا، جہاں اس نے مسولینی سے ملاقات بھی کی اور اس سے بے حد متاثر ہوا۔ ہندوستان واپسی کے بعد مونجے پوری تندہی سے نوجوانوں کی مسلّح تنظیمیں تشکیل دینے کے کام میں جُت گیا جن کا نمونہ وہ اٹلی میں دیکھ کر آیا تھا۔ مرضیہ کاسولاری نے تو یہاں تک لکھا کہ ابتدائی مراحل میں آر ایس ایس کا طریقۂ بھرتی بعینہٖ اٹلی میں مسولینی کی فاشسٹ نوجوان تنظیموں کا عکس تھا۔

اسی طرح تحریکِ ہندُتوا جرمنی کے نازیوں سے بھی بے حد متاثر ہوئی۔ ۱۹۳۸ء کے بعد سے تو نازی جرمنی گویا ہندو مہاسبھا کا بنیادی مرجع بن گیا۔ ہندُتوا نے یہودیوں کے حوالے سے نازی پالیسی کی نقل کرنے کی کوشش میں اس کا اطلاق ہندوستان کے حالات پر کیا، جس کے نتیجے میں ہندو آریَن جرمنوں کے مقام پر کھڑے تھے، جبکہ یہودیوں کی جگہ مسلمانوں نے لے لی۔

ہندُتوا کی موجودہ ذہنیت اور طریقۂ کار کو سمجھنے اور بھارت میں اس کے آئندہ اقدامات کا بہترین اندازہ کرنے کے لیے ان عوامل کو سمجھنے کی ضرورت ہے جنہوں نے ہندُتوا کی فکر تشکیل دینے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اٹلی کے فاشسٹوں اور جرمنی کے نازیوں، دونوں نے ان مسلّح تنظیموں کو انتہائی مؤثر طور پر استعمال کیا۔ فی الواقع یہ ان مسلّح تنظیموں کے جارحانہ اور خونریز اقدامات ہی تھے جنہوں نے مسولینی اور ہٹلر کو مسندِ اقتدار تک پہنچانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

اٹلی میں مسولینی نے بلیک شرٹس نامی مسلّح تنظیم تشکیل دی (جو اپنی کالی قمیصوں سے پہچانے جاتے اور انہی سے موسوم ہوئے)۔ بلیک شرٹس نے ہر قسم کی سیاسی مخالفت کو بے رحمی سے کچلا اور مسولینی کی سیاسی حیثیت پیدا کرنے میں بے حد معین و مددگار ثابت ہوئی۔ اور بالآخر یہ بلیک شرٹس کی جارحیت ہی کے ذریعے ممکن ہو پایا کہ مسولینی اٹلی پر قابض ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اکتوبر ۱۹۲۲ء میں مسولینی نے اپنی فاشسٹ پارٹی کے ساتھ روم کی جانب مارچ کیا، اس مارچ کا مقصد اطالوی بادشاہ کو زمام حکومت مسولینی کے حوالے کر دینے پر مجبور کرنا تھا۔ مسولینی کی بلیک شرٹس ملک کے تزویری (strategic) مقامات پر پہلے ہی قابض ہو گئی اور ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں فاشسٹ پارٹی کے مظاہرین اور مسلّح بلیک شرٹس روم کے باہر اکٹھے ہو گئے۔ ان سب کا مطالبہ یہ تھا کہ مسولینی کو وزیرِ اعظم قرار دیا جائے۔ وسیع پیمانے پر پھیلے ہوئے تشدد و جارحیت کے خوف نے اطالوی بادشاہ کو ان کے مطالبے منظور کرنے پر مجبور کر دیا۔

اسی طرح جرمنی میں سٹُرمَب ٹائلنگ (Sturmabteilungen/SA) جس کا لغوی ترجمہ طوفانی دستے ہو گا، نے ہٹلر کو اقتدار تک پہنچانے میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ ۱۹۲۱ء میں تشکیل دی جانے والی یہ تنظیم، جو براؤن شرٹس (بھوری قمیصوں) کے نام سے بھی جانی جاتی تھی، کا مقصدِ تاسیس اور بنیادی ہدف نازی پارٹی کے ایجنڈے کو آگے بڑھانے کے لیے قوت و طاقت اور جارحیت کا استعمال کرنا تھا۔ ایس اے نے اپنے سیاسی مخالفین کی طاقت توڑنے اور ان لوگوں کی تعقیب کے لیے جنہیں وہ دشمن گردانتی تھی، مستقل اور مسلسل تشدد و جارحیت اور خوف و دہشت کو بطور ہتھیار استعمال کیا۔ بالخصوص ایس اے نے سڑکوں اور گلی محلّوں میں سیاسی بنیادوں پر جھگڑوں اور غنڈہ گردی کے طریقوں کو فروغ دیا جس نے نازی پارٹی کو سڑکوں کا بادشاہ بنا دیا۔ ایس اے صحیح معنوں میں ایک ریاست در داخلِ ریاست بن گئی۔

۱۹۳۳ء میں نازیوں کے اقتدار میں آنے کے بعد بھی ایس اے نے مخالفین پر حملوں کی اپنی روایت جاری رکھی، اور کئی مواقع پر انہیں عام جرمن عوام / شہریوں کی حمایت و موافقت بھی حاصل ہوتی۔ بلکہ بہت سے لوگ کھلے عام ایس اے کی کوششوں اور کام کی حمایت کرتے۔ کرسٹوفر ایشر ووڈ (Christopher Isherwood)، ایک برطانوی لکھاری جو اس وقت برلن میں مقیم تھا، نے لکھا کہ عام جرمن شہری ایس اے کے غنڈوں کی جانب حوصلہ افزا مسکراہٹوں کے ساتھ دیکھتے تھے۔ ۱۹۳۳ء کی ابتدا میں، جب بالآخر نازی پارٹی پورے جرمنی میں وزارتِ داخلہ اور پولیس ہیڈ کوارٹروں کا کنٹرول حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی، تو ایس اے نے دہشت و جارحیت کی باقاعدہ مہم کا آغاز کیا۔ ہزاروں کی تعداد میں نازیوں کے مخالفین گرفتار کیے گئے اور عارضی طور پہ بنائے گئے حراستی مراکز میں بند کیے گئے۔ سیاسی مخالفین پر ظلم و تشدد، ان کو مارنا پیٹنا، قتل کرنا، ان کے گھروں اور دفاتر میں لوٹ مار کرنا اور انہیں تباہ کرنا معمول کا حصّہ تھا۔ اور بیشتر موقعوں پر ایس اے اور ایس ایس جیسی تنظیموں کو پولیس اور حکومتی مشینری کی مدد اور حمایت حاصل ہوتی۔

آج ہم ہندوستان میں بعینہ انہی تکنیکوں اور تدابیر کی مماثلت دیکھ سکتے ہیں۔ بی جے پی، آر ایس ایس اور دیگر ہندُتوا تنظیمیں پوری دیانتداری سے ان تکنیکوں پر عمل پیرا ہیں۔

ذرا ہندُتوا کی کسی کارروائی اور پھر اس پر بھارتی حکومت کے ردّ عمل کا طریقہ دیکھیے۔ ذرا غور کیجیے کہ بابری مسجد کو شہید و تباہ کرنے کے لیے کس طرح منظم جارحیت کا استعمال کیا گیا اور اس میں مسلّح تنظیموں نے کیا کردار ادا کیا۔ بیس سال قبل گجرات میں جو باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ مسلمانوں کی نسل کشی کی گئی، اس میں بھی بجرنگ دَل اور آر ایس ایس جیسی مسلّح تنظیمیں شامل تھیں جنہوں نے مسلمانوں کے قتلِ عام، ان پر تشدد اور ان کی خواتین کی عصمت دری میں سب سے زیادہ فعال و بھرپور کردار ادا کیا۔ حتیٰ کہ ہیومَن رائٹس واچ اور ایمنسٹی جیسے عالمی ادارے جو مسلمانوں کے لیے کوئی خاص نرم گوشہ نہیں رکھتے، وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ گجرات کی مجرمانہ کارروائیوں کو مکمل حکومتی اور پولیس کی پشت پناہی حاصل تھی، بشمول اس وقت بی جے پی کے گجرات کے وزیرِ اعلیٰ نریندر مودی کے، جس نے حملوں کی منصوبہ بندی میں سَنگھ پریوار کے شانہ بشانہ کام کیا۔

گائے کے نام پہ قتل کے ان بے شمار واقعات پر نظر ڈالیے، جن میں ہندُتوا کے غنڈے مسلمانوں کو گھیر کر اور تشدد کر کے مار ڈالتے ہیں، محض اس الزام کی بنیاد پر کہ وہ گائے کا گوشت لے جا رہا تھا۔ ۲۰۱۹ء میں جو کچھ دہلی میں ہوا، اس پر غور کیجیے، یہ ہندُتوا کے غنڈے ہی تھے جنہوں نے مسلمانوں پر انتہائی وحشت ناک حملے کیے، جبکہ پولیس اور حکومت ان کی پیٹھ ٹھونکتی رہی۔

آسام میں کئی سالوں سے جو کچھ جاری ہے، اس پر بھی نظر ڈالیے۔ گلی محلّے کے یہ غنڈے مسلمانوں پر حملے شروع کرتے ہیں، اور اگر کہیں مسلمان اپنا دفاع کرنا چاہیں تو ان غنڈوں کی مدد کے لیے پولیس پہنچ جاتی ہے۔ رواں سال رمضان میں ہونے والے فسادات ہی کو لے لیں، ہندو مسلّح تنظیمیں مساجد کے سامنے مظاہرے شروع کرتیں اور کئی جگہوں پر مساجد پر حملوں سے بھی گریز نہ کرتیں۔ ابھی حال ہی میں ملعونہ نپور شرما کا واقعہ لے لیجیے، جب کبھی مسلمان ایسی کسی زیادتی پر احتجاج کرنے کے لیے باہر نکلتے ہیں تو انہیں ہندوؤں کی ان مسلّح تنظیموں کے ساتھ ساتھ پولیس کی جارحیت کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔

بار بار ہم دیکھتے ہیں کہ ہندُتوا تحریک اطالوی بلیک شرٹس اور جرمن براؤن شرٹس ہی کی تکنیکوں پر عمل پیرا ہے۔ یہ مماثلتیں یہیں ختم نہیں ہو جاتیں۔ ہندُتوا تحریک پروپیگنڈا کا استعمال کس طرح کرتی ہے، اس میں بھی بہت واضح مشابہت نظر آتی ہے۔ ہندوؤں میں عدم تحفظ کے تاثر کو بڑھانے کے لیے ایک بیانیہ تشکیل دینے کے لیے، مودی نے باقاعدہ ایک مہم کا آغاز کیا جس میں بار بار ہندو اکثریت کو مسلم اقلیت سے لاحق خطرات کا تذکرہ تھا۔ ہندوؤں کو دیسی اور مسلمانوں کو بدیسی، یا بیرونی جارح قوت کے طور پر دکھا کر مودی نے مسلمانوں کو سب کا متفقہ ہدف بنا دیا ہے، جس کے خلاف پورا بھارت متحد ہے۔ ویسے ہی جیسے ہٹلر نے یہودیوں کے ساتھ کیا۔

ہم یہ بھی دیکھ سکتے ہیں کہ کس طرح بی جے پی اور آر ایس ایس نے پوری بھارتی ریاست پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس اعتبار سے وہ بعینہٖ ہٹلر اور اس کی نازی پارٹی کی قائم کردہ مثال کی تقلید کر رہے ہیں۔ نازی پارٹی مسندِ اقتدار تک جمہوری الیکشنز کے ذریعے پہنچی، بالکل بی جے پی کی طرح۔ ایک بار ایوانِ اقتدار میں پہنچنے کے بعد انہوں نے منظّم انداز میں نازی فکر و نظریہ حکومتی مشینری میں متعارف کرایا اور مستحکم کیا، اور یہی وہ کام ہے جو بی جے پی کر رہی ہے۔ بی جے پی نے ہندُتوا کا ایجنڈا ثقافتی اور تعلیمی حلقوں میں نافذ کر دیا ہے (مثلاً تعلیمی نصابوں میں)۔ اور ۲۰۱۹ء میں بی جے پی اور مودی کا ۲۰۱۴ء سے بھی زیادہ بھاری اکثریت کے ساتھ منتخب ہونا ثابت کرتا ہے کہ ہندوؤں کی اکثریت ہندُتوا کی حمایت کرتی ہے، اسی طرح جیسے جرمنوں کی اکثریت نازیوں کی حامی تھی۔ پھر بھارتی آئین کے آرٹیکل ۳۷۰ کو منسوخ کرنا، جس کے تحت جموں و کشمیر کو خاص حیثیت حاصل تھی، سی اے اے کو پاس کرنا، مساجد پر منظّم حملے کرنا اور یہ دعوے کرنا کہ وہ درحقیقت مندر تھے، اور سڑکوں پر بڑھتا ہوا تشدد...... یہ سب ہندُتوا کے خواب، اکھنڈ بھارت کی تشکیل، کی جانب تیزی سے بڑھتے ہوئے قدم ہیں۔ اور یہ سلسلہ مستقبل میں مزید بڑھتا اور پھیلتا ہوا نظر آ رہا ہے۔

آخر میں یہ بھی دیکھیے کہ اطالوی فاشسٹ اور جرمن نازی، دونوں توسیع پسندانہ نظریات کے حامل تھے۔ مسولینی ان علاقوں پر قابض ہونا چاہتا تھا جو اس کے بقول 'تاریخی اعتبار سے اطالوی قوم کا ورثہ تھے'۔ ہٹلر دوسری اقوام سے منسوب علاقے فتح کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ جرمن برتر قوم کو رہنے اور جینے کے لیے مزید زمین کی ضرورت تھی۔ اکھنڈ بھارت کے ہندُتوائی خواب میں اس فکر کی پرچھائیاں صاف دیکھی جا سکتی ہیں۔ مسولینی نے البانیہ، یونان، لیبیا، اریٹیریا اور صومالیہ میں فوجی مہمات شروع کیں اور دوسری جنگِ عظیم میں بھی حصّہ لیا۔ جبکہ ہٹلر کے توسیع پسندانہ عزائم نے اسے جنگِ عظیم دوم چھیڑنے پر مجبور کر دیا۔ نجانے اکھنڈ بھارت کا یہ خواب کیسی جنگوں پر منتج ہو گا اور اپنے ساتھ کیسے مصائب و آلام لائے گا؟!

ایک بار پھر میں قارئین کو یہ یاد دلاتا چلوں، کہ ہمارا یہ تجزیہ کسی وہم، مبالغہ آمیزی یا حقیقت سے دور نظریات پر مشتمل نہیں، بلکہ یہ تاریخی شواہد پر مبنی ہے اور ان واضح و بیّن دلائل کی روشنی میں ترتیب دیا گیا ہے جن کا ہندُتوا تحریک کے افعال و کردار میں مشاہدہ کیا گیا۔

عزت و بقا کا سوال

سو ہندوستان میں مستقبل اپنے دامن میں مسلمانوں کے لیے کیا لیے ہوئے ہے؟ گزشتہ تمام بحث کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسلمانانِ ہند کو ابھی مزید جارحیت کا سامنا کرنا ہو گا۔ ان کے دین، عزت اور زندگیوں پر حملے جاری رہیں گے۔ ہندُتوا تحریک میں ابھی وہ شدت و انتہا پسندی کی جانب مزید بڑھتا ہوا رجحان دیکھیں گے۔ میڈیا مسلمانوں کی جانب مزید نفرت انگیز اور ہندُتوائی جارحیت کا مزید قدر دان ہو جائے گا۔ عدلیہ و انتظامیہ تحریکِ ہندُتوا کے ساتھ مزید یک جان ہو جائے گی۔ پولیس آر ایس ایس، بجرنگ دَل اور ویشو ہندو پرشاد کے غنڈوں کے ساتھ اپنا تعاون جاری رکھے گی اور مجموعی طور پر مسلمانوں پر تشدد و تعقیب کے سلسلے اور شدت میں اضافہ ہو گا۔ بالخصوص جیسے جیسے بھارت عالمی معاشی تنزل کے اثرات محسوس کرے گا، اس رجحان میں اضافہ ہو گا۔

لہٰذا اپنی عزت کی حفاظت اور اپنی بقا کے لیے، مسلمانانِ ہند کو اس جارحیت سے خود نمٹنا ہو گا۔ انہیں چاہیے کہ وہ مقامی سطح پر اکٹھے اور متحد ہوں، اور قومی سطح پر ہندُتوا کی جارحیت سے اپنا تحفظ کریں۔ ہندُتوا تحریک اپنی مسلّح تنظیموں کے ذریعے ان پر حملے کرے گی اور پولیس انہیں نہیں روکے گی، لہٰذا ہند کے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسے حملوں کو روکنے کے لیے کسی درجے میں اپنی دفاعی صلاحیت پیدا کریں۔

یہ اتنا ہی سادہ معاملہ ہے۔ ہر وہ دن جو آئین و دستور اور قومی ضمیر سے اپیلیں کرتا گزرتا ہے، وہ محض وقت کا ضیاع ثابت ہوتا ہے۔ ہر وہ لمحہ جو شہری حقوق اور آزادیٔ اظہارِ رائے طلب کرنے میں صرف ہوتا ہے، اس کا بہتر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ بھارت میں مسلمانوں کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ جسمانی طور پر اپنا، اپنی خواتین اور اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرنے کے قابل ہو سکیں۔ ہر وہ قائد اور تحریک جو اس حقیقت کا ادراک نہیں رکھتی یا اسے تسلیم کرنے سے انکاری ہے، صاف بات یہ ہے کہ وہ قیادت کی اہل ہی نہیں۔

ظاہر ہے یہ وہ واحد رخ نہیں جس پر مسلمانوں کو محنت کرنے اور توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ انہیں عالمی سطح پر ہندوستان میں مسلمانوں کی صورتحال سے آگاہی پیدا کرنے اور پھیلانے کی بھی ضرورت ہے، بالخصوص مسلم دنیا میں۔ انہیں ایسی مضبوط معاشرتی تنظیمیں بنانے اور مستحکم کرنے کی ضرورت ہے جو مسلمانوں میں وحدت پیدا کریں اور ان کی رہنمائی کریں۔ انہیں اسلام کی سچی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے اور سیکولرازم، لبرل ازم اور آئین و دستور جیسے بتوں کو مسترد کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے ایسے رخ اور راستے ہیں جن کو

اپنانے پر غور و فکر کی ضرورت ہے۔ مگر اس مضمون میں ہمارا موضوع فوری کرنے والے، مختصر المیعاد اقدامات ہیں، کہ طویل المیعاد اقدامات پر روشنی ڈالنے کے لیے ایک علیحدہ مضمون درکار ہے۔ لیکن جسمانی طور پہ اپنا دفاع کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا وہ چیز ہے جو بالآخر بقاو فنا میں فیصلہ کن کردار ادا کرے گی، واللہ اعلم بالصواب۔

تتمہ

یہ ہندُتوا تحریک کے اپنے قائدین ہیں جو ہندوستان کی صورتحال کو بنا بریک کے ایک بگٹٹ بھاگتی ہوئی گاڑی سے تشبیہ دے رہے ہیں اور اکھنڈ بھارت کی خیالی و افسانوی ریاست کے قیام کے لیے اپنی انتھک کوششوں کا کھلے عام اقرار کر رہے ہیں۔ ہندُتوا تحریک ایک ایسی سٹریٹیجی پر عمل پیرا ہے جو بہت باریک بینی سے اٹلی کی فاشسٹ تحریک اور جرمنی کے نازیوں کی قائم کردہ مثالوں کا عکس ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہ راستہ لامحالہ جنگ کے شعلوں کو بھڑکاتا ہے۔ ہندُتوا تحریک آج ایک ایسا الاؤ بھڑکا رہی ہے جسے کل وہ خود بھی قابو کرنے سے قاصر ہو گی۔ وہ جارحیت کا ایک طوفان بپا کرنا چاہتے ہیں، مسلمانوں کو ناقابلِ بیان اذیت و آلام سے دوچار کرنا چاہتے ہیں، مگر جس تباہی و بربادی کا گڑھا وہ تیار کر رہے ہیں، خود بھی اس میں گرنے سے نہ بچ سکیں گے۔

آخر میں، میں قارئین کو اللہ عزوجل کی دو آیات یاد کراؤں گا، اللہ سبحانہ و تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ○ (سورۃ الحج:۳۹)

”جن لوگوں سے جنگ کی جارہی ہے، انہیں اجازت دی جاتی ہے (کہ وہ اپنے دفاع میں لڑیں) کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے، اور یقین رکھو کہ اللہ ان کو فتح دلانے پر پوری طرح قادر ہے۔“

اور اللہ جلّ شانہ نے فرمایا:

لَّا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○ (سورۃ المجادلۃ:۲۲)

”جو لوگ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، ان کو تم ایسا نہیں پاؤ گے کہ وہ ان سے دوستی رکھتے ہوں، جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے، چاہے وہ ان کے باپ ہوں، یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے خاندان والے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش کر دیا ہے، اور اپنی روح سے ان کی مدد کی ہے، اور انہیں وہ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہو گیا ہے اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے ہیں۔ یہ اللہ کا گروہ ہے۔ یاد رکھو کہ اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے۔“

☆☆☆☆☆

بقیہ: نظریاتی جنگیں

اس سے جان چھڑانا چاہے تو دوسرا اسے فوراً اپنی گود میں لے لے۔ اور یوں نجات کے متلاشی کو متبادل طور پر کوئی تیسر انظام نصیب نہ ہو گا۔

سرمایہ داری اور اشتراکیت کا مذکورہ بالا جائزہ اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے کہ ایک نظامِ معیشت کی حیثیت سے بھی اسلامی معاشرے میں سرمایہ داری چل سکتی ہے نہ اشتراکیت۔ یعنی اگر مسئلہ صرف اسلام کے معاشی نظام کو ترک کر کے کسی اور نظام کی حمایت کا ہوتا تب بھی یہ بدترین فسق و ضلال ہوتا مگر یہاں اس سے بڑا مسئلہ ان نظام ہائے معیشت کی مابعد الطبعیات اور ایمانیات کا بھی ہے جو کفرِ خالص کے سوا کچھ نہیں کیونکہ یہ سراسر مادی فلسفے کی پیداوار ہیں اور ان سے مذہب، وحی اور عبدیت کی مکمل طور پر نفی ہو جاتی ہے۔

لبرل ازم، سیکولرازم، سوشلزم اور دیگر تمام ازم مادہ پرستی، نفس پرستی اور انسان پرستی کی پیداوار ہیں۔ جن میں انسان کو بندے کے بجائے آزاد فرد تسلیم کر لیا گیا، خواہشات اور ضروریات کا فرق مٹا دیا گیا۔ اسی خواہش پرستی کی وجہ سے افراد اور گروہوں کے درمیان وسائل پر قبضے کی اندھی دوڑ جاری ہے اور معیشتِ عالم کا توازن بگڑ چکا ہے۔ انسانیت کی نجات اسی میں ہے کہ وہ ان سب سے جان چھڑا کر اسلامی نظام کے سائے میں آجائے۔

تمت بالخیر بعون اللہ

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین

برحمتک یا ارحم الرحمین

☆☆☆☆☆

سَنگھ پریوار (Sangh Parivar)

سَنگھ پریوار (تنظیموں یا جماعتوں کا خاندان) ان ہندو قوم پرست تنظیموں کے گروہ کو کہا جاتا ہے جو یا تو آر ایس ایس کے پرچارکوں نے شروع کی ہوں یا آر ایس ایس کے نظریات سے اتفاق رکھتی ہوں۔ زندگی کے ہر شعبے میں یعنی سیاسی، معاشی، سماجی، تعلیمی، پیشہ وارانہ، مذہبی، لسانی وغیرہ جیسے شعبوں میں سَنگھ پریوار سے منسلک درجنوں تنظیمیں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ خواتین کی مخصوص تنظیمیں، بچوں کی تنظیمیں، بیرون ملک مقیم ہندوستانیوں کے لیے تنظیمیں، تھنک ٹینک ادارے اور میڈیا ادارے بھی سنگھ پریوار سے منسلک ہیں۔ اس کے علاوہ قصبوں اور شہروں کی سطح پر سینکڑوں چھوٹے چھوٹے متحارب گروپ بھی غیر رسمی طور پر آر ایس ایس سے منسلک ہیں۔

۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی آزادی تک آر ایس ایس پورے ہندوستان میں پھیل چکی تھی اور اس کی سینکڑوں شاخیں پورے ہندوستان میں قائم ہو چکی تھیں۔ اپنی اس طاقت اور اثر ورسوخ کا آر ایس ایس نے تقسیم کے دوران ہندو مسلم فسادات میں کھل کر استعمال کیا۔ لیکن گاندھی کے قتل اور اس کے بعد ترنگا اور بھارتی آئین کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے لگنے والی پابندی کے بعد آر ایس ایس کو احساس ہوا کہ ہندو راشٹر بنانے کے اپنے مشن کو پورا کرنے کے لیے اور اس سے منسلک اہداف کو حاصل کرنے کے لیے اسے زندگی کے ہر شعبے میں نفوذ حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اپنی خفیہ حیثیت برقرار رکھنے کے لیے اور حکومتوں کی گرفت سے بچنے کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ یہ نفوذ آر ایس ایس ہر جگہ اپنے نام سے نہ کرے بلکہ اس کے لیے علیحدہ تنظیمیں کھڑی کی جائیں اور انہیں آزاد حیثیت دی جائے تاکہ اگر کوئی حکومت کسی ایک تنظیم پر ہاتھ ڈالتی ہے تو قانوناً اس کا اثر دوسری تنظیم پر نہ پڑ سکے۔

آزادی سے پہلے تک آر ایس ایس کے پرچارکوں کا کام زیادہ سے زیادہ شاخیں قائم کرنا تھا جبکہ آزادی کے بعد ان میں سے چنیدہ پرچارکوں کو زندگی کے مختلف شعبوں میں تنظیمیں قائم کرنے کی ذمہ داری دی گئی۔ عموماً کسی ایک پرچارک کو کوئی ایک تنظیم کھڑی کرنے کی ذمہ داری دی جاتی تھی۔

آزاد تنظیمی ڈھانچے کے ذریعے زندگی کے ہر شعبے میں نفوذ حاصل کرنے کی حکمت عملی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دہائی کے اندر اندر سَنگھ پریوار نے اتنی طاقت حاصل کر لی کہ ۱۹۷۵ء میں جب اندرا گاندھی نے ایمرجنسی نافذ کی اور آر ایس ایس پر پابندی لگا دی تو اس سے آر ایس ایس کو کچھ فرق نہیں پڑا۔ سَنگھ پریوار نے حکومت کے خلاف اپنی خفیہ کارروائیاں بڑھا دیں، دو سال کے اندر ہی ایمرجنسی کا خاتمہ ہو گیا اور ساتھ ہی آر ایس ایس پر پابندی کا بھی۔ اور ساتھ ہی سَنگھ پریوار کی حمایت یافتہ جنتا دل کی حکومت قائم ہو گئی۔ وقت کے ساتھ ساتھ سَنگھ پریوار کی طاقت اور اثر ورسوخ میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور آج یہ ہندوستان کی سب سے طاقتور اور مؤثر ترین تحریک بن چکی ہے اور پوری دنیا میں ہندو قوم پرستی کی ترجمانی کر رہی ہے۔ اور اسی کا سیاسی بازو یعنی بھارتیہ جنتا پارٹی ۲۰۱۴ء سے اب تک ہندوستان پر بھاری اکثریت کے ساتھ حکمرانی کر رہی ہے۔

بھارتیہ جنتا پارٹی (Bhartiya Janata Party – BJP)

بھارتیہ جنتا پارٹی یا بی جے پی آر ایس ایس کا سیاسی بازو ہے۔ ۲۰۱۸ء سے یہ ریاستی اور مرکزی اسمبلیوں میں نمائندگی کے اعتبار سے ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت ہے۔ ۲۰۲۲ء میں بی جے پی کی طرف سے ایک سرکاری بیان کے مطابق بی جے پی کے رجسٹرڈ ارکان کی تعداد اٹھارہ کروڑ ہے، اس طرح یہ اپنے سیاسی کارکنان کی تعداد کے اعتبار سے دنیا کی سب سے بڑی سیاسی جماعت ہے۔

سَنگھ پریوار کی سیاسی تاریخ

آزادی کے فوراً بعد خاص طور پر گاندھی کے قتل کے بعد آر ایس ایس پر لگنے والی پابندی کی وجہ سے کریاکرتاؤں میں یہ مانگ بڑھتی جا رہی تھی کہ آر ایس ایس کو سیاست میں حصہ لینا چاہیے تاکہ سیاسی طاقت حاصل کی جائے اور اپنے کام اور نظریات کو مزید آگے پھیلایا جا سکے۔ لیکن آر ایس ایس نے چونکہ ایک سماجی تنظیم کا چہرہ اپنایا ہوا تھا اور کھل کر مرکزی سیاست میں حصہ لینا اس کے خفیہ طریقہ کار کے بھی خلاف تھا اس لیے اُس وقت کے سر سَنگھ چالک ایم ایس گولوالکر نے اس رائے کو قبول نہیں کیا۔

بھارتیہ جن سنگھ

اُسی عرصے میں ہندو مہاسبھا کے سابق صدر 'سیام پرشاد مکھرجی' (Syama Prasad Mookerjee)نے اختلافات کی وجہ سے مہاسبھا سے علیحدگی اختیار کرلی اور آر ایس ایس کے قریب ہو گیا۔ گولوالکر نے اسے ایک نئی سیاسی جماعت کھڑی کرنے کا کہا۔ اس طرح گولوا کر کی حمایت کے ساتھ مکھرجی نے ۱۹۵۱ء میں بھارتیہ جَن سَنگھ (Bhartiya Jana Sangh) کی بنیاد رکھی۔ اس جماعت کو تشکیل دینے کا مقصد ہندوؤں کی 'ثقافتی شناخت' کی حفاظت اور کانگریس کا ایک ہندو قوم پرستانہ متبادل پیش کرنا تھا۔ آر ایس ایس نے اس پارٹی کو مضبوط کرنے کے لیے اور اسے مستقل اپنے ہاتھ میں رکھنے کے لیے اپنے بہت سے اہم پرچارک اس جماعت میں شامل کیے اور اہم عہدوں پر فائز کیے۔ اس میں آر ایس ایس کے مشہور وچارک (مفکر) دین دیال اپادھیائے کو پارٹی کا جنرل سیکٹری بنایا گیا جبکہ دو نوجوان پرچارکوں 'اٹل بہاری واجپائی' اور 'لال کرشن ایڈوانی' کو بھی پارٹی میں شامل کیا گیا۔ ابتدا میں یہ جماعت ہندوستان میں مقبول نہ ہو سکی۔ ۱۹۵۲ء کے لوک سبھا چناؤ میں اسے صرف ۳ نشستیں مل سکیں۔ ۱۹۶۷ء میں دین دیال اپادھیائے پارٹی کا سربراہ بن گیا لیکن ایک ہی سال کے اندر ہارٹ اٹیک سے اس کی موت ہو گئی اور ۱۹۶۸ء میں 'اٹل بہاری واجپائی' بھارتیہ جن سنگھ کا سربراہ مقرر ہو گیا۔ اس عرصے میں اس پارٹی کے اہم سیاسی مطالبات مذہب کی بنیاد پر جدا جدا 'پرسنل لاز' کی بجائے 'یکساں سول کوڈ' کا نفاذ، گائے ذبح کرنے پر پابندی اور جموں وکشمیر سے آرٹیکل ۳۷۰ کو ختم کر کے اس کی خصوصی حیثیت کو ختم کرنا رہے۔ پارٹی کی مقبولیت میں آہستہ آہستہ اضافہ ہوا لیکن اندرا گاندھی کے ایمرجنسی نافذ کرنے تک یہ پارٹی ہندوستان میں زیادہ مقبولیت نہ پا سکی۔

جنتا پارٹی

ایمرجنسی کے خاتمے کے بعد ۱۹۷۷ء کے لوک سبھا چناؤ میں جن سنگھ نے کانگریس کے خلاف دیگر پارٹیوں کے ساتھ الحاق کر کے 'جنتا پارٹی' بنالی۔ جنتا پارٹی اس الیکشن میں کامیاب ہوئی اور سابق جن سنگھ کے سربراہ 'اٹل بہاری واجپائی' کو وزیر خارجہ جبکہ دوسرے رہنما 'لال کرشن ایڈوانی' کو وزیر اطلاعات و نشریات بنا دیا گیا۔

۱۹۷۸ء اور ۱۹۷۹ء میں جنتا پارٹی میں شامل جن سنگھ کے ارکان علی گڑھ اور جمشید پور میں ہونے والے مسلم مخالف فسادات میں شریک ہوئے جس کی وجہ سے جنتا پارٹی میں اختلاف ہو گیا۔ جنتا پارٹی کے دیگر سیکولر اراکین کا مطالبہ تھا کہ جن سنگھ آر ایس ایس سے علیحدگی اختیار کر لے لیکن جن سنگھ نے اس سے انکار کر دیا۔ جس کی وجہ سے جنتا پارٹی تحلیل ہو گئی۔

بھارتیہ جنتا پارٹی

۱۹۸۰ء میں جنتا پارٹی کی تحلیل کے بعد بھارتیہ جن سنگھ کے سابق ارکان نے سنگھ پریوار کے نظریات سے موافقت رکھنے والے کچھ دیگر رہنماؤں کے ساتھ مل کر بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) کی بنیاد رکھی۔ جس کا پہلا صدر 'اٹل بہاری واجپائی' کو بنایا گیا۔

۱۹۸۰ء کی دہائی میں ہندو مسلم فسادات میں اضافہ دیکھنے میں آیا۔ بھارتیہ جنتا پارٹی نے ابتدا میں جن سنگھ کے برخلاف سیاست میں ایک معتدل چہرہ اپنانے کی کوشش کی۔ لیکن ۱۹۸۴ء کے انتخابات میں اسے صرف دو سیٹیں مل سکیں۔ اس کے بعد واجپائی کو اپنے معتدل نظریات رکھنے کی وجہ سے پارٹی کی صدارت سے ہٹا دیا گیا اور اس کی جگہ 'لال کرشن ایڈوانی' کو پارٹی کا نیا صدر بنا دیا گیا۔ ایڈوانی پارٹی کو اپنی اصلیت پر لے آیا اور اس نے ایودھیا میں رام جنم بھومی کا مسئلہ اٹھایا اور نعرہ لگایا کہ بابری مسجد کی جگہ رام مندر بنایا جائے گا۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۹۸۹ء کے انتخابات میں بی جے پی کو ۸۶ نشستیں حاصل ہوئیں اور یہ حکومتی اتحاد 'نیشنل فرنٹ' میں شامل ہوئی جس کا وزیر اعظم وی پی سنگھ بنا۔

۱۹۹۰ء میں ایڈوانی نے 'رتھ یاترا' کے نام سے سومنات سے ایودھیا تک رام مندر تحریک کی حمایت میں لاکھوں متشدد قوم پرست ہندو غنڈوں پر مشتمل ایک ریلی کا آغاز کیا۔ یہ ایک متشدد اور مسلمان مخالف ریلی تھی اور اس کے شر کا جس جس علاقے سے گزرتے تھے وہاں مسلمانوں پر حملے کرتے اور ان کی املاک کو نقصان پہنچاتے جاتے تھے۔ بہار ریاست کے وزیر اعلیٰ 'لالو پرشاد یادو' نے فساد کو روکنے کے لیے ایڈوانی کو نظر بند کر دیا۔ رتھ یاترا جب ایودھیا پہنچی تو بہت سے ہندو قوم پرست غنڈوں نے مسجد پر حملہ کر دیا۔ تین دن تک ان کی سیکیورٹی اداروں کے ساتھ لڑائی چلتی رہی جس میں بہت سے غنڈے مارے گئے۔ سَنگھ پریوار سے منسلک تنظیم ویشوا ہندو پریشد نے، جس نے بابری مسجد گرانے کا عَلم اٹھا رکھا تھا، ان اموات کا بدلہ لینے کا اعلان کیا اور سارے اترپردیش میں مسلمانوں کے خلاف فسادات شروع ہو گئے۔

حکومت کی طرف سے رتھ یاترا میں سنگھ پریوار کا راستہ روکنے اور متشدد ہندو غنڈوں کو گرفتار کرنے کے اقدامات کے جواب میں بی جے پی نے وی پی سنگھ کی حکومت سے علیحدگی اختیار کر لی، جس کی وجہ سے دوبارہ انتخابات ہوئے۔ ان انتخابات میں بی جے پی کو پہلے سے بھی زیادہ ۱۲۰ نشستیں ملیں اور اترپردیش جہاں یہ سارا ماجرا پیش آیا وہاں کی ریاست میں بی جے پی کی اپنی حکومت آ گئی۔

۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کو سَنگھ پریوار نے ایک لاکھ سے زیادہ بھگوا غنڈے جمع کیے اور بابری مسجد پر دھاوا بول دیا اور اسے شہید کر دیا گیا۔ آنے والے ہفتوں میں پورے ملک میں فسادات پھوٹ پڑے جس میں دو ہزار کے قریب لوگ مارے گئے جن میں اکثریت مسلمانوں کی تھی۔

بابری مسجد کو شہید کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کے ۱۹۹۶ء کے انتخابات میں بی جے پی کو لوک سبھا میں ۱۶۱ نشستوں کے ساتھ اکثریت مل گئی اور یہ حکومت میں آگئی۔ اور اٹل بہاری واجپائی نے وزیر اعظم کا حلف اٹھالیا۔ لیکن لوک سبھا میں سیاسی کشمکش کی وجہ سے یہ حکومت ۱۳ دن میں ہی ختم ہو گئی۔

۱۹۹۶ء میں دوبارہ انتخابات کے نتیجے میں ایک اتحادی حکومت بنی لیکن وہ بھی زیادہ عرصہ نہ چل سکی۔ ۱۹۹۸ء میں بی جے پی نے انتخابات کے لیے نیا اتحاد 'نیشنل ڈیموکریٹک الائنس' (این ڈی اے) بنایا۔ این ڈی اے نے انتخابات میں اکثریت حاصل کی اور اٹل بہاری واجپائی پھر وزیر اعظم بن گیا۔

۱۹۹۹ء میں ایک اتحادی جماعت کے علیحدہ ہونے سے این ڈی اے اتحاد ٹوٹ گیا اور دوبارہ انتخابات کرانے پڑے۔ لیکن اس دفعہ این ڈی اے کو پہلے سے بھی کہیں زیادہ نشستیں حاصل ہوئیں اور اسے لوک سبھا میں ۳۰۳ نشستوں کے ساتھ سادہ اکثریت حاصل ہو گئی۔ اس میں بی جے پی کو اپنی تاریخ کی سب سے زیادہ ۱۸۳ نشستیں ملیں۔ واجپائی تیسری دفعہ وزیر اعظم بنا اور ایڈوانی اس کا نائب وزیر اعظم اور وزیر داخلہ بنا۔ اس حکومت نے اپنے پانچ سال پورے کیے۔ اندرا گاندھی کے ایمر جنسی نافذ کرنے کے بعد سے پچیس سال تک سیاسی انتشار کے بعد یہ پہلی حکومت تھی جس نے اپنی مدت پوری کی۔ اور ہندوستانی سیاسی منظر نامہ دو نظریات سیکولرازم اور ہندو قوم پرستی تک محدود ہو گیا۔

اسی حکومت کے دوران فروری ۲۰۰۲ء میں گجرات میں مسلم کش فسادات ہوئے۔ یہ فسادات بی جے پی کی طرف سے گجرات کے وزیر اعلیٰ نریندر مودی کے اشارے پر کیے گئے اور فساد کرنے والے بھگوا غنڈوں کو ریاستی پولیس کی مکمل حمایت اور تعاون حاصل تھا۔ ان فسادات میں دو ہزار کے قریب مسلمان شہید ہوئے جب کہ ڈیڑھ لاکھ کے قریب مسلمانوں کو اپنے گھر بار چھوڑ کر جانا پڑا۔

۲۰۰۴ء میں دوبارہ انتخابات ہوئے اور بی جے پی کو شکست ہوئی اس کے بعد اگلے دس سال تک بی جے پی اپوزیشن میں رہی۔ ان دس سالوں میں سنگھ پریوار نے اپنی کمزوریوں کو دور کرنے پر توجہ دی اور اونچی ذات کے ہندوؤں کے ساتھ ساتھ دلتوں کو بھی ہندو قوم پرستی کے نعرے پر اپنے ساتھ جوڑنے پر محنت کی۔ اس کے علاوہ اس عرصے میں سنگھ پریوار نے دیہی علاقوں اور جنوبی ریاستوں میں بھی اپنی توجہ کو بڑھایا۔

اس دس سالہ محنت کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۲۰۱۴ء کے انتخابات میں این ڈی اے کو لوک سبھا کی ۵۴۳ نشستوں میں سے ۳۳۶ نشستیں ملیں جن میں سے ۲۸۲ نشستیں بی جے پی کی تھیں۔ ۱۹۸۴ء کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ ایک اکیلی پارٹی کو لوک سبھا میں سادہ اکثریت حاصل ہو گئی ہو۔ اور یہ آزاد ہندوستان کی تاریخ میں پہلا موقع تھا کہ کسی سیاسی پارٹی نے خالص اپنی طاقت کے بل بوتے پر لوک سبھا میں اکثریت حاصل کی ہو۔

۲۰۱۹ء کے انتخابات میں بی جے پی نے پھر فتح حاصل کی اور اُس وقت سے تادم تحریر بی جے پی ہندوستان پر حکومت کر رہی ہے۔

بی جے پی کے سیاسی اہداف

بی جے پی نے اپنے قیام کے بعد سے ہندو قوم پرستی کو ہی اپنی سیاست کا بنیادی موضوع بنائے رکھا۔ اور اسی کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے درج ذیل اہداف رکھے۔

1. بابری مسجد کی جگہ رام مندر کی تعمیر،
2. کاشی میں گیان واپی مسجد کی جگہ مندر کی تعمیر،
3. متھرا میں شاہی عید گاہ مسجد کو ختم کر کے اس جگہ کو ساتھ موجود مندر کا حصہ بنانا،
4. گائے ذبح کرنے پر پابندی،
5. آرٹیکل ۳۷۰ ختم کر کے جموں و کشمیر کی خصوصی حیثیت کا خاتمہ،
6. ہندوستان کی تاریخ کو ہندُتوا نظریہ کے مطابق دوبارہ تحریر کرنا اور اس مقصد کے لیے تدریسی نصاب میں بھی تبدیلی لانا،
7. ترنگا کی جگہ بھگوا دھواج کو بھارت کا قومی پرچم بنانا۔

ان اہداف میں بابری مسجد کو شہید کرنے کا ہدف ۹۰ء کی دہائی کے آغاز میں ہی حاصل کر لیا گیا تھا۔ ۲۰۱۹ء میں بی جے پی کی حکومت دوبارہ آنے پر آرٹیکل ۳۷۰ بھی ختم کر دیا گیا۔ اب متھرا اور کاشی کی مساجد کے خلاف پوری سرگرمی سے کام جاری ہے۔ جبکہ مختلف ریاستوں میں یکساں سول کوڈ کے نفاذ کے لیے قانون سازی بھی کی جارہی ہے۔ ہندوستان کی تاریخ کو ہندتوا نظریے کے مطابق ڈھالنے کے لیے ۲۰۱۴ء کے بعد سے سرکاری سطح پر کام جاری ہے۔ ۲۰۲۲ء میں تدریسی نصاب میں اہم تبدیلیاں کی گئی ہیں جس میں سے ایک یہ ہے کہ مغل دور کی تاریخ کو تدریسی نصاب سے ختم کر دیا گیا ہے۔ گائے ذبح کرنے پر سرکاری سطح پر اگرچہ تاحال پابندی ایک آدھ ریاست میں ہی لگ سکی ہے، لیکن غیر سرکاری طور پر پورے ملک میں ہی لگ چکی ہے۔ جہاں کبھی بھی علم ہو تا ہے کہ کسی نے گائے ذبح کی ہے وہاں بھگوا دہشت گرد پہنچ کر ذبح کرنے میں ملوث لوگوں کو تشدد کا نشانہ بناتے ہیں۔ جبکہ بھگوا دھواج کو قومی پرچم بنانے کے لیے ماحول سازگار کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔

یہ سب اہداف بالاصل سنگھ پریوار کے بنیادی مقصد یعنی ہندوستان کو ایک ہندو راشٹر بنانے کے حصول میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

بی جے پی کی کامیابی کی وجوہات

مذہبی کارڈ کا استعمال

ہندوستان میں ۸۰ فیصد آبادی ہندو ہے جب کہ باقی ۲۰ فیصد آبادی دیگر مذاہب پر مشتمل ہے۔ لیکن یہ ہندو آبادی ذات پات اور طبقات میں بری طرح تقسیم ہے۔ ہر ذات اور طبقے کے حقوق کے تحفظ کے لیے جدا جدا پارٹیاں موجود رہی ہیں جن کی وفاداریاں بھی مختلف بڑی سیاسی پارٹیوں میں تقسیم رہی ہیں۔ بی جے پی کی کامیابی یہ رہی ہے کہ اس نے اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے ہندوؤں میں ذات پات اور طبقات کی تفریق کو مٹایا اور سب کو ہندو قوم پرستی اور ہندُتوا کے نظریے پر متحد کر دیا۔ بی جے پی نے '۸۰ فیصد بمقابلہ ۲۰ فیصد'، 'اکثریت کے حقوق کا تحفظ'، 'ہندو راشٹر' اور 'رام راج' جیسے نعرے لگا کر ہر طبقے کے ہندوؤں کو اپنے ساتھ جوڑا۔ حتیٰ کہ ہندوؤں میں سب سے پسا ہوا اور سب سے نچلا طبقہ 'دلت' بھی اپنے اوپر ہونے والے سارے مظالم کے باوجود خوشی خوشی یہ کہتے ہوئے بی جے پی کو ووٹ دینے جاتا ہے کہ 'جو رام کو لائیں گے ہم انہیں لائیں گے'۔

مسلم دشمنی

ہندو اکثریت کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کو بھڑکانا بی جے پی کی فتح کا سب سے بڑا سبب ہے۔ بی جے پی اپنے قیام کے بعد پہلی اتحادی حکومت تب بنا پائی جب اس نے 'رام جنم بھومی تحریک' شروع کی اور بابری مسجد کی جگہ رام مندر بنانے کا نعرہ لگایا۔

۱۹۹۰ء میں ایڈوانی کی 'رتھ یاترا' نے بی جے پی کی کایا پلٹ دی۔ اس رتھ یاترا کے نتیجے میں بابری مسجد شہید کر دی گئی جس کے بدلے میں فوراً ہی اتر پردیش کی ریاست میں بی جے پی کی حکومت آگئی اور چند سالوں کے اندر بی جے پی نے اکثریت حاصل کر کے مرکز میں حکومت بنا لی۔

۲۰۰۲ء میں گجرات فسادات کے نتیجے میں نریندر مودی نے ہندوؤں میں ایک ہیرو کی حیثیت اختیار کر لی۔ اور مسلم دشمنی کی اسی شہرت کو مودی نے ۲۰۱۴ء کے انتخابات میں استعمال کیا اور تاریخی کامیابی حاصل کی۔ اس کے بعد بھی چاہے ۲۰۱۹ء کے عام انتخابات ہوں یا ۲۰۲۲ء کے ریاستی انتخابات، مسلم دشمنی اور مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جذبات بڑھکانا ہی بی جے پی کی کامیابی کا سب سے بڑا عنصر رہا۔ مودی کے بعد اب اتر پردیش کا وزیر اعلیٰ یوگی ادتیہ ناتھ بھی اپنی مسلم دشمنی کی وجہ سے شہرت کی بلندیوں کو چھو رہا ہے۔ جس طرح گجرات فسادات نے مودی کو ہیرو بنایا، اسی طرح اتر پردیش میں مسلم مخالف اقدامات یوگی ادتیہ ناتھ کو ہیرو بنا رہے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ شاید مودی کے بعد بی جے پی میں سب سے طاقتور ترین شخصیت یوگی ادتیہ ناتھ ہی ہے۔

گھر گھر رسائی

بی جے پی کی کامیابی کی ایک اور اہم ترین وجہ اس کا رابطہ کاری کا نظام ہے۔ بی جے پی ایک اکیلی جماعت نہیں ہے بلکہ ایک بڑے نظام یعنی سنگھ پریوار کا حصہ ہے جس کی سربراہی آر ایس ایس کرتی ہے۔ آر ایس ایس کے پرچارک نہ تو شادی کرتے ہیں نہ ہی کوئی روزی کماتے ہیں بلکہ اپنی پوری زندگی آر ایس ایس کے کاموں کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔ انتخابات کے دنوں میں بھی بی جے پی کی کامیابی کے لیے سب سے زیادہ یہی پرچارک متحرک ہوتے ہیں اور آر ایس ایس کے تمام کریاکرتاؤں اور سیوکوں کو متحرک رکھتے ہیں۔ اور سنگھ پریوار کی دیگر تنظیمیں چونکہ زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھتی ہیں اس لیے یہ تنظیمیں بھی انتخابات کے دنوں میں ہر طبقے تک پہنچنے میں بی جے پی کی مددگار ہوتی ہیں۔ اسی طرح آر ایس ایس کا شاخوں کا نظام اس طرح سے منظم ہے کہ اس کے کریاکرتا اور سوائم سیوک تقریباً ہر ہر ہندو کے گھر تک براہ راست رسائی رکھتے ہیں۔ اس سارے نیٹ ورک کی مدد سے جہاں سنگھ پریوار ہندوؤں کے تمام طبقات کو ہندو قوم پرستی پر اور اسلام دشمنی پر اکٹھا کرتے ہیں وہیں غریب اور نچلے طبقے کے ہندوؤں میں انتخابات سے کچھ پہلے مفت راشن اور پیسے تقسیم کر کے بھی ان کے ووٹ کو یقینی بنایا جاتا ہے۔

بی جے پی کی مضبوطی اور طاقت کی وجوہات

آر ایس ایس اور سنگھ پریوار سے وابستگی بی جے پی کی طاقت اور مضبوطی کی بنیادی وجہ ہے۔ کانگرس کے برخلاف یہ پوری طرح خود مختار سیاسی جماعت نہیں ہے بلکہ ایک نظریے اور مقصد کی بنیاد پر ایک خاندان کا حصہ ہے۔ اسی لیے جہاں دیگر سیاسی جماعتوں میں دھڑے بندیاں ہوتی ہیں اور جماعتیں ٹوٹ کر کئی جماعتوں میں تقسیم ہو جایا کرتی ہیں وہاں بی جے پی کے قیام سے آج تک اس جماعت میں کوئی دھڑے بندی یا انتشار دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس لیے کہ بی جے پی کا وجود ایک نقطے پر مرکوز ہے اور وہ ہے آر ایس ایس اور سنگھ پریوار کے ساتھ وفاداری۔ جو اس سے جڑا رہے گا وہ دھڑے بندی نہیں کرے گا، اور جو اس سے ہٹے گا وہ ناصرف اپنی حیثیت اور مقام کھو دے گا بلکہ سنگھ پریوار سے دشمنی پال کر وہ اپنی جان و مال کو بھی خطرے میں ڈال دے گا۔

وشوا ہندو پریشد (Vishva Hindu Parishad)

وشوا ہندو پریشد (World Hindu Council) یا 'وی ایچ پی' (VHP) سنگھ پریوار سے منسلک ایک متشدد اور جارحیت پسند تنظیم ہے۔ اس تنظیم کے قیام سے اب تک اقلیتوں کے خلاف فسادات میں سنگھ پریوار کی طرف سے اسی تنظیم کے غنڈے تشدد میں ملوث ہوتے ہیں۔ چاہے وہ بابری مسجد کی شہادت ہو یا گجرات فسادات اور اس طرح کے دیگر فسادات یا

مسلمانوں کی ہجوم زنی کا معاملہ ہو، بنیادی کردار اسی تنظیم اور اس تنظیم کے یوتھ ونگ بجرنگ دل کے غنڈوں کا ہوتا ہے۔

وی ایچ پی، بدھ، جین، سکھ اور مقامی قبائلی مذاہب کو ہندو برادری کا حصہ تصور کرتی ہے۔ وی ایچ پی کا قیام ۲۹ اگست ۱۹۶۴ء کو بمبئی میں ایک کانفرنس میں ہوا۔ اس کانفرنس کی میزبانی آر ایس ایس کا سربراہ ایم ایس گولوالکر کر رہا تھا۔ ہندو، سکھ، بدھ اور جین مذاہب کے بہت سے نمائندوں کے علاوہ تبت کے بدھوں کا مشہور مذہبی پیشوا 'دلائی لامہ' بھی اس اجلاس میں موجود تھا۔ اس لیے دلائی لامہ کا شمار ویشوا ہندو پریشد کے بانی ارکان میں ہوتا ہے۔ گولوالکر نے اس اجلاس میں کہا کہ ہندوستان کے تمام دھارمک مذاہب کو متحد ہونے کی ضرورت ہے اور لفظ 'ہندو' کا اطلاق ان سب دھارمک مذاہب پر ہوتا ہے۔ آر ایس ایس کے ایک پرچارک 'ایس ایس آپٹے' نے اپنی تقریر میں کہا:

> "دنیا عیسائیوں، اسلام اور اشتراکیوں کے درمیان تقسیم ہے۔ یہ سب ہندو سماج کو ایک اچھی اور مزیدار خوراک سمجھتے ہیں، جس پر یہ دعوتیں اڑاتے ہیں اور خود کو موٹا کرتے ہیں۔ تصادم کے اس دور میں اب ضروری ہو گیا ہے کہ 'ہندو دنیا' کے بارے میں سوچا جائے اور اسے منظم کیا جائے تاکہ اسے ان تینوں کے شر سے محفوظ کیا جاسکے۔"[1]

اس کانفرنس کے شرکا اور بانی ارکان میں ہندوؤں کا روحانی رہنما چِن مایانند سرَسوَتی (Chinmayananda Sarasvati) بھی موجود تھا۔ دیگر نامور بانی رہنماؤں میں مشہور سکھ رہنما 'ماسٹر تارا سنگھ'[2]، نامدھاری سکھ[3] رہنما 'ست گورو جگجیت سنگھ' اور کانگرس کا مشہور رہنما راماسوامی لیئر بھی شامل تھے۔

اس کانفرنس میں تنظیم کا نام 'ویشوا ہندو پریشد' منتخب ہوا، چن مایانند سرسوتی کو اس کا بانی صدر بنایا گیا، جبکہ ایس ایس آپٹے کو اس کا بانی جنرل سیکریٹری منتخب کیا گیا۔ اس تنظیم کے باقاعدہ اعلان کے لیے ۱۹۶۶ء میں الہ آباد میں کمبھ کے میلے میں ایک عالمی اجتماع منعقد کرنا طے کیا گیا۔

یہ تنظیم ہندو گوروؤں کے مذہبی اجتماع 'دھرم سنسد' سے براہ راست رہنمائی حاصل کرتی ہے۔ ان 'دھرم سنسدوں' میں وی ایچ پی کے لیے ہدایات اور آگے کی حکمت عملی وضع کی جاتی ہے۔ دسمبر ۲۰۲۱ء میں ہری دوار میں منعقد ہونے والے 'دھرم سنسد' میں مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے اور ان کی نسل کشی کرنے کا اعلان کیا گیا ہے۔

وی ایچ پی کا دعویٰ ہے کہ اس کے ارکان کی تعداد ۶۸ لاکھ سے زیادہ ہے۔ جبکہ ہندوستان سے باہر ۲۹ ممالک میں اس کی شاخیں پائی جاتی ہیں۔

مقصد اور بنیادی کام

وی ایچ پی سرکاری طور اپنا مقصد "ہندو سماج کو منظم اور مستحکم کرنا اور ہندو دھرم کی خدمت اور حفاظت کرنا" بتاتی ہے۔ اس کے علاوہ وی ایچ پی پوری دنیا میں ہندوؤں کا اور ان کے حقوق کا تحفظ بھی اپنا مقصد بتاتی ہے۔ اس تنظیم کے بنیادی کام اور اہداف درج ذیل ہیں:

- ہندو مندروں کی تعمیر اور ترقی۔
- اُن مساجد اور دیگر عبادت گاہوں کی نشاندہی کرنا جہاں پہلے کبھی مندر تھا، اور وہاں دوبارہ مندر بنانے کی تحریک چلانا۔
- گائے ذبح کرنے پر پابندی لگوانا اور گاؤکشی روکنے کے لیے ہر طرح کی کوشش کرنا۔
- ہندوؤں کی مذہب تبدیلی کے آگے بند باندھنا اور جو لوگ مسلمان یا عیسائی بن چکے ہوں انہیں واپس ہندو بنانا۔

تبدیلیٔ مذہب سے متعلق اقدامات

وی ایچ پی کے ارکان ایسے ہندوؤں کی نشاندہی کرنے میں متحرک رہتے ہیں جن کے متعلق یہ خدشہ ہو کہ یہ مذہب تبدیل کر سکتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے اس تنظیم نے خصوصی تربیت یافتہ ارکان پر مشتمل ایک ٹیم بنا رکھی ہے جسے 'دھرم پرشار وبھاگ' یعنی مذہبی تبلیغ کا یونٹ کہتے ہیں۔ اس یونٹ کا کام ایسے لوگوں کی نشاندہی کرنا ہے جن کے متعلق گمان ہو کہ وہ مسلمان یا عیسائی ہو جائیں گے۔ یہ یونٹ پہلے ان لوگوں کو اپنا مذہب نہ چھوڑنے پر قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اگر قائل نہ ہوں تو زور زبردستی اور دھونس ودھمکی سے بھی اجتناب نہیں کرتا۔ ہندو معاشرے میں چونکہ دلت بہت زیادہ پستے ہیں اِسی لیے سب سے زیادہ وہی مذہب تبدیل کرنے کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ دلتوں کے حوالے سے اس یونٹ کا طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ اپنا مذہب چھوڑنے پر بضد رہیں تو انہیں بدھ مت قبول کرنے کی طرف لایا جائے، لیکن کسی بھی طور پر انہیں مسلمان یا عیسائی نہ ہونے دیا جائے۔

اس کے علاوہ وی ایچ پی "گھر واپسی" کے نام سے اُن لوگوں کو دوبارہ اپنے پرانے مذہب پر لانے کی مستقل تحریک چلا رہی ہے جنہوں نے اپنا دھارمک مذہب چھوڑ کر اسلام یا عیسائیت

---

[1] Hinduism and Modernity (2003) by David James Smith p. 189

[2] ماسٹر تارا سنگھ ہندوستان کی تحریک آزادی کا مشہور سکھ رہنما ہے۔ اس کی شہرت یا دوسرے لفظوں میں بدنامی کی اصل وجہ تقسیم ہند کے دوران ہندوستان میں موجود اور پاکستان ہجرت کے لیے جانے والے مسلمانوں کا قتل عام کروانا ہے۔

[3] نامدھاری سکھوں کا ایک فرقہ ہے۔ اس فرقے کا عقیدہ ہے کہ خدا کے نام کا مستقل ذکر کرتے رہنے کے علاوہ کسی اور مذہبی عبادت کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے یہ 'نام' دھاری کہلاتے ہیں۔ اس کے علاوہ انہیں 'کوکے' بھی کہا جاتا ہے جو پنجابی کے لفظ 'کوک' سے نکلا ہے جس کے معنی چیخ ہیں۔ یہ نام ان کا اس لیے پڑا کہ یہ اپنی ذکر کی محفلوں میں ذکر کے دوران چیخ مارتے ہیں۔

قبول کرلی ہے۔ اس میں واپس دھارمک مذہب قبول کرنے والوں کی زیادہ بڑی تعداد عیسائیوں کی ہوتی ہے لیکن ایک قلیل تعداد مسلمانوں کی بھی ہوتی ہے۔ اس حوالے سے یہ تنظیم اپنی کارکردگی کی باقاعدہ رپورٹ بھی نشر کرتی ہے۔ وی ایچ پی کے دعووں کے مطابق ۱۹۸۲ء سے ۱۹۸۵ء تک اس نے ۶۶ ہزار افراد کو واپس ہندو بنایا۔ اسی طرح ۲۰۰۲ء میں ۱۵۰۰۰ افراد کو دوبارہ ہندو بنایا۔ جبکہ ۲۰۰۴ء میں ۱۲،۸۵۷ افراد کو دوبارہ ہندو بنایا جن میں ۳،۲۷۷ مسلمان جبکہ ۹،۱۳۰ عیسائی تھے۔

خاص ہندوؤں کے تبدیلیٔ مذہب کو روکنے کے لیے اور "گھر واپسی" مہم کے لیے وی ایچ پی نے کچھ ذیلی تنظیمیں بھی بنا رکھی ہیں۔ ان ذیلی تنظیموں میں سب سے زیادہ متحرک "ہندو جگرن منچ" ہے، جبکہ مختلف ریاستوں میں چھوٹی سطح پر اس سے ملتے جلتے ناموں کی مزید ذیلی تنظیمیں بھی موجود ہیں۔ ۲۰۱۴ء میں بی جے پی کے حکومت آنے کے بعد سے یہ ساری تنظیمیں "گھر واپسی" مہم میں بہت متحرک ہیں۔

مساجد کو مندر بنانے کی تحریک

اپنے قیام کے فوراً بعد سے ہی ویشوا ہندو پریشد مساجد گرانے اور انہیں مندر بنانے کی تحریک چلاتی رہی ہے۔ اس حوالے سے بابری مسجد کو شہید کرنے میں اس کا بنیادی کردار رہا ہے۔ ۱۹۸۴ء میں وی ایچ پی نے 'رام جنم بھومی' تحریک شروع کی اور دعویٰ کیا کہ سولہویں صدی عیسوی میں مغل بادشاہ بابر نے رام جنم بھومی پر بنے مندر کو گرا کر وہاں بابری مسجد بنائی تھی۔ اسی سلسلے میں ۱۹۹۰ء میں ایڈوانی نے جورتھ یاترا شروع کی اس میں وی ایچ پی کے غنڈے بڑی تعداد میں شامل تھے جنھوں نے ہر طرف مسلمانوں کے خلاف فسادات مچائے۔ اور ۱۹۹۲ء میں بابری مسجد کو شہید کرنے میں بڑی تعداد وی ایچ پی کے غنڈوں کی ہی تھی۔

بابری مسجد کو شہید کرنے کے بعد وہیں کھڑے ہو کر وی ایچ پی کے غنڈوں نے نعرہ لگایا تھا، "یہ تو ابھی جھاکی ہے کاشی متھرا باقی ہے"۔ اس سے مراد کاشی (بنارس) میں گیان واپی مسجد کو مندر میں تبدیل کرنا اور متھرا (اُترپردیش) میں شاہی عید گاہ مسجد کو ختم کر کے مندر کا حصہ بنانا شامل ہے۔

۲۰۱۹ء میں بی جے پی کے دوبارہ حکومت میں آنے کے بعد سے کاشی اور متھرا مساجد کو مندر بنانے کی تحریک نے زور پکڑ لیا ہے۔ اس حوالے سے وی ایچ پی قانون کا سہارہ بھی لے رہی ہے اور عوامی سطح پر بھی ماحول ساز گار کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

بجرنگ دل (Bajrang Dal)

بجرنگ دل (ہنومان[1] کا دستہ) ویشوا ہندو پریشد کا 'یوتھ ونگ' ہے۔ اس کا قیام اُترپردیش میں ہوا اس کے بعد یہ باقی ہندوستان میں بھی پھیل گئی۔ اس کی بھی آر ایس ایس کی طرح کی شاخیں ہیں جسے 'اکھاڑہ' کہا جاتا ہے۔ بجرنگ دل کے پورے ہندوستان میں ۲۵۰۰ اکھاڑے ہیں۔

بجرنگ دل کا قیام اکتوبر ۱۹۸۴ء میں عمل میں آیا جب ویشوا ہندو پریشد رام جنم بھومی تحریک چلا رہی تھی۔ اس تحریک کے دوران وی ایچ پی روزانہ کی بنیاد پر جلوس نکال رہی تھی جس میں ہندوؤں کو جوش دلانے کے لیے فرقہ وارانہ اور اشتعال انگیز تقاریر کی جاتی تھیں۔ ان اشتعال انگیز تقاریر کی وجہ سے فرقہ وارانہ تناؤ بڑھ رہا تھا اور فسادات پھوٹ پڑنے کا اندیشہ موجود تھا۔ اس اندیشے کے پیش نظر وشوا ہندو پریشد نے اس یوتھ ونگ کی بنیاد رکھی، جو ان جلوسوں کی حفاظت کرے۔ آنے والے سالوں میں اقلیتوں کے خلاف غنڈہ گردی اس تنظیم کا مستقل کام بن گیا۔

بجرنگ دل کے اہداف و مقاصد

بجرنگ دل اپنا مقصد "ہندوستان کی 'ہندو' شناخت کو اشتراکیت، مسلمانوں کی بڑھتی آبادی اور عیسائیوں کے تبدیلیٔ مذہب کے مشن کے خطرات سے حفاظت" بتاتی ہے۔ اس کے علاوہ بجرنگ دل کے اہداف درج ذیل ہیں۔

- ایودھیا میں رام مندر کی تعمیر
- مَتھرا کی شاہی عید گاہ مسجد کی جگہ کرشن جنم بھومی مندر
- بنارس میں گیان واپی مسجد کی جگہ کاشی وشواناتھ مندر
- گاؤکشی کی روک تھام

فسادات میں کردار

ویشوا ہندو پریشد اور بجرنگ دل کے قیام کے بعد سے ہندوستان میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے خلاف ہونے والے تمام فسادات میں یہی تنظیمیں ملوث رہتی ہیں۔ اقلیتوں کے خلاف شروع کیے گئے فسادات اور ان کے خلاف شروع کی گئی مہمات کی فہرست بہت طویل ہے۔ ۲۰۱۹ء میں بی جے پی کے دوبارہ حکومت میں آنے کے بعد تقریباً ہر ہفتے ہی کوئی نہ کوئی نیا سانحہ پیش آتا ہے یا ان تنظیموں کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف کوئی نئی مہم شروع ہو جاتی ہے۔ ان میں سے کچھ چنیدہ اور اہم واقعات کا ذیل میں ذکر کیا جا رہا ہے۔

- ۱۹۹۲ء میں بابری مسجد کی شہادت میں بجرنگ دل کے غنڈوں نے بنیادی کردار ادا کیا۔

[1] ہنومان ہندوؤں کا بندر کی شکل والا دیوتا ہے۔ شمالی ہندوستان میں اسے بجرنگ بَلی بھی کہا جاتا ہے۔

- ۲۰۰۲ء کے گجرات فسادات میں مسلمانوں کو شہید کرنے، مسلمان عورتوں کی عصمت دری کرنے اور مسلمانوں کی املاک کو تباہ کرنے کا کام بھی بجرنگ دل کے غنڈوں نے ہی کیا۔
- بجرنگ دل نے ۲۰۰۳ء میں مہاراشٹر کے شہر پربھانی میں ایک مسجد میں بم دھماکہ کیا۔
- اپریل ۲۰۰۶ء میں دو بجرنگ دل کے غنڈے مہاراشٹر کے شہر نندد میں بم بناتے ہوئے مارے گئے۔ مرنے والے غنڈوں کے پاس سے بہت سی مساجد کے نقشے برآمد ہوئے جہاں بم دھماکے کرنے کا منصوبہ تھا۔
- بجرنگ دل نے گجرات کے مختلف علاقوں میں مسلمانوں پر زمین خریدنے پر پابندی لگا رکھی ہے۔ جو کوئی بھی مسلمانوں کو زمین، گھر یا فلیٹ بیچے، بجرنگ دل کے غنڈے اسے بھی تشدد کا نشانہ بناتے ہیں، اس مسلمان کے گھر پر بھی حملہ کرتے ہیں اور اسے مجبور کرتے ہیں کہ وہ گھر بیچ کر وہاں سے چلا جائے۔
- ستمبر ۲۰۰۸ء میں بجرنگ دل کے غنڈوں نے کرناٹک میں عیسائیوں کے بہت سے گرجا گھروں اور عبادت گاہوں کو تباہ کر دیا اس الزام پر کہ یہ ہندو دیوتاؤں کی توہین کرتے ہیں اور ہندوؤں کو عیسائی بنانے کا کام کرتے ہیں۔ اسی عرصے میں بجرنگ دل کے غنڈے کرناٹک اور اوڑیسہ میں عیسائیوں کے خلاف فسادات میں بھی ملوث رہے۔
- ۲۰۱۵ء سے بجرنگ دل اور ویشوا ہندو پریشد نے گاؤ رکھشا (گائے کی حفاظت) کے نام سے ایک تحریک شروع کر رکھی ہے جس کے تحت گائے ذبح کرنے کے الزام میں مسلمانوں اور نچلی ذات کے ہندوؤں کو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ گاؤ رکھشا کے نام پر وی ایچ پی اور بجرنگ دل کے غنڈے مستقل مسلمانوں کو ہجوم زنی کے ذریعے سے شہید کر رہے ہیں۔
- ۲۰۲۰ء میں اُتر پردیش میں یوگی ادتیہ ناتھ کی حکومت نے نام نہاد 'لَو جہاد' کو روکنے کے لیے 'غیر قانونی تبدیلیٔ مذہب پر پابندی کا بل' پاس کیا۔ اس بل کے بعد اُتر پردیش میں بجرنگ دل کے غنڈوں کو کھلی چھٹی دے دی گئی کہ اگر کوئی ہندو لڑکی کی شادی کسی مسلمان یا عیسائی لڑکے سے ہو رہی ہو یا اگر کسی اونچی ذات کی لڑکی کی شادی کسی نیچ ذات کے لڑکے سے ہو رہی ہو تو اسے زبردستی روک دیا جائے۔
- ۲۰۲۲ء میں ویشوا ہندو پریشد اور بجرنگ دل نے حلال گوشت کی خرید و فروخت کے خلاف تحریک شروع کی۔ اس تحریک کے دوران ان تنظیموں کے کارندے گھر گھر جا کر لوگوں کو حلال گوشت خریدنے سے منع کرتے رہے۔ اسی تحریک کے دوران مارچ ۲۰۲۲ء میں بجرنگ دل کے غنڈوں نے حلال گوشت بیچنے والوں کو بھی تشدد کا نشانہ بنایا۔

سوشل میڈیا پر کام

بجرنگ دل کے کارندے سوشل میڈیا پر بھی بہت متحرک ہیں۔ فیس بک کی سیکورٹی ٹیم نے اپنی ایک رپورٹ میں بجرنگ دل کو ایک خطرناک تنظیم کہا جو ہندوستان میں اقلیتوں کے خلاف تشدد پر ہندوؤں کو ابھارنے کے لیے سوشل میڈیا کا استعمال کرتی ہے۔ اس کے باوجود بجرنگ دل اور اس طرح کے دیگر ہندو قوم پرستوں کے اکاؤنٹ اور ان کا مواد فیس بک سے ہٹایا نہیں جاتا کیونکہ فیس بک کو ایسا کرنے سے انڈیا میں بڑے کاروباری نقصان کا اندیشہ ہے۔

درگا واہنی (Durga Vahini)

درگا واہنی (درگا[1] کا لشکر) وشوا ہندو پریشد کا خواتین ونگ ہے۔ اس کا قیام ۱۹۹۱ء میں رام جنم بھومی تحریک کے عروج کے دوران ہوا۔ اس کی بانی سربراہ سادھوی رِتھمبرا (Sadhvi Rithambara) تھی۔ یہ وہ عورت ہے جس کا بابری مسجد کی شہادت میں بہت اہم کردار ہے۔ اس کا شمار اُن مقررین میں ہوتا ہے جنہوں نے ہندو غنڈوں کو بابری مسجد کو شہید کرنے کے لیے ورغلایا۔ یہ خود بھی بابری مسجد کو شہید کرنے کے کام میں آگے آگے شریک رہی۔

درگا واہنی میں خاص طور پر ایسی نوجوان عورتوں کو بھرتی کیا جاتا ہے جن کا تعلق کم آمدنی والے گھرانوں اور نچلی ذات کے خاندانوں سے ہو۔ شامل ہونے والی عورتوں کو کراٹے کی اور لاٹھی چلانے کی تربیت دی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہندُتوا کی نظریاتی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ اس طرح کی خواتین کو اس لیے بھرتی کیا جاتا ہے تاکہ ان سے فسادات اور تشدد کے حوالے سے خطرناک کام لیے جا سکیں جو کہ خوشحال گھرانوں اور اونچی ذات کے خاندانوں کی عورتوں سے نہیں لیے جا سکتے۔ اس لیے ایسے خطرناک کاموں کے لیے ان کی غریبی اور نچلی ذات کا استحصال کیا جاتا ہے۔ جب سنگھ پریوار مسلمانوں کے خلاف کوئی فساد شروع کرنے کا ارادہ رکھتی ہے تو ہندوؤں کا کوئی مذہبی جلوس مسلمانوں کے علاقوں سے گزارتی ہے۔ اس کے دوران درگا واہنی کی عورتیں جلوس میں آگے بڑھ کر مسلمانوں کے علاقے میں مسلمانوں کا سامنا کرتی ہیں، مسلمانوں کو بھڑکانے کے لیے اشتعال انگیز نعرہ بازی کرتی ہیں اور پوری کوشش کرتی ہیں کہ کسی طرح سے مسلمان اشتعال میں آکر کوئی ایسا اقدام کر دیں جس کو بہانہ بنا کر بجرنگ دل کے غنڈے اُن پر حملہ کر دیں۔ اور جب فساد شروع ہو جائے تو درگا واہنی کی عورتیں بجرنگ دل کے غنڈوں کے ساتھ لاٹھیاں اٹھائے مسلمانوں پر حملوں میں بھی پیش پیش ہوتی ہیں۔

بابری مسجد کی شہادت میں بھی سادھوی رتھمبرا کی قیادت میں درگا واہنی کی عورتیں بابری مسجد کو شہید کرنے میں بڑھ چڑھ کر شریک تھیں۔

(باقی صفحہ نمبر 43 پر)

[1] درگا ہندوؤں کی کئی بازوؤں والی جنگجو دیوی ہے۔ اسے 'شکتی دیوی' بھی کہتے ہیں، یعنی طاقت کی دیوی۔

نظریاتی جنگیں

مولانا محمد اسماعیل ریحان

مولانا محمد اسماعیل ریحان صاحب (زید مجدہ) کی تالیف 'أصول الغزو الفكري' یعنی 'نظریاتی جنگ کے اصول'، نذرِ قارئین ہے۔ اس وقت مسلمانوں کو اہل باطل کی جانب سے ایک ہمہ گیر اور نہایت تند و تیز فکری و نظریاتی یلغار کا سامنا ہے۔ اس یلغار کے مقابلے کے لیے 'الغزو الفکری' کو دینی و عصری درس گاہوں کے نصاب میں شامل کرنا از حد ضروری ہو چکا ہے۔ دینی و عصری درس گاہوں میں اس مضمون کو شامل کرنے کے ساتھ ساتھ 'الغزو الفکری' یعنی نظریاتی جنگ کے مضمون و عنوان کو معاشرے کے فعال طبقات خصوصاً اہلِ قلم، اسلامی ادیبوں اور شاعروں، اہلِ دانش، صحافیوں، پیشہ ور (پروفیشنل) حضرات نیز معاشرے کہ ہر مؤثر طبقے میں بھی عام کرنا از حد ضروری ہے۔ اس مقصد کے لیے 'اصول الغزو الفکری' کے عنوان سے اس علم کے اہم مباحث کو مختصر طور پر مولانا موصوف نے پیش کیا ہے۔ مولانا موصوف ہی کے الفاظ میں 'در حقیقت یہ اس موضوع پر تحریر کردہ درجنوں تصانیف کا خلاصہ ہے جس میں پاک و ہند کے پس منظر کا نسبتاً زیادہ خیال رکھا گیا ہے'۔ یہ تحریر اصلاً نصابی انداز میں لکھی گئی ہے، لیکن اس کے باوجود خشکی سے پاک ہے اور متوسط درجۂ فہم والے کے لیے بھی سمجھنا آسان ہے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ ہم مسلمانوں کو نظریاتی و عسکری محاذوں کو سمجھنے، ان محاذوں کے لیے اعداد و تیاری کرنے اور پھر ہر محاذ پر اہلِ باطل کے خلاف ڈٹنے کی توفیق ملے۔ اللہ پاک مولانا محمد اسماعیل ریحان صاحب کو جزائے خیر سے نوازیں کہ انہوں نے ایسے اہم موضوع کے متعلق قلم اٹھایا، اللہ پاک انہیں اور ہم سب اہلِ ایمان کو حق پر ثبات اور دین کا صحیح فہم عطا فرمائیں، آمین یا ربّ العالمین! (ادارہ)

سرمایہ داری اور سوشلزم

سرمایہ داری (Capitalism):

سرمایہ داری لبرل ازم کی شاخ ہے جو خواہشات کی تکمیل کے لیے فرد کو زیادہ سے زیادہ آزادی اور اختیار دینے کی قائل ہے کیونکہ اس کے نزدیک فرد بذات خود خیر و شر کا تعین کر سکتا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کی تعریف یہ ہے:

''یہ ایک معاشی، سیاسی اور معاشرتی نظام ہے، جو جائداد، تجارت اور صنعت میں نجی ملکیت تسلیم کرتا ہے اور کامیاب تنظیموں اور لوگوں کے لیے زیادہ سے زیادہ ممکنہ منافع کمانے کی راہ ہموار کرتا ہے۔''

سرمایہ داری کے تین اصول ہیں:

۱۔ مادی مفاد اور حرص ہی انسانی فکر و عمل کا واحد محرک ہے۔

۲۔ مذہبی اخلاقیات غیر ضروری ہیں۔

۳۔ اجتماعی مفاد کا دائرۂ کار وسیع سے وسیع تر ہونا چاہیے۔

سرمایہ دارانہ معاشرے میں حکومت صنعتی و تجارتی امور میں کوئی مداخلت نہیں کرتی۔ لوگوں میں وسائل پر زیادہ سے زیادہ قبضے کی دوڑ لگ جاتی ہے۔ چھوٹا سرمایہ دار بڑا سرمایہ دار بن جاتا ہے، سرمایہ داروں کی تنظیمیں بننے لگتی ہیں اور وہ زیادہ سے زیادہ نفع کے لیے غیر معمولی طور پر منظم اور وسعت پذیر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہی چند افراد پوری قوم کی دولت پر قابض ہو جاتے ہیں، اخلاقی اقدار پامال ہو جاتی ہیں۔ گرانی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ امیر، امیر سے امیر تر اور غریب، غریب سے غریب تر ہوتا جاتا ہے۔

اشتراکیت (Socialism):

اشتراکیت کمیونیٹیرین ازم کے بطن سے نکلی ہے جو خواہشات کی تکمیل کے لیے فرد کی جگہ معاشرے کو زیادہ سے زیادہ اختیار دینے کی حامی ہے کیونکہ اس کے نزدیک فرد بذاتِ خود خیر و شر کا تعین نہیں کر سکتا بلکہ یہ کام نوعِ انسانی ہی مجموعی طور پر انجام دے سکتی ہے۔

سوشلزم کی تعریف یہ ہے:

''سوشلزم ایک معاشرتی و اقتصادی نظریہ ہے جو ذاتی ملکیت یا زمین اور قدرتی وسائل کے کنٹرول کی بہ نسبت عوامی غلبے کی دعوت دیتا ہے۔''

اشتراکیت کے نزدیک سرمایہ داری (Capitalism) کی وجہ سے عوام دو طبقوں میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ ایک طبقہ بورژوائی (Capitalist) ہے یعنی سرمایہ دار، اور دوسرا پرولتاری (Prolitariat) ہے یعنی محنت کش۔ سرمایہ دار طبقہ اپنے سرمائے کی قوت سے محنت کش طبقے کا استحصال (Exploitation) کرتا ہے، اشتراکیت اس استحصال سے نجات کا راستہ بتاتی ہے۔

اشتراکیت کا بانی کارل مارکس ۱۸۱۸ء میں جرمنی میں پیدا ہوا۔ وہ نسلاً یہودی تھا۔ اس نے ایک نیا فلسفہ 'جدلی مادیت' پیش کیا جس میں معاشرے کے تمام تغیرات و انقلابات کی مادی اور معاشی توجیہہ پیش کی۔ اس کا کہنا تھا کہ انسانی زندگی کا انحصار معیشت پر ہے۔ معاشی عوامل ہی مذہب، تہذیب، فلسفے، ادب اور نظریات میں تبدیلیاں لاتے ہیں۔

مارکس تاریخ کے مطالعے پر خاص زور دیتے ہوئے کہتا تھا کہ انسانی طبقات کی کشمکش کی تاریخ کا مطالعہ لازمی ہے۔ طبقات کی کشمکش ہی سے حق کی تعمیر ہوتی ہے اور اس کشمکش کے مطالعے ہی سے حق کی پہچان ہو سکتی ہے۔ مارکس نظریۂ تاریخ سے اپنا مشہور نظریہ یعنی نظریۂ طبقاتی نزاع (Class Struggle) بھی پیش کرتا ہے۔ جس کے مطابق ہر معاشی نظام جب ترقی کے

ایک خاص مقام پر پہنچ جاتا ہے تو کچھ نئی قوتیں سامنے آتی ہیں جو معیشت کے پیداواری عمل میں شریک ہوتی ہیں۔ وہ مروجہ نظام کی طبقاتی تقسیم اور ملکیتی قوانین کو تبدیل کرنے کا مطالبہ کرتی ہیں تاکہ انہیں آمدن سے زیادہ حصہ مل سکے۔ بالادست طبقہ اس مطالبے کو نظر انداز کرتا ہے مگر زیر دست طبقہ اس کے خلاف احتجاج کرتا ہے اور یوں طبقاتی کشمکش جنم لیتی ہے۔ مارکس کا کہنا تھا کہ اس کشمکش کے نتیجے میں معاشرے کی اقدار تبدیل کرنے والے فیصلے طے پاتے ہیں۔ اسی کشمکش سے آخر کار زیرِ دست طبقہ غالب آجاتا ہے اور بالادست طبقہ شکست کھاجاتا ہے۔

مارکس کے اس فلسفے کو ایک دوسرے یہودی لیڈر لینن نے نافذ کر دکھایا، وہ ۱۹۱۷ء میں روسی بادشاہت کا تختہ الٹ کر 'کمیونسٹ انقلاب' لانے میں کامیاب ہو گیا اور ایک لادینی حکومت قائم کی جو اسرائیل کی حامی اور مسلمانوں کی بدترین دشمن تھی۔

سوشلزم اور کمیونزم میں فرق:

- عموماً سوشلزم سے مراد ایک معاشی نظریہ ہوتا ہے۔ کمیونزم سے مراد عموماً ایک معاشی نظریہ بھی ہوتا ہے اور سیاسی تحریک بھی۔
- سوشلزم ایک ابتدائی حالت ہے جس میں وقتی طور پر عوامی مفاد کے لیے ریاست کے کردار کو تسلیم کیا جاتا ہے اور تمام اختیارات اسے دے دیے جاتے ہیں۔ کمیونزم، سوشلزم کا انتہائی اسٹیج ہے جس میں ریاست کا کردار ختم ہو جاتا ہے اور براہِ راست مزدور طبقے کی بالادستی قائم ہو جاتی ہے۔

سوشلزم کے مبینہ مقاصد اور اصل مقصد:

اشتراکیت کے درج ذیل اہم مقاصد بیان کیے جاتے ہیں۔

۱۔ مزدور طبقے کو سرمایہ دار کے استحصال سے نجات دلائی جائے۔
۲۔ امیر و غریب اور مالک و مزدور کی تقسیم کو ختم کر کے ایک غیر طبقاتی سماج وجود میں لایا جائے۔
۳۔ ضروریاتِ زندگی، روٹی، کپڑا اور مکان ہر شخص کو مہیا ہو۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ تینوں مقاصد صرف ظاہری نعرے تھے۔ سوشلزم کا اصل مقصد انسان کی مذہب سے آزادی، خواہش پرستی اور یہود کی بالادستی تھا۔ سوشلزم کے بانی اور تمام بڑے قائدین یہودی تھے جنہوں نے معاشی انقلاب کا دھوکہ دے کر روس جیسے ملک کی حکومت حاصل کر لی۔

اسلامی سوشلزم:

اٹھارہویں صدی میں کمیونسٹوں کا طریقِ کار یہ تھا کہ عوام میں اپنے معاشی نظام کو مقبول بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ پھر جو ان کے پختہ کارکن بن جاتے تھے انھیں لامذہبیت اور دہریت کی طرف لے جاتے۔

مذہب کے بارے میں لینن کی اصل رائے تو یہ تھی "نفسِ مذہب کے خلاف جنگ کرنا ہر اشتراکیت کے لیے ضروری ہے، تاآنکہ دنیا سے مذہب کا وجود ہی مٹ جائے"۔
(لیبر منتھلی، دسمبر ۱۹۲۶ء)

مگر اسلامی ممالک کے اندر اشتراکیت کا جال پھیلانے کے لیے لینن نے یہ تجویز دی: "ہمیں اپنی تحریک چلانے کے لیے مشرق میں مذہب کے دروازے سے داخل ہونا چاہیے"۔
(سوشلسٹ علماء کا کردار، صفحہ ۹)

چنانچہ کمیونسٹوں نے مسلم دنیا میں دین کا نام لے کر اور اسلامی سوشلزم کی اصطلاح اپنا کر لوگوں کو دین سے بیگانہ بنانا شروع کر دیا، وہ کہتے تھے کہ "اسلام وہ مذہب ہے جو معاشی مساوات کا علمبردار ہے۔ اسلام امیر اور غریب کا فرق مٹاتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا اہم ترین مقصد معاشی استحصال کو مٹانا تھا"۔

اس دعوت سے لوگوں کے ذہنوں میں یہ تصور قائم ہوتا ہے کہ اسلام بھی سوشلزم کی طرح ایک معاشی نظام اور سیاسی دستور ہے۔

خلاصۂ بحث:

سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت کی منزل ایک ہی ہے، صرف راستہ مختلف ہے۔ دونوں ہی سرمایہ داری کی اقسام ہیں۔ ایک 'لبرل سرمایہ داری' اور دوسری 'اشتراکی سرمایہ داری'۔

اشتراکیت بھی سرمایہ داری کی طرح مادی مفاد کو ہدفِ اولین مانتی ہے اور روحانی ہدایت کو لایعنی قرار دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں نظاموں میں سے کوئی ایک بھی کسی طور مذہب کی بالادستی کو برداشت نہیں کرتا۔ سرمایہ داری اور اشتراکیت کا اصل کے اعتبار سے ایک ہونا مشاہدے سے بھی معلوم ہو سکتا ہے کیونکہ ان دونوں نظاموں نے جن تہذیبوں کو جنم دیا ہے ان میں قطعاً کوئی فرق دکھائی نہیں دیتا۔

حقیقت یہ ہے کہ سرمایہ دار اور اشتراکی حکومتیں دونوں یہود کے جال ہیں۔ یہ ڈاکوؤں کے دو گروہ ہیں جو اپنی اپنی لوٹ مار کی حدود طے کر چکے ہیں اور ان کے درمیان بقائے باہم کا اصول قائم ہے۔ ان کے اختلافات اور جھگڑوں کے پس پردہ بھی ایک گہری سازش کارفرما ہے، وہ یہ کہ اگر کوئی قوم یا کوئی ریاست ایک نظام سے تنگ آکر......

(باقی صفحہ نمبر 60 پر)

مع الأُستاذ فاروق

معین الدین شامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں، بلاشبہ اللہ ہی کے لیے ہیں۔ وہ اللہ جو ہمارا ربّ ہے، ہمارا ہے، ہمارا اللہ ہے! اسی نے ہمیں پیدا کیا اور وہی ہمیں موت دیتا ہے اور بلاشبہ اس نے موت و حیات کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ دیکھے کہ ہم میں سے کون ہے جو بہترین عمل کرتا ہے۔

مع الأستاذ فاروق، استاد احمد فاروق کے ساتھ چند ملاقاتیں، ان کی چند یادیں، ان کی قیمتی باتیں، ان کی بعض ایسی باتیں جو مجھے خاص طور پر اچھی لگیں۔ حضرتِ استاذ سے آج تک جتنی ملاقاتیں رہیں، سب کا احوال اور سب کی سب تو یاد نہیں، لیکن جتنی ذہن میں تازہ ہیں سب ہی لکھنے کا ارادہ ہے کہ یہ ان شاء اللہ توشۂ آخرت ہوں گی، مجھ سمیت حضرتِ استاذ کے محبّین کے لیے دنیا و آخرت میں فائدہ مند ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ صحیح بات، صحیح نیت اور صحیح طریقے سے کہنے والوں میں شامل فرمالے۔ نوٹ: اس سلسلہ ہائے مضامین میں جہاں بھی 'استاذ' کا لفظ آئے گا تو اس سے مراد شہید عالمِ ربّانی استاد احمد فاروق (رحمہ اللہ) ہوں گے۔

۲۰۱۲ء کی آخری ملاقات

الحمد لله وكفىٰ والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء.

اللّٰهم وفقني كما تحب وترضى والطف بنا في تيسير كل عسير فإن تيسير كل عسير عليك يسير، آمين!

یہ محفلِ استاذ ۲۰۱۲ء کے ابتدائی ایام پر مشتمل ہے۔ یہ استاذ کے ساتھ مستقل صحبت کے میرے آخری آخری دن تھے۔

میرے مرشد، ظہیر بھائی کی تشکیل استاذ اور مرکزی القاعدہ کے مشائخ نے کہیں اور کر رکھی تھی اور عموماً اگر مرشد کا ذکر آتا تھا تو سبھی کہتے تھے کہ ظہیر بھائی مائزر میں ہیں۔ مائزر شالی وزیرستان کا ایک قصبہ تھا اور چونکہ وزیرستان کے اندرونی فاصلے کچی سڑکوں اور دشوار گزار دروں، پہاڑوں اور دریاؤں و نالوں سے گزرتے تھے لہٰذا وزیرستان ایک پورا ملک محسوس ہوتا تھا جس کی ایک جگہ سے دوسری جگہ تک کا فاصلہ کئی کئی گھنٹوں پر مشتمل ہوتا۔ جس جگہ ہم تھے، یعنی لواڑا منڈی کے قریب کا علاقہ یوں مائزر سے دو تین گھنٹے دور تھا۔ لیکن مرشد دراصل مائزر میں نہ تھے۔ مرشد کی تشکیل ۲۰۱۱ء میں داخلِ پاکستان کر دی گئی تھی اور یہ تشکیل خالص دعوتی و اعلامی تشکیل تھی، یہ تشکیل ظاہراً بھی تھی کہ افراد کو بھیجا گیا تھا، لیکن دعوتی و اعلامی اعتبار سے یہ تشکیل ایک نیا باب بھی تھی، بہر کیف محفلِ ہٰذا کا یہ موضوع نہیں۔

انہی ۲۰۱۲ء کے ایام میں استاذ نے مجھے کہا کہ 'آپ کی تشکیل بھی ہم نے ظہیر بھائی کے ساتھ کر دی ہے'۔ میں نے پوچھا 'مائزر؟!'۔ کہنے لگے 'نیچے!'۔ میں نے جب نیچے کا ذکر سنا تو مزید حیران ہوا۔ ساتھ ہی میں نے فوراً کچھ جذبات کا اظہار کیا۔ نیچے کی اصطلاح مجاہدین پاکستان کے لیے استعمال کرتے تھے اور قبائل کے علاقوں کو اوپر کہتے تھے۔

میں نے جذبات کے اظہار میں کہا کہ میں نیچے تو نہیں جاؤں گا۔ استاذ نے پوچھا کیوں؟ میں نے کہا کہ اتنے فتنوں والی جگہ ہے، ہم تو وہ چھوڑ کر یہاں آئے تھے، اب دوبارہ کیسے چلے جائیں؟ اس پر استاذ نے فرمایا کہ فتنوں والی جگہ سے بھاگنا اچھا جذبہ ہے، بلکہ مطلوب ہے۔ لیکن ہم نے کام بھی تو اسی جگہ، اسی معاشرے میں کرنا ہے۔ لہٰذا وہاں جانا ہوگا۔ بات زیادہ نہیں چلی۔ بس استاذ نے راز کی حفاظت کی اس خصوصی موقع پر بھی تاکید کی اور اس وقت مجلس برخاست ہو گئی۔

ہمارے ایک ساتھی، دانیال بھائی نے مجھے اسی طرح کا ایک واقعہ سنایا کہ شہید کمان دار ڈاکٹر ارشد وحید رحمہ اللہ نے کسی موقع پر کہا کہ 'ہمیں ایسے افراد چاہییں جن کے دل قبائل میں اٹکے ہوئے ہوں[1]، اور یہ ساتھی شہروں میں واپس لوٹنے پر بالکل بھی راضی نہ ہوں (مفتون ہو جانے کے خطرے کے سبب) لیکن جب ہم ان کی تشکیل شہروں کی جانب کریں تو وہ اطاعت میں ایسے ہوں کہ روتے ہوئے جائیں لیکن تشکیلات بہترین طریقے سے گزاریں'۔

دراصل یوں دو باتیں ہمیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہی کہ فتنوں والی جگہ سے بھاگنا چاہیے، جیسا کہ علمائے کرام سے سنا ہے کہ یہ حکم و مطلوبِ شریعت ہے۔ لیکن ساتھ ہی دوسرا یہ کہ ایسے کام ہوتے ہیں مثلاً دعوت اور قتال کہ وہ ہم فتنوں سے مامون جگہوں پر بیٹھ کر کرنے سے رہے۔ یہاں مراد یہ بھی نہیں ہے کہ نیچے کا معاشرہ فتنوں سے بھرا ہے تو ہم اس کو جائے فساد کہہ رہے ہیں اور وہاں کے لوگوں کو فاسد و مفسد۔

ہوتا یوں ہے کہ امیر کو مطلوب شرعاً جائز ایک تشکیل سے بعض لوگ بھاگتے ہیں کہ وہاں فتنہ ہے اور اس فتنے کا خیال نہیں کرتے جس کا ابھی شکار ہو چکے ہیں یعنی اطاعتِ امیر نہ کرنے کا فتنہ۔ جیسا کہ راقم نے امرائے جہاد سے سنا ہے کہ ہاں امیر کو اپنی ضرورت اور اپنی حالت ضرور بتا دینی چاہیے، پھر بھی اطاعت ہمیشہ امیر ہی کی کرنی چاہیے کہ امیر کے سامنے صورتِ حال زیادہ واضح ہوتی ہے۔

استاذ نے میری تشکیل بھی اسی طرح اوائل ۲۰۱۲ء میں نیچے کر دی۔ جتنا عرصہ میں استاذ کے ساتھ اس اطلاع ملنے سے پہلے اور بعد میں رہا یہ راز فاش نہ ہوا کہ ظہیر بھائی کہاں ہیں اور کس قسم کی تشکیل ہے؟ یہاں رازداری کی اہمیت اور ساتھیوں کا رازداری سے کام کرنے کا پہلو

[1] قبائل اس لیے کہا کہ پاکستان میں اس وقت ہجرت و جہاد کی سرزمین اور ہجرت و جہاد کی علامت قبائل اور قبائل میں رہنا تھی۔

معلوم ہوتا ہے۔ رازداری امورِ جہاد میں ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہے۔ جس کسی کا پیٹ ہلکا ہوا، وہ کام بھی گیا اور اس کام کے امکانات بھی اور ایسا ساتھی بھی طویل المدتی کام نہیں کر پاتا۔ اللہ تعالیٰ مجھ سمیت تمام مجاہدین کو رازوں کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائے۔

ہماری نیچے کی تشکیل ایک نئے انداز میں، نئے طریقوں سے اعلامی و دعوتی کام کرنے کی تشکیل تھی، جس سے میں اس وقت کما حقہ بلد نہیں تھا۔ یہ دعوتی و اعلامی طریقہ و ٹرینڈ دنیا میں سوشل میڈیا کے 'کامیاب' ظہور سے سامنے آیا تھا۔ جس کی واضح مثال عرب انقلابات تھے۔ لہٰذا آج کل کے 'ناکام' سوشل میڈیا میں اب تک جو ٹرینڈز اور طریقے دیکھنے میں آرہے ہیں، انہی کے حوالے سے بہت قلیل، لیکن کسی درجے میں بات استاذ رحمہ اللہ سے ان دنوں ہوئی۔ لیکن یہ میرا ان کے ساتھ اس وقت موضوع نہ تھا۔ یہ وضاحت کر دوں کہ سوشل میڈیا کو میں نے اولاً کامیاب اور ثانیاً ناکام کیوں کہا؟ تو میں کسی بھی طریقے کو مکمل کامیاب یا ناکام نہیں کہہ رہا۔ بلکہ صرف اپنا ایک تجربہ نمایاں کر رہا ہوں۔ عرب انقلابات کے باقاعدہ ظہور پذیر ہونے سے قبل دنیا کا سوشل میڈیا اس طرح کنٹرولڈ نہ تھا جیسا اب ہے۔ اکیسویں صدی کی پہلی دہائی کے اختتام اور دوسری دہائی کے شروع میں bots، algorithms اور مصنوعی ذہانت کا اس پلیٹ فارم پر غلبہ نہ تھا۔ یوں اس فورم یعنی سوشل میڈیا کا عرب انقلابات میں کافی مؤثر استعمال ممکن ہو پایا۔ لیکن آج سوشل میڈیا اپنی مثبت اثر پذیری کے اعتبار سے ناکام ہے کہ یہاں مشینوں اور مشینوں کے بنانے والوں کا غلبہ ہے۔ جہادی اور خالص دینی دعوتی بات کو اس سوشل میڈیا میں بیان کرنا اور ایک کثیر تعداد میں متبعین کو حاصل کرنا، میرے تجربے کے مطابق ناممکن ہے۔ ہاں یہ ایک آلہ ہے، لیکن اگر اس آلے کی افادیت دس سال پہلے پچاس فیصد تھی تو شاید اب گھٹ کر دس فیصد رہ گئی ہے (یہ سب بات جملۂ معترضہ میں آگئی)۔

مجھے بھیجنے سے قبل استاذ نے ظہیر بھائی کی خدمت اور ان کی اطاعت کی خاص کر نصیحت کی اور ثانیاً کہا کہ آپ سب ایک ہی مکان میں رہ رہے ہوں گے لہٰذا وہاں پردے کا بہت خیال رکھوں۔ استاذ نے کہا کہ کوشش تو ہم کرتے ہیں کہ حالات و امکانات جس قدر بہتر ہو سکیں مہیا کیے جائیں، لیکن بعض دفعہ ایک بہت ہی تنگ سی جگہ پر زیادہ لوگوں کو رہنا ہوتا ہے۔ محض ساتھی ساتھی (مجرد) ہوں تب تو رہنا آسان ہوتا ہے لیکن کوئی صاحبِ عیال بھی ہو تو پردے کا خیال بہت رکھنا ہوتا ہے خاص کر دل کے پردے کا اور کام و حالات سے فرار بھی ممکن نہیں ہوتا۔ پھر استاذ نے اپنی مثال دی کہ ان کو چند دن شیخ احسن عزیز کے ساتھ یوں رہنا پڑا کہ شیخ بھی تھے اور ان کی اہلیہ بھی اور استاذ نے بھی رہنا تھا اور رہنے کی جگہ کُل ایک ہی کمرہ تھی۔ لہٰذا ان لوگوں نے کمرے کو ایک کپڑے کے پردے سے تقسیم کیا، ایک طرف استاذ ہوتے اور ایک طرف شیخ مع اہلیہ۔ ایسے حالات سے حد درجے بچنا چاہیے، لیکن استاذ نے کہا کہ یوں بھی میں نے کام کیا ہے۔ لہٰذا جہاں جا رہے ہو، وہاں دل و نظر کی حفاظت کا بہت خیال رکھنا۔

آخری آخری دنوں میں استاذ نے میری دعوت کی۔ استاذ کے پاس ایک دیسی مرغا تھا۔ انہوں نے وہ ذبح کروایا، ساتھیوں نے اس کا پلاؤ پکایا۔ یوں یہ دعوت کھلا کر استاذ نے مجھے رخصت کیا اور اس کے بعد کم و بیش چودہ ماہ تک استاذ سے ملنے کا موقع میسر نہیں آیا۔ ہاں کاموں کے سلسلے میں بہت ہی تھوڑی سی خط و کتابت میری براہِ راست ہوئی اور دیگر ہدایاتِ استاذ بذریعہ مرشد ملتی رہیں۔ ان شاء اللہ اگلی ایک دو محافلِ استاذ میں، استاذ سے مربوط کاموں کا تذکرہ لکھنے کی کوشش کروں گا۔ ابھی کی محفل اپنی بے بضاعتی کے احساس کے ساتھ یہیں روکتا ہوں۔

وما توفيقي إلّا بالله. وآخر دعوانا أن الحمد لله ربّ العالمين.
وصلى الله على نبينا وقرة أعيننا محمد وعلى آله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

بقیہ: اخباری کالموں کا جائزہ

کا معاملہ پرویز مشرف، شوکت عزیز، آصف علی زرداری، یوسف رضا گیلانی اور میاں نواز شریف سے متعلق تھا، تب عمران خان کا مؤقف تھا کہ غیر ملکی دوروں کے دوران پاکستانی حکمرانوں کو ملنے والے تحفے ریاستِ پاکستان کے نام پر ملتے ہیں اور ان کو ہر حال میں ریاست کی ملکیت توشہ خانہ میں جمع ہونا چاہیے۔ تب خان صاحب اور ان کے ترجمانوں کا فرمانا تھا کہ توشہ خانے میں جمع شدہ سرکاری تحائف کو خود طے کردہ قیمتوں پر اونے پونے خریدنا اخلاقیات اور ایمانداری کے تقاضوں کے بالکل منافی ہے اور کرپشن کے دائرہ کار میں آتا ہے۔ لیکن یہ تب کا مؤقف تھا جب عمران خان خود اپوزیشن میں تھے اور پاکستان کے حکمرانوں پر کرپٹ ہونے کے کوڑے برسایا کرتے تھے۔ اب جب معاملہ ان پر آن پڑا ہے تو سارے پیمانے ہی بدل گئے ہیں۔"

[۱۹ اپریل ۲۰۲۲ء]

توشہ خانہ میں اخلاقیات کا جنازہ | محمود شام

"توشہ خانہ ہماری اخلاقیات کی ایک کسوٹی بن گیا ہے۔ کتنی دیانت ہے؟ یہ تحائف قوم کی امانت ہوتے ہیں، اس لیے قومی خزانے اور توشہ خانے میں جمع ہونے چاہئیں۔ جن لوگوں نے بھی سستے داموں یہ قیمتی قومی تحائف خرید کر اپنے پاس رکھے یا بیچے یا توشہ خانے میں جمع ہی نہیں کروائے، وہ خائن ہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ اس حمام میں سب ننگے ہیں۔ انہیں فروخت کر کے کچھ بھی کروایا گیا ہو، یہ جواز نہیں بنتا۔ تحائف دینے والی متعلقہ قوموں تک ہمارے اخلاق کے بارے میں اچھا پیغام نہیں جاتا۔"

[۲۴ اپریل ۲۰۲۲ء]

اخباری کالموں کا جائزہ

شاہین صدیقی

انڈیا | مسلمانوں کے خلاف گھناؤنا ہتھیار: بلڈوزر

امسال رمضان المبارک ہندوستان کے مسلمانوں پر بہت بھاری رہا۔ رمضان کے مبارک مہینے میں مسلمانوں کو خصوصی نشانہ بنانے کے لیے وہی پرانا ہتھکنڈہ آزمایا گیا اور رام نومی اور ہنومان جینتی جیسے مذہبی جلوسوں کے ذریعے مسلمانوں کے خلاف تصادم کے واقعات جہانگیر پوری (دہلی)، کرولی (راجستھان)، کھرگون (مدھیہ پردیش)، ہولگنڈہ گاؤں (کرنول، آندھرا پردیش) اور لوہَردگا (جھاڑکھنڈ) میں رونما ہوئے۔ ان مذہبی جلوسوں میں یہ قدر مشترک رہی کہ مذہبی جلوسوں کو مسلمانوں کے علاقوں سے گزارا گیا، اور نہ صرف عین افطار کے وقت مسلمانوں کی مساجد کے سامنے اشتعال انگیز نعرہ بازی کی گئی بلکہ مساجد میں گھس کر میناروں پر بھگوا جھنڈا لہرانے کی ناپاک جسارت بھی کی گئی۔

اس دوران کھرگون (مدھیہ پردیش) میں بی جے پی کے لیڈر 'کپل مشرا' نے کھلے عام نعرے لگوائے 'نہ مولیٰ نہ برہان، صرف جے شری رام'۔ پولیس جو کہ ہندوؤں کی طرف سے اشتعال دلائے جانے پر خاموش تماشائی بنی ہوئی تھی، تصادم شروع ہونے کے بعد اس نے سینکڑوں مسلمانوں کو یہ کہہ کر گرفتار کر لیا کہ پتھراؤ مسلمانوں نے شروع کیا۔

بات یہیں ختم نہیں ہوئی بلکہ مدھیہ پردیش کے وزیر داخلہ نے دھمکی دی کہ جن گھروں سے پتھر پھینکے گئے ان گھروں کو پتھر کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا جائے گا، جس پر بلا تاخیر عمل ہوا اور بڑے پیمانے پر ان تمام جگہوں پر مسلمانوں کے سینکڑوں گھروں اور دکانوں کو ناجائز تعمیرات قرار دے کر بغیر کسی نوٹس کے بلڈوز کر دیا گیا۔

واضح رہے کہ ان تمام جگہوں پر غریب مسلمانوں کی بڑی آبادیاں ہیں۔ ان واقعات سے ہندوستان کے مسلمانوں میں بے چینی اور تشویش کی لہر دوڑ گئی، جو پہلے ہی حالات سے مایوسی کا شکار ہو رہے ہیں۔

اس سلسلے میں مختلف کالم نویس کیا کہتے ہیں، اس کی جھلک ملاحظہ ہو:

ہم اسٹون ایج میں پہنچ گئے ہیں؟ | پرویز حفیظ

”مدھیہ پردیش سے مغربی بنگال تک، گوا سے گجرات تک اور راجستھان سے دلی تک، اس بار رام نومی اور ہنومان جینتی کے مقدس تہواروں کے موقع پر ملک کے آٹھ دس صوبوں میں جس طرح دن دہاڑے مسلم بستیوں پر چڑھائی کی گئی، مسجدوں اور مزاروں کا تقدس پامال کیا گیا، لاؤڈ اسپیکر پر زہریلے نعرے لگائے گئے، اس کی مثال نہیں ملتی۔ جہاں جہاں تشدد بھڑکا، وہاں ایک بات مشترک تھی، جلوس مسجدوں کے سامنے نکالے گئے، بلکہ مسجدوں کے سامنے ان کو روک کر دیر تک طوفان برپا کیا گیا اور متعدد مقامات پر مسجدوں کے گنبدوں پر بھگوا جھنڈے بھی نصب کروائے گئے۔ کیا حکومت، پولیس، عدالت یا میڈیا نے کبھی رام نومی یا ہنومان جینتی کے جلوسوں کے منتظمین سے یہ پوچھنے کی زحمت کی کہ وہ مندروں کی بجائے ان جلوسوں کو مسجدوں کے سامنے لے جانے پر کیوں مصر رہتے ہیں؟......

......دو دہائی قبل گجرات کو ہندوتوا کی لیبارٹری بنایا گیا تھا۔ اب اس لیبارٹری کی شاخیں آسام، اتر پردیش، راجستھان، کرناٹک اور گوا جیسے صوبوں میں کھل گئی ہیں۔ آج پورا ملک 'گجرات ماڈل' کے جلوے دیکھ رہا ہے۔ کبھی حجاب تو کبھی حلال، کبھی اذان تو کبھی جمعہ کی نماز، کبھی رام نومی کا جلوس تو کبھی کشمیر فائلز۔ مذہبی منافرت اور تعصب کی ہانڈی کو مسلسل ابال پر رکھنے کے لیے ہر ہفتے نئے نئے ایندھن فراہم کیے جا رہے ہیں۔“

[روزنامہ اعتماد | ۲۴ اپریل ۲۰۲۲ء]

دہلی حکومت اور شرپسندوں میں کیا فرق ہے؟ | ندیم عبد القدیر

”ان بلڈوزروں کا پیغام تھا کہ جب بھگوا شرپسند مسلمانوں کے علاقے میں آئیں اور شرانگیزی کریں تو مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ فرمانبرداری کے ساتھ ان غنڈوں کے ساتھ تعاون کریں اور اپنی گردنیں ان بھگوا شرپسندوں کے آگے پیش کر دیں، پھر وہ غنڈے جو چاہے کریں۔ اگر مسلمانوں نے شرپسندوں کو کسی طرح روکنے کی کوشش کی، خواہ وہ کوشش بات چیت کے ذریعے ہی روکنے کی کیوں نہ ہو، تو بھگوا شرپسندوں کا باقی کام دہلی میونسپل کارپوریشن اور دہلی پولیس پورا کریں گے۔ یعنی پہلے جو ظلم غیر قانونی طور پر ہو رہا تھا اگر اسے روکا گیا تو اس کے بعد اس سے ہزار گنا بڑا ظلم قانونی طور پر ہو گا۔ اس میں مسلمانوں کے مکانوں اور دکانوں کو بلاوجہ منہدم کر دینا اور مسلمانوں کو انتہائی خطرناک قانون کے تحت گرفتار کرنا شامل ہے۔“

[روزنامہ اردو ٹائمز | ۲۴ اپریل ۲۰۲۲ء]

اس موقع پر جمعیت علمائے ہند نے بلڈوزروں کو رکوانے کے لیے سپریم کورٹ میں عرضداشت کے ذریعے فوری طور پر انہدامی کاروائیوں کو رکوانے کا نوٹس حاصل کیا۔ جب وہ بلڈوزر مافیا کو دکھایا گیا تو اس کے بعد بھی انہدام کی کارروائی ڈیڑھ گھنٹے جاری رہی۔ اور جب مندر کی ناجائز تجاوزات کو منہدم کرنے کی باری آئی تو بلڈوزر نے کارروائی روک دی۔

ان حالات میں مسلمان لکھاری حل کے متعلق کیا سوچتے ہیں، چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

لگے گی آگ تو آئیں گے کئی گھر زد میں | رشید الدین

''کسی پرندے کے گھونسلے کو نقصان پہنچائیں یا اسے ہٹا دیا جائے تو پرندے جمع ہو کر آوازیں کرتے ہیں، گویا وہ احتجاج کر رہے ہوں۔ لیکن مدھیا پردیش میں مسلمان پرندوں سے بھی گئے گزرے ہو گئے۔ مزاحمت اور احتجاج تو درکنار، سو سے زائد خاندان نقل مکانی پر مجبور ہو گئے۔ بزدلی کا لبادہ اوڑھ کر کہاں تک راہ فرار اختیار کرو گے؟ رہنا تو اسی ملک میں ہے، تو پھر مزاحمت کیوں نہیں؟ مرغی، بکری اور بلی جیسے جانور پر ظلم کیا جائے تو وہ اپنے دفاع میں حملہ کرتے ہیں، لیکن ہندوستان کے مسلمان ان سے بھی بدتر ہو چکے ہیں اور مزاحمت کا کوئی تصور باقی نہیں رہا۔ ملک کے موجودہ حالات میں ہر مسلمان کے لیے حفاظتِ خود اختیاری اہم ضرورت ہے۔ سرمایہ دار ہو کہ غریب، ہر کسی پر یہ وقت آسکتا ہے۔''

[روزنامہ سیاست | ۱۷اپریل ۲۰۲۲ء]

پتھراؤ کے نام پر مسلمانوں کے گھر بار منہدم | ناظم الدین فاروقی

''مسلمانوں کی اندرونی صورتحال کو دیکھتے ہوئے ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ہر مسلمان اپنے طور اپنے وجود، بقا اور ترقی کی لڑائی لڑے، (fight it out)۔ ہمارے جمہوری آزاد ملک میں ہماری اپنی بقا کے لیے مزاحمت اور مدافعت کی پوری قانونی گنجائش ہے۔ کسی پر ٹیکہ اور بھروسہ کرنا اور کسی کی امیری، صدارت و قیادت پر تکیہ کرنا، سراسر اپنے آپ کو دھوکا دینا اور خودکشی کے مترادف ہے...... مسلمانوں میں اپنے وجود و بقا کا شعور بلند کرنے کی ضرورت ہے۔ دعوتی کاموں کا نعرہ دینے والے سر آنکھوں پر، لیکن اب تو امت کے تحفظ اور بقا کی لڑائی کا ہر سطح پر آغاز ہو چکا ہے۔ دیندار، سیکولر اور عام مسلمان طبقے کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی جماعتوں، گروہی اور مسلکی اختلافات سے اونچا اٹھ کر دستور کے دائرے میں امت کے تحفظ و بقا کی لڑائی میں شامل ہو جائیں۔ دستوری و آئینی حقوق کو پامال ہونے سے بچالیں۔''

[روزنامہ اعتماد | ۱۷اپریل ۲۰۲۲ء]

ان حالات میں بعض لکھاری مسلمانوں کو بے عملی اور فرار کا راستہ بھی دکھا رہے ہیں۔ اس حوالے سے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

ایک نئے سفر کے لیے کمر باندھ لیجیے | ظفر آغا

''اسلام نے تو ایسے حالات میں ہجرت کی تلقین کی ہے۔ خود رسول کریم ﷺ پر جب اپنے وطن مکہ میں عرصہ حیات تنگ ہو گیا تو انہوں نے مدینہ ہجرت کی۔ اس طرح نہ صرف انہوں نے اپنی جان بچائی بلکہ اشاعتِ اسلام کا راستہ بھی نکال لیا۔ اس لیے ہندوستانی مسلمان کے پڑھے لکھے طبقہ کو ہجرت اختیار کرنی چاہیے۔ کینیڈا اور آسٹریلیا اس وقت دو ایسے ملک ہیں جہاں بڑی تعداد میں ہندوستانیوں کو پناہ مل سکتی ہے......

......الغرض ہندوستان کی ناگفتہ بہ بے بسی کے حالات میں ہجرت کا راستہ اختیار کرنے میں ہی عقل مندی ہے۔''

[روزنامہ سیاست | ۱۷اپریل ۲۰۲۲ء]

بے جا گرفتاریوں سے مسلمانوں کو تباہ نہیں کر سکے تو اب بلڈوزر کا استعمال | فاروق انصاری

''اس وقت ملک کے جو حالات بن چکے ہیں، تو سیدھا سیدھا ہندو مسلم ٹکراؤ کی بات سامنے آ رہی ہے۔ مسلمان تو ہرگز یہ نہیں چاہتا، کیونکہ وہ ہمیشہ سے پرامن زندگی گزارتا آیا ہے۔ اسی میں وہ بھلائی اور عافیت سمجھتا ہے۔ لیکن اگر پانی سر سے اونچا ہو جائے گا تو سر پر کفن باندھنے کے سوا کچھ نہیں رہ جائے گا۔ اس لیے ہندتوا کی علم بردار تنظیمیں یہ سمجھ لیں کہ بھارت ایک عظیم اور اٹوٹ ملک ہے۔ قومی یکجہتی، رواداری، آپسی ہم آہنگی اور بھائی چارہ اس ملک کی تہذیب و وراثت ہے۔ اس سے کھلواڑ کرنے کی کوشش نہ کی جائے......

......حالانکہ ہمیں یقین ہے کہ وہ ان تمام سازشوں میں ناکام ہی رہیں گے، وقتی طور پر مسلمانوں کو تکلیف ضرور ہو گی، لیکن ہمیشہ یہ حالت نہیں رہے گی۔ کیونکہ آج بھی اس ملک کی اکثریت انصاف پسند، حق پرست اور مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ ایسی حالت میں مسلمانوں کو بھی صبر سے کام لینا ہے۔ ابھی سر پر کفن نہ باندھیں، بلکہ اللہ کی ذات پر بھروسہ کریں۔ وہی ہم سب کا محافظ و نگہبان ہے۔''

[روزنامہ اردو ٹائمز | ۲۳اپریل ۲۰۲۲ء]

انڈیا | مساجد کے لاؤڈ اسپیکروں پر پابندی کا مطالبہ

جس عرصے میں کرناٹک میں 'حجاب' اور 'حلال' پر پابندی لگانے کی مہم چل رہی تھی اُسی عرصے میں ریاست مہاراشٹر میں اور خاص طور پر ممبئی میں لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے اذان کے خلاف مہم شروع ہو گئی۔ جس کا مطالبہ جلد ہی دیگر ریاستوں میں بھی ہونا شروع ہو گیا۔

مغربی ریاست مہاراشٹر کی اہم پارٹی 'مہاراشٹر نونرمان سنا تھی' (ایم این ایس) کے سربراہ راج ٹھاکرے نے یہ دھمکی دی کہ اگر لاؤڈ اسپیکر پر اذان بند نہ کی گئی تو ان کے کارکنان ۳ مئی کو مسجدوں کے باہر لاؤڈ اسپیکر پر زور زور سے ہنومان چالیسیا[1] بجائیں گے۔ راج ٹھاکرے نے عین ماہ رمضان میں اس تنازع کو ہوا دی اور عملی طور پر کئی علاقوں میں مساجد کے سامنے ہنومان چالیسیا بجایا گیا، جبکہ پولیس اور انتظامیہ خاموش تماشائی بنی رہی۔

اس دوران ناسک ڈویژن کے پولیس کمشنر 'دیپک پانڈے' نے ہنومان چالیسیا کے بارے میں ہدایات جاری کیں کہ لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کے لیے پولیس کی پیشگی اجازت ضروری ہے، اس کے علاوہ مسجد سے سو میٹر کے اندر اور اذان سے دس منٹ پہلے اور دس منٹ بعد تک ہنومان چالیسیا کی اجازت نہیں ہو گی۔ اس اعلان کے چند دن بعد اس پولیس کمشنر کا تبادلہ کر دیا گیا۔

اس سلسلے میں بہت سی ریاستوں میں مسلمانوں پر سپریم کورٹ کے صوتی آلودگی کے فیصلے کو لاگو کیا گیا جس کے تحت ایک سے زیادہ لاؤڈ اسپیکر رکھنے پر پابندی اور لاؤڈ اسپیکر کی آواز انتہائی مدھم رکھنے کا مطالبہ کیا گیا۔

اس سلسلے میں مختلف کالم نویس کیا کہتے ہیں، اس کی جھلک ملاحظہ ہو:

کیا انہی مظالم کو رام راج کہتے ہیں؟ | رشید الدین

''سنگھ پریوار سے وابستہ تنظیموں کو متحرک کرتے ہوئے مساجد کے لاؤڈ اسپیکر کے خلاف باقاعدہ مہم شروع کی گئی ہے۔ نماز کے اوقات کے وقت مساجد کے باہر ہنومان چالیسیا اور اشتعال انگیز نعرے لگائے جا رہے ہیں۔ مساجد پر زعفرانی پرچم لہرانے کے واقعات منظرِ عام پر آئے لیکن نظم و نسق نے کوئی کاروائی نہیں کی۔ لاؤڈ اسپیکر کے خلاف ۲۵۰ سے زائد مساجد کو نوٹس جاری کیا گیا اور آواز پر کنٹرول کرنے والے آلات نصب کیے جا رہے ہیں۔ صوتی آلودگی کے نام پر سپریم کورٹ کے فیصلے کا سہارا لیا جا رہا ہے۔ عدالت کا فیصلہ صرف مساجد کے لاؤڈ اسپیکر تک محدود نہیں۔ دیگر مذاہب کی عبادت گاہوں سے بھی لاؤڈ اسپیکر کو اتارنا ہو گا۔ مذہبی جلوسوں اور تہواروں کے موقع پر شہروں اور دیہاتوں میں کئی دن تک لاؤڈ اسپیکر کے استعمال پر کرناٹک حکومت خاموش کیوں ہے؟''

[روزنامہ سیاست | ۱۰ اپریل ۲۰۲۲ء]

عدم رواداری اس ملک کو کہاں تک لے جائے گی؟ | صفدر امام قادری

''سیاسی میٹنگیں، بڑے بڑے جلسے جلوس اور مکھیا سے لے کر وزیر اعظم تک کی فتح یابی کے موقع پر جس طرح لاؤڈ اسپیکر، باجے گاجے اور ڈی جے، آرکیسٹرا کی دھوم مچائی جاتی ہے، ان مواقع کی صوتی آلودگی اگر جاری کر دی جائے تو ہماری آنکھیں کھل جائیں۔ ان سب کے ساتھ اگر ہندوستان بھر کی مسجدوں سے دی جانے والی پانچ وقت کی اذانوں سے جتنی صوتی آلودگی ہوتی ہے، اس کا مقابلہ کر لیا جائے تو شاید سب سے کم آلودگی کا ذریعہ اذان ہی ثابت ہو گی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ کہیں ایک منٹ، کہیں دو منٹ، اور کہیں تین منٹ میں یہ اذان اپنے انجام تک پہنچ جاتی ہے۔ لاکھوں مسجدوں میں اب بھی لاؤڈ اسپیکر نہیں ہیں۔''

[روزنامہ اردو ٹائمز | ۸ مئی ۲۰۲۲ء]

حجاب، حلال، اذان پر واویلا، سرکاری پشت پناہی جاری | جاوید جمال الدین

''مسلمانوں کو صوتی آلودگی کے خلاف خود اٹھ کھڑا ہونا چاہیے۔ ایک اچھے شہری کی شناخت یہی ہے۔ مسجدوں میں بے دریغ لاؤڈ اسپیکر کا استعمال عام ہے، یہ سلسلہ ختم ہونا چاہیے۔ مسلمانوں میں خود احتسابی کے سبب بیداری پیدا ہونا چاہیے۔ اس لیے اگر ہم اپنا محاسبہ کریں تو قبل از وقت ہو گا۔ اس سے پہلے کہ کسی کو موقع ملے اور سرکار کوئی قدم اٹھائے، اس لیے اس ضمن میں کوشش کرنی چاہیے۔ عام طور پر یہ ذہن نشین کرنا ہو گا کہ ملک کے 'اکثریتی فرقے' کو اعتماد میں لینا ہو گا، اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ کیونکہ انتظامیہ اور پولیس تو غیر اعلانیہ طور پر سرگرم ہو چکے ہیں۔''

[روزنامہ اردو ٹائمز | ۱۰ اپریل ۲۰۲۲ء]

مسجدوں کے لاؤڈ اسپیکر کے تعلق سے جذباتی بیان سے گریز کریں | فاروق انصاری

''لاؤڈ اسپیکر کا مسئلہ خالص سیاسی مسئلہ ہے اور کچھ نہیں۔ اس لیے کسی کو چیلنج کرنا اور اس عنوان پر جذباتی ہو جانا ٹھیک نہیں ہے۔ ہم یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ ہمارے ساتھ اللہ ہے، جب تک وہ نہ چاہے ہمارا کوئی بال بھی بانکا نہیں

---

[1] ہنومان چالیسیا ہندوؤں کے بھگوان ہنومان کی تعریف میں لکھا گیا چالیس مصرعوں کا ایک کلام ہے جسے مقدس پاٹھ یا منتر کے طور پر پڑھا جاتا ہے۔

کر سکتا۔ اس لیے چپ چاپ نماز پڑھیے اور اللہ سے دعا کیجیے، کیونکہ دعا ہی مومن کا ہتھیار ہے۔‘‘

[روزنامہ اردو ٹائمز | ۲۲ اپریل ۲۰۲۲ء]

واضح رہے کہ ایک طرف مہاراشٹر کے مسلمانوں نے سپریم کورٹ کی ہدایت کے مطابق فجر کی اذان لاؤڈ اسپیکر پر نہ دینے کا فیصلہ کیا ہے، اور ہزاروں مساجد کے منتظمین نے اجازت نامے کے حصول کے لیے درخواستیں دائر کر رکھی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف ہزاروں مندروں میں صبح فجر کے وقت روزانہ ہنومان چالیسا کا پاٹھ کیا جا رہا ہے۔

انڈیا | مسلمانوں کے حق میں شاذ ہندو آوازیں

اگرچہ ہندو دانشوروں اور لکھاریوں کی اکثریت ہندتوا موقف کی حمایت میں ہی لکھ رہی ہے لیکن ان کے درمیان کچھ شاذ ہندو لکھاری ایسے بھی ہیں جو مسلمانوں کے خلاف کیے جانے والے اقدامات کے خلاف اور مسلمانوں کے حق میں آواز اٹھا رہے ہیں۔

اس حوالے سے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

فرقہ پرستی کے خلاف ’آواز‘ اٹھانے کی ضرورت | پروفیسر اپوروانند

’’آج تمام ہندوستانیوں کو یہ بات یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ اگر وہ مسلمانوں پر کیے جانے والے تشدد اور ان کے خلاف کی جانے والی کارروائیوں کی مذمت کرنے میں ہچکچاتے ہیں، تو پھر آنے والے دنوں میں اس کا خمیازہ سب کو بھگتنا ہوگا۔ مستقبل میں اس کے جو اثرات مرتب ہوں گے، اس کی زد میں جہاں تشدد برپا کرنے والے آئیں گے وہیں خاموشی اختیار کرنے والے بھی اس کا شکار بنیں گے۔ آج تمام ہندوستانیوں کو ضمیر کی آواز پر آگے بڑھتے ہوئے فرقہ پرستوں کے خلاف آواز اٹھانی چاہیے کیونکہ ہندتوا کی سیاست یقیناً ہندوستانی مسلمانوں اور عیسائیوں کی بقا کے لیے تباہ کن ہے۔ جہاں تک ہندتوا کا سوال ہے، یہ ایک انتہائی قدیم نظریاتی پراجیکٹ ہے، جو مسلم دشمن اور عیسائی دشمن ہے۔ اور حقیقت میں دیکھا جائے تو عام ہندوستانی ہندو اس کا نشانہ ہے......

......مسلمانوں کی تضحیک کرتے ہوئے، ان کا استحصال کرتے ہوئے یا انہیں قتل کرتے ہوئے اگر کوئی یہ سوچتا ہے کہ وہ ایک اچھا ہندو بنے گا تو وہ اس کی غلط فہمی ہے۔ مذہب کے نام پر ایک مسلمان یا عیسائی کی زندگی کو ختم کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ کیونکہ اس ملک کے دستور نے انہیں حق زندگی عطا کیا ہے اور وہ جس طرح چاہیں اپنی زندگی گزار سکتے ہیں۔ بحیثیت شہری انہیں وہی حقوق حاصل ہیں جو کسی ہندو کو حاصل ہیں۔‘‘

[روزنامہ سیاست | ۲۴ اپریل ۲۰۲۲ء]

فرقہ وارانہ سیاست کے سبب ہندوستان میں تیزی سے اسلاموفوبیا بڑھ رہا ہے
ارام پنیانی

’’گزشتہ کئی دہائیوں سے مسجدوں سے لاؤڈ اسپیکر سے اذان دی جاتی رہی ہے، اب مہاراشٹر میں راج ٹھاکرے نے اسے ایشو بنا لیا ہے۔ تری پورہ میں ایک بی جے پی لیڈر نے سرکاری گرانٹ سے چل رہے مدرسوں کو بند کرنے کا مطالبہ کیا ہے کیونکہ ان کے مطابق مدرسوں سے دہشت گرد پڑھ کر نکلتے ہیں۔ گجرات حکومت درجہ ۶ سے ۱۲ تک طلبہ کے لیے ’بھگوت گیتا‘ کو نصاب میں شامل کر رہی ہے۔ جمعیت علمائے ہند کے اعداد و شمار کے مطابق جولائی ۲۰۲۱ء سے لے کر دسمبر ۲۰۲۱ء تک نفرت پھیلانے والی ۵۹ تقریریں کی گئیں، لنچنگ سمیت تشدد کی ۳۸ وارداتیں ہوئیں، ۲۱ مذہبی مقامات پر حملے ہوئے، ۲ اشخاص پولیس حراست میں مارے گئے اور پولیس کے ذریعے مظالم اور سماجی تفریق کے بالترتیب ۹ اور ۶ معاملات سامنے آئے۔ یہ سب اقلیتوں کے خلاف نفرت کے ماحول کا نتیجہ ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حکومتِ ہند کو اقوامِ متحدہ کے ۱۵ مارچ کو یومِ ’کامبیٹ اسلاموفوبیا‘ کی شکل میں منائے جانے پر اعتراض کیوں تھا۔‘‘

[روزنامہ اردو ٹائمز | ۲۱ اپریل ۲۰۲۲ء]

کشمیر | مسلمانوں کی اکثریت کو اقلیت میں بدلنے کی سازش

کشمیر میں بھارتی حکومت کی طرف سے جسٹس رنجنا ڈیسائی کی سربراہی میں قائم کیے گئے حد بندی کمیشن نے نئی حلقہ بندیوں کی حتمی فہرست جاری کر دی ہے۔ اس حلقہ بندی کے تحت کُل ۷ نئی نشستوں کا جموں و کشمیر میں اضافہ کیا گیا ہے۔ جس میں ہندو اکثریتی جموں میں چھ نشستوں کا اضافہ کیا گیا ہے جبکہ مسلم اکثریتی کشمیر میں، جس کی آبادی جموں سے کہیں زیادہ ہے، صرف ایک نشست کا اضافہ کیا گیا ہے۔ نئی نشستوں میں نہ صرف کشمیر کو چھوڑ کر جانے والے پنڈتوں کی نمائندگی کے لیے ۲ نشستیں مختص کی گئی ہیں بلکہ ۱۹۴۷ء میں کشمیر آنے والے ہندوستانی فوجیوں کو بھی نمائندگی دی گئی ہے۔ اس طرح نئی حد بندیوں سے ۵۶ فیصد آبادی کے تناسب والے مسلم اکثریتی کشمیر کو قانون ساز اسمبلی میں ۵۲ فیصد نمائندگی ملے گی جبکہ ۴۴ فیصد آبادی کے تناسب والے ہندو اکثریتی جموں کو قانون ساز اسمبلی میں ۴۸ فیصد نمائندگی ملے گی۔ اس میں بھی کشمیر میں مسلم اکثریتی آبادی ہونے کے باوجود ہندو نمائندگی بڑھانے کے لیے جموں کے پونچھ اور راجوڑی اضلاع کو کشمیر کے اننت ناگ ضلع کے ساتھ جوڑ کر پیر پنجال کا نیا حلقہ بنایا گیا ہے جسے کشمیر میں شامل کیا گیا ہے۔ بی جے پی نے اعلان کیا ہے کہ نئی حلقہ

بندیوں کے بعد اب جلد انتخابات کا اعلان کر دیا جائے گا۔ دوسری طرف آرٹیکل ۳۷۰ کے خاتمے کے بعد سے ہزاروں کی تعداد میں ہندوؤں کو انڈیا کے مختلف علاقوں سے یہاں آباد کر کے انہیں کشمیری شہریت دی گئی ہے۔ اس طرح سے بی جے پی کشمیر کو مسلم اکثریتی سے ہندو اکثریتی خطہ بنانے کے اپنے ایجنڈے پر تیزی کے ساتھ کار فرما ہے۔

کالم نگار رشید الدین نے اسے مسلمانوں کی سیاسی نسل کشی کہا ہے۔ روزنامہ سیاست میں اپنے کالم میں وہ لکھتے ہیں:

کشمیر...... نئی حد بندی، مسلم اکثریتی موقف خطرے میں | رشید الدین

”کشمیر کی سیاسی اور عوامی قیادت کو کمزور کرنے کے بعد اسمبلی حلقوں کی از سر نو حد بندی کا فیصلہ کرتے ہوئے کمیشن قائم کیا گیا۔ کمیشن نے رہی سہی کسر ختم کرتے ہوئے کشمیر کے اسمبلی حلقہ جات کو مسلم کے بجائے ہندو اکثریتی حلقوں میں تبدیل کرتے ہوئے بی جے پی کی کامیابی کا راستہ ہموار کر دیا ہے۔......

......دستور میں دی گئی مراعات کا مقصد کشمیریوں کی دلجوئی اور ترقی کی راہ ہموار کرنا تھا لیکن مودی حکومت نے آر ایس ایس کے ایجنڈے پر عمل کیا۔ دفعہ ۳۷۰ کی برخواستگی کے بعد اسمبلی حلقوں کی حد بندی دراصل کشمیریوں کی سیاسی مسلم کشی ہے۔ پہلے کشمیر کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا اور اب اسمبلی نشستوں پر غلبہ ختم کر دیا گیا۔ ۳۷۰ کی برخواستگی کو اگست میں تین سال مکمل ہو جائیں گے لیکن کشمیریوں کے حق کے لیے کوئی ٹھوس آواز نہیں اٹھی۔“

[روزنامہ سیاست | ۸ مئی ۲۰۲۲ء]

پاکستانی انگریزی روزنامہ ڈان نے اپنے اداریے میں اسے بی جے پی کی طرف سے اپنی مرضی کے نئے 'زمینی حقائق' پیدا کرنے کی کوشش کہا ہے۔ روزنامہ ڈان کے اداریے سے ایک اقتباس کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

IHK Constituencies | Editorial

”بھارتی حکومت کی جانب سے مقبوضہ کشمیر کے آبادیاتی نقشے کو تبدیل کرنے کے اقدامات جاری ہیں، نئی دہلی نے نئی حلقہ بندیوں میں متنازع خطے کے ہندو علاقوں کو زیادہ نشستیں دی ہیں۔ لیکن جیسا کہ اس اقدام کے ناقدین نے نشاندہی کی، اس طرح کے اقدامات غیر عادلانہ تقسیم پر مبنی ہیں، جس سے ہندوستان میں برسر اقتدار بی جے پی کو مقبوضہ خطے میں نئے 'زمینی حقائق' پیدا کرنے میں مدد ملے گی۔......

......یہ واضح ہے کہ نئی دہلی کی حکومت کشمیر کی مسلم اکثریت کو کمزور کرنے کی پوری کوشش کر رہی ہے۔ مثال کے طور پر، انتخابی حلقوں کی دوبارہ ترتیب سے ہندوستان کو مقامی انتخابات کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے میں مدد ملے گی، جس سے ہندوستانی مقبوضہ کشمیر کی قانون ساز اسمبلی میں مسلم اکثریت کم ہو گی۔ اپنی مرضی کی قانون ساز اسمبل سے ہندوستان کو مقبوضہ کشمیر میں اپنی آہنی گرفت مضبوط کرنے میں مدد ملے گی۔......

......یہ ۲۰۱۹ء میں ہندوستان کی طرف سے مقبوضہ کشمیر کی خود مختار حیثیت کی منسوخی کا فطری نتیجہ لگ رہا ہے۔ اس تباہ کن اقدام کے شاخسانہ کے طور پر، ہندوستان نے تدریجی طور پر کشمیر کی منفرد ثقافت اور شناخت کو مٹانے کی کوشش کی ہے۔ زیادہ سنگین اقدامات متنازعہ علاقے سے باہر کے لوگوں کو شہریت دینے کی اجازت دیتے ہیں، جس سے ان کے لیے ہندوستانی مقبوضہ کشمیر میں جائیداد خریدنے اور سرکاری ملازمتیں حاصل کرنے کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ کشمیریوں کی پریشانیوں میں اضافہ کرتے ہوئے، ہزاروں نے تیزی سے شہریتیں حاصل کی ہیں۔

اس لیے حلقہ بندیوں میں کی گئی یہ گڑبڑ، ایک اور قابل مذمت اقدام ہے جس کا مقصد ہندوستانی مقبوضہ کشمیر میں آبادیاتی تبدیلی خود سے گھڑنا ہے۔“

[The Dawn | ۷ مئی ۲۰۲۲ء]

کالم نگار حسیب احمد نے حد بندی کمیشن کے طریقہ کار کی قانونی حیثیت پر سوال اٹھایا ہے۔ انگریزی روزنامہ 'دی انڈین ایکسپریس' میں ان کے کالم سے ایک اقتباس کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

Delimitation Commission fails people of J&K, hurts democracy | Haseeb A. Drabu

”یہ واحد حد بندی کمیشن ہے جس نے انتخابی حلقہ بندیوں کی ترتیبِ نو کو حد بندی ایکٹ ۲۰۰۲ء کے مطابق نہیں کیا، جس کے تحت اسے تشکیل دیا گیا تھا۔ نشستوں کی کل تعداد اور ان کی تقسیم کا فیصلہ مردم شماری کے مطابق کرنے کے لیے اس ایکٹ کی شق ۸(بی) پر عمل کرنے کی بجائے، کمیشن نے جموں و کشمیر تنظیم نو ایکٹ ۲۰۱۹ء کے سیکشن ٦٣ پر عمل کیا ہے، جس کے تحت نا صرف ووٹروں کی تعداد کا تعین ۲۰۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق کیا گیا ہے بلکہ ساتھ ہی ساتھ نشستوں کی تعداد کو ۸۳ سے بڑھا کر ۹۰ کر دیا گیا ہے۔

بدقسمتی سے، ۲۰۱۹ء میں اس کی آئینی اور قانونی یکسانیت کیے جانے کے باوجود، ایسا کرنے سے جموں و کشمیر کی حیثیت معمول سے ہٹی ہوئی ہی ہے۔......

......یہ ملک کی قانون سازی کی تاریخ کا پہلا حد بندی کا حکم نامہ ہو گا جو اُس 'یونین ٹیریٹری' کی قانون ساز اسمبلی کے سامنے پیش نہیں کیا جائے گا جس کی حد بندی کی گئی ہے۔

حد بندی کمیشن کی سفارشات میں، ان کی حیثیت ایک فرمان کی ہوتی ہے، پارلیمنٹ یا متعلقہ قانون ساز اسمبلی کوئی ترمیم یا تبدیلی نہیں کر سکتی، لیکن اسے حکم نامہ کی شکل دینے سے انہیں جمہوری حق حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن جموں وکشمیر کے معاملے میں، جموں وکشمیر کے منتخب قانون دان کے پاس یہ موقع نہیں ہو گا کہ وہ اپنی نمائندگی کے قوانین کی منظوری دے سکیں۔"

[The Indian Express | ۶ مئی ۲۰۲۲ء]

پاکستان | سابق وزیر اعظم اور توشہ خانہ اسکینڈل

پاکستان میں ماہِ رمضان المبارک سیاسی اتھل پتھل کا شکار ہو گیا۔ بر سر اقتدار لوگ سڑکوں پر آ گئے اور سڑکوں پر پھرنے والے صاحبِ اقتدار ہو گئے۔ 'مجھے کیوں نکالا' کا سیاسی بیانیہ 'مجھے یوں نکالا' میں تبدیل ہو گیا۔ لیکن خدا برا کرے ان سیاستدانوں کا کہ ماہِ رمضان کے تقدس کا بھی خیال نہیں کیا۔ جلسے، جلوسوں، سیاسی ہلڑ بازی اور ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے میں سوشل میڈیا پر ہر وقت جتے ہوئے بے کار نوجوانوں کا ہجوم تو تھا ہی، ملک میں شہریوں کا بھی وقتِ عبادت غارت ہوا۔ عوام کے لیے آخری عشرہ بھی سیاسی افراتفری کی نذر ہو گیا۔ حالت یہ ہے کہ روضۂ رسول ﷺ کے احاطے میں مسجد نبوی کے اندر بھی ادب و تمیز کو بالائے طاق رکھ کر شدید ترین اخلاقی انحطاط کا ثبوت دیا گیا۔ اللہ کے رسول ﷺ کے دربار میں حاضر ہو کر بھی فحش گالیاں اور نعرے بازی کی گئی، جس نے پوری قوم کا سر شرم سے جھکا دیا۔ دیندار طبقہ تو ایک طرف، اس حرکت پر تو سیکولر طبقے تک کو غیرت آ گئی اور انہوں نے بھی سخت مذمت کی۔

عمران خان کی حکومت ختم ہونے سے قبل ہی ایک ایک کر کے اس کے مختلف اسکینڈل سامنے آنا شروع ہو گئے تھے۔ ان میں سر فہرست توشہ خانہ اسکینڈل ہے۔ توشہ خانہ مغلوں کے دور میں ہندوستان میں بنا تھا۔ اس میں بادشاہ کو ملنے والے تحائف رکھے جاتے تھے۔ یہ توشہ خانہ کی روایت ایسٹ انڈیا کمپنی سے ہوتے ہوئے پاکستان میں بھی منتقل ہو گئی۔ پاکستان میں بھی شروع میں یہی روایت تھی۔ بیوروکریٹس سے لے کر صدور تک کو ملنے والے تمام تحائف توشہ خانہ میں جمع ہو جاتے تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں اس اصول میں تبدیلی آ گئی اور توشہ خانہ کے اہلکار تحائف کی قیمت کا تخمینہ لگاتے اور پھر اس کی قیمت کا ۲۰ فیصد خزانے میں جمع کروا کر تحفہ حاصل کرنے والا شخص اسے ذاتی استعمال میں لے آتا۔ اس طرح پاکستانی حکمرانوں نے اس معاملے میں بھی بدنیتی اور سرکاری تحفوں کو اپنی جاگیر بنانا شروع کر دیا۔

عمران خان کی 'امانت داری' اور اخلاقی حیثیت پر بھی اُس وقت سوال اٹھا جب عمران خان کو ۲۰۱۸ء میں سعودی ولی عہد سے چار انتہائی بیش قیمت تحائف ملے۔ جن میں گراف (Groff)[1] کی گھڑی، دو ہیرے جڑے کف لنکس، سونے کا پین اور ایک انگوٹھی تھی۔ چاروں تحائف کی کل مالیت کا تخمینہ دس کروڑ ۹۲ لاکھ روپے لگایا گیا۔ عمران خان نے ان تحائف کا کم تخمینہ لگوا کر انہیں دبئی مارکیٹ میں دگنی قیمت پر فروخت کروا دیا، جو کہ ایک انتہائی غیر اخلاقی حرکت تھی۔ چونکہ گراف کی گھڑی بازار میں بیچی نہیں جا سکتی اور اسے شاہی خاندان کے علاوہ کوئی اور نہیں خرید سکتا، اس لیے سعودی ولی عہد محمد بن سلمان نے اس گھڑی کی دگنی قیمت ادا کر کے یہ گھڑی واپس خرید لی۔

ماضی میں مزید اس طرح کے واقعات بھی ہوئے کہ خاتونِ اوّل کو ملنے والے قیمتی تحائف بشریٰ بی بی نے اپنی ملکیت میں لے لیے۔ ماضی کی حکومتیں بھی اس طرح کی لوٹ مار کرتی آئی ہیں اور عمران خان جو اخلاقیات کے بلنگ و بانگ دعوے کرتے نہیں تھکتے، انہوں نے بھی اخلاق سے گری ہوئی حرکت کی۔

توشہ خانہ گزشتہ ماہ پاکستانی اخباروں اور میڈیا میں کافی زیر بحث رہا۔ اس حوالے سے چند قلمکاروں کے اقتباسات ملاحظہ ہوں:

توشہ خانہ | جاوید چودھری

"قائداعظم کے بعد عمران خان دوسرے لیڈر تھے جنہیں عوام اور اسٹیبلشمنٹ کی اتنی سپورٹ ملی۔ لیکن افسوس انہوں نے ملک کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جو انہوں نے گراف کی گھڑی کے ساتھ کیا۔ لہٰذا آج اگر ان سے گھڑی کے بارے میں پوچھا جائے تو یہ مسکرا کر کہتے ہیں، گھڑی میری تھی، میں نے بیچ دی۔ اور ملک کے بارے میں بھی ان کا یہی خیال ہوتا ہے۔ میرا ملک تھا، میں اسے عثمان بزدار کے حوالے کرتا یا محمود خان کے، آپ پوچھنے والے کون ہوتے ہیں؟ آپ دل پر ہاتھ رکھ کر جواب دیجیے کیا اس آرگومنٹ کا کوئی جواب ہو سکتا ہے؟ اگر ہاں تو یہ جواب کون دے گا؟ میرا خیال ہے قوم یوتھ کے علاوہ اس منطق کو کوئی سمجھ سکتا ہے اور نہ بیان کر سکتا ہے۔"

[۲۰ اپریل ۲۰۲۲ء]

ترک ہار سے گولڈ پلیٹڈ کلاشنکوف تک | خالد مسعود خان

"جب غیر ملکی دوروں پر حسبِ روایت سربراہانِ مملکت اور ان کے ہمراہ جانے والے وفد کے ارکان کو ملنے والے تحفوں (باقی صفحہ نمبر 71 پر)

[1] گراف سوئزرلینڈ کی ایک کمپنی ہے جو صرف شاہی خاندانوں کے لیے ہیرے جواہرات جڑی خصوصی مصنوعات بناتی ہے۔ یہ مصنوعات صرف شاہی خاندانوں کے استعمال کے لیے بنتی ہیں اور انہیں مارکیٹ میں نہیں لایا جاتا۔
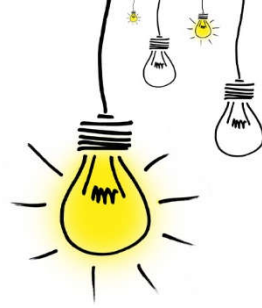
ذہن میں گزرنے والے چند خیالات: فروری تا جولائی ۲۰۲۲ء

تمام تعریف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے ہے جس نے ہمیں مسلمان بنایا اور اپنے محبوبؐ کا امتی بنایا، صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم! اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے صغیرہ و کبیرہ گناہوں کو اپنے فضلِ محض سے معاف کر دے، اپنے دین کی خدمت کی مبارک محنت کا کام لے لے اور جنت الفردوس میں اپنے حبیب کے قدموں میں جگہ عطا فرما دے۔ بے شک مانگنے والے کو نہ مانگنا آتا ہے اور نہ ہی کسی قسم کی اہلیت ہم میں پائی جاتی ہے!

نظامِ پاکستان اور تحریکِ طالبان پاکستان

تحریکِ طالبان پاکستان کے حکومتِ پاکستان سے مذاکرات چل رہے ہیں۔ اور تحریکِ طالبان کے بارے میں ان کا موقف جاننے کا بہترین ذریعہ تحریک خود ہے۔ اسی طرح نظامِ پاکستان کن اصولوں، طریقوں اور قوانین پر مشتمل ہے، اس کو بھی ہم بخوبی تحریکِ طالبان پاکستان کے مجاہدین ہی کے مواقف سے جان سکتے ہیں۔

تحریکِ طالبان پاکستان نے اپنے بیان نمبر سترہ (۱۷)، بتاریخ ۲۴ جون ۲۰۲۲ء میں لکھا:

> ”تحریکِ طالبان پاکستان کبھی بھی ایسا خود ساختہ آئین نہیں مانتی جس آئین کے ہاں شریعتِ الٰہی اب تک قانون نہیں ہے بلکہ قانون بننے کے لیے نعوذ باللہ انسانی رائے شماری سے گزرنا پڑتا ہے......
>
> ......شریعتِ الٰہی کی روشنی میں اپنی دینی و ملی اقدار کے ساتھ آزادی و خود مختاری ہمارا حق ہے، اس حق پر ہم کبھی ڈیل نہیں کریں گے......“

اسی طرح شہید امیر بیت اللہ محسود رحمۃ اللہ علیہ جیسے قائدین اور مفتی ولی الرحمن و مولانا فضل اللہ رحمۃ اللہ علیہم جیسے علمائے کرام کی قیادت میں شروع ہونے والی تحریک کے مجاہدین نے جولائی کے اواخر میں پاکستان کے نامور علمائے کرام سے ملاقات کی، اس ملاقات سے قبل انہوں نے ایک اعلامیہ / خط جاری کیا اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ ان علمائے کرام کا استقبال کیا۔ تحریک کی جانب سے جاری کیے گئے خط میں قبائل اور صوبۂ سرحد کی آزاد ریاستوں (مثلاً سوات) کا پاکستان سے الحاق کا مقصد واضح کیا گیا کہ

> ”......اس شرط پر پاکستان سے الحاق کیا کہ یہاں اسلامی نظام ہو گا اور اس عہد کے لیے حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب اور مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (رحمہا اللہ) محمد علی جناح کے کہنے پر پشتونوں کی سرزمین کی طرف تشریف لائے...... لیکن بدقسمتی سے دہائیاں گزرنے کے باوجود اسلامی نظام کے نفاذ کا عہد و میثاق پورا نہیں ہو سکا، بلکہ اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے آواز اٹھانا افواجِ پاکستان کے یہاں ناقابلِ معافی جرم بن گیا۔“۔

اسی طرح تحریکِ طالبان پاکستان سے وابستہ مجاہد ساتھیوں اور تحریک کے امرا و قائدین نے اس خطے میں قبائل کی آزاد حیثیت اور قبائل کے مرکزِ جہاد ہونے کو واضح کرتے ہوئے لکھا:

> ”قبائل کی آزاد حیثیت نے فرنگی سامراج کو شکست سے دوچار کر دیا اور یہی آزاد قبائل تھے جو کہ سوویت یونین کے الحادی سیلاب کے مقابلے میں مجاہدینِ اسلام کے لیے سب سے بڑی قرار گاہ اور بیس کیمپ بن گئے۔ جس کی برکت سے سرخ ریچھ ٹکڑے ٹکڑے ہو (گیا اور) اس کے شر سے یہ پورا خطہ محفوظ ہوا۔
>
> گیارہ ستمبر کے بعد جب عالمی کفر اور اس کے غلاموں نے امریکی قیادت میں امارتِ اسلامیہ (اعزھا اللہ) پر حملہ کیا تو قبائل کی آزاد حیثیت تھی جس نے مجاہدین اور مہاجرین کو پناہ گاہ فراہم کی اور ان آزاد قبائل سے معاصر مقدس جہاد منظم ہوا، جس کے نتیجے میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے شکست کھائی اور امارتِ اسلامیہ (اعزھا اللہ وادامھا) دوبارہ قائم ہوئی۔ قبائل کی اس آزاد دینی اور جہادی حیثیت و اہمیت کو دیکھتے ہوئے عالمی کفر اور اس کے مقامی ایجنٹوں نے حالات سے سُوئے استفادہ کرتے ہوئے قبائل کی آزاد حیثیت کو ختم کر کے اس کو غلام اور غیر اسلامی جمہوری نظام میں ضم کر دیا جو کہ تحریکِ طالبان پاکستان کے مجاہدین (جو اپنے آباؤاجداد کے اصل جانشین ہیں) کو کسی صورت میں اس آزاد حیثیت کو ختم کرنا قابلِ قبول نہیں اور کسی بھی صورت میں اپنی آزاد قبائلی زندگی اور نظام کے مقابلے میں غلامی کی زندگی اور نظام کے لیے تیار نہیں ہیں۔“

اسی طرح مقصدِ جہاد کو واضح کرتے ہوئے تحریک کی جانب سے جاری کردہ بیان نمبر پندرہ (۱۵)، بتاریخ ۲ جون ۲۰۲۲ء میں لکھا گیا:

’’ہم اپنے قابلِ قدر قبائلی عمائدین اور پاکستانی قوم پر یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ تحریکِ طالبان پاکستان کے مقدس جہاد کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ یعنی اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام ہے اور بس۔

تحریکِ طالبان پاکستان کے مطالبات میں قبائل کی آزاد حیثیت کو برقرار رکھنا ایک اہم مطالبہ ہے اور اسی آزاد حیثیت کی بدولت تین سپر پاورز کو شکست ہوئی، الحمدللہ۔

۱۔ برطانوی سامراج

۲۔ سوویت یونین

۳۔ عالمی کفر کی معیت میں امریکہ

اس وجہ سے یہ ایک عالمی کفری ایجنڈا تھا کہ قبائل کی آزاد حیثیت ختم ہو جائے اور قبائل میں مغربی جمہوری نظام اور کلچر آ جائے تاکہ قبائل کی جہادی اور دینی اقدار ختم ہو جائیں اور پھر کبھی بھی کفری یلغار کے مقابلے میں یہ جہادی مرکز نہ رہے۔ اسی وجہ سے تحریکِ طالبان پاکستان کے اہداف و مطالبات میں قبائل کی آزاد حیثیت ایک اہم ہدف اور مطالبہ ہے۔ جو حضرات صلح حدیبیہ آڑ میں ہمیں صلح کی ترغیب دیتے ہیں ان پر یہ بات واضح ہو کہ صلح حدیبیہ میں مدینہ منورہ کی آزاد حیثیت، مسلمانوں کی مسلح شکل اور ان کا شرعی نظام متاثر نہیں ہوا تھا۔‘‘

قبائل کی آزاد اور خود مختار حیثیت کا مطالبہ اور اس کی جدوجہد جس کے نتیجے میں قبائل پھر سے مرکزِ جہاد بنیں اور یہاں سے اعلائے کلمۃ اللہ کی محنت ہو بہت اچھا موقف ہے۔ یہی موقف ہے جس سے ہمارے خطے میں مظلوموں کی اعانت اور نفاذِ دین کی راہ ہموار ہو گی۔ مجاہدینِ قبائل و علاقہ سرحد کے یہی مواقف تھے کہ جن کے سبب سیّد احمد شہید و شاہ اسماعیل شہید نے اس علاقے کو اپنا مرکز بنایا تاکہ سکھوں کے غلبے کو توڑ دیا جائے اور انگریزوں کو پورے برِّ صغیر سے بے دخل کر دیا جائے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے بھی قبائل کے جہادی مرکز ہونے کے سبب ’یاغستان‘ میں عسکری قوت جمع کرنے کا لائحہ طے کیا۔ محی الدین محسود المعروف ملا پاوندہ نے جہادی تحریک اپنے وطن میں قبائل کی دینی غیرت اور نفاذِ اسلام کے جذبات کے سمندر میں کھڑی کی۔ اور حاجی میرزا علی خان کے جہاد و سیاست کا مقصد یہی نظامِ اسلام کا غلبہ اور انگریزوں ثم انگریزوں کے وارثوں کے نظام کو ختم کرنا تھا جس کے سبب قیامِ پاکستان سے قبل اور بعد از قیامِ پاکستان ۱۹۴۸ء میں حاجی میرزا علی خان کے جہادی جلسوں پر فضائیہ کے جہاز بمباریاں کرتے رہے۔ سوات و مالاکنڈ کے علاقوں میں مولانا صوفی محمد کی تحریکِ نفاذِ شریعتِ محمدیؐ ارباب بہرام خان شہید اور حاجی میرزا علی خان جیسے اسلاف کی تحریک ہی کا حصہ تھی۔ شیخ الہند کے آزاد قبائل میں عسکری قوت جمع کرنے سے آج تک مجاہدینِ قبائل کا یہی مبنی بر حق موقف رہا ہے کہ مجاہدینِ قبائل کسی آئین، کسی حکومت اور کسی فوج اور کسی نظریے اور نظام کی غلامی نہیں کر سکتے، وہ ’آزاد‘ ہیں اور اگر کسی کی غلامی قبول کرتے ہیں تو بس شریعتِ مطہرہ کی اور ان کی جدوجہد کا کوئی مقصد و مطمح ہے تو اعلائے کلمۃ اللہ!

عافیہ صدیقی کی والدہ محترمہ کا سانحۂ وفات!

کم و بیش انیس سال تک امتِ مسلمہ کی غیرت پر نوحہ کناں رہنے کے بعد عافیہ صدیقی کی والدہ عصمت صدیقی صاحبہ جائے فانی سے جائے قرار کی جانب کوچ کر گئیں۔ جانا سب کو ہے، بس دکھ اس بات کا ہے کہ عصمت صدیقی صاحبہ اگلے جہاں میں ہمارے خلاف جرائم کی چارج شیٹ کے ساتھ گئیں۔ نجانے روزِ قیامت وہ کس کس کا گریبان پکڑیں گی اور کس کس سے پوچھیں گی کہ میری بیٹی کے ساتھ جو کچھ بیتا اس کا حساب دو۔

ہم نے نہ صدیقِ اکبرؓ کی عصمت کی حفاظت کی اور نہ عافیہ کی۔ دنیا و آخرت میں ہمارے لیے باعثِ نجات اگر کچھ ہو سکتا ہے تو دل و جگر کا سرخ لہو، ورنہ قلم کی سیاہی سے اعمال کی سیاہی دھلنے والی نہیں!

اندروں چنگیز سے تاریک تر

جدید دنیا جوں جوں ’جدید‘ ہوتی جا رہی ہے، توں توں تنزل کا شکار ہوتی جا رہی ہے۔ یوں تو ٹیکنالوجی کے طفیل ہزار ہا سہولتیں ہماری انگلیوں کے پور کنٹرول کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی، ہم انسانوں سے ’انسانیت‘ چھینتے جا رہے ہیں۔ دنیا کے جدید نظاموں میں جب ہم کوئی بے ضابطگی اور غیر انسانی رویہ دیکھتے ہیں تو اس نظام کے ٹھیکیدار فوراً کہتے ہیں ’اوہو...... یہ غلط ہو گیا، یہ نہیں ہونا چاہیے تھا، سسٹم میں کوئی کمی رہ گئی وغیرہ‘۔ ایک اعتبار سے یہ بات ٹھیک ہے کہ کوئی بھی نظام کیوں نہ ہو جب اس کو برتنے والے انسان ہوں گے تو غلطیاں کریں گے۔ لیکن اسی کے ساتھ ایک مستقل حقیقت اور بھی ہے۔ اور وہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دنیا حق و باطل کا میدانِ کارزار ہے۔ حق اور باطل مستقل ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں۔ حق کا نظام، اللہ کا بنایا ہوا ہے جسے ہم ’اسلام‘ کہتے ہیں اور باطل کا نظام حکمت و مشیتِ ایزدی سے شیطان کا تشکیل کردہ ہے جو غیر اسلام ہے، یعنی اسلام کے سوا جو کچھ ہے وہ سبھی باطل ہے وہ اسی باطل کے مطابق 10,000 B.C. (دس ہزار سال قبل مسیح) کا کوئی نظام ہو یا آج کا سرمایہ دارانہ جمہوری نظام۔

آج کی دنیا میں ہم جو انٹر نیٹ اور موبائل اور نجانے کیا کیا جدید ٹیکنالوجی استعمال کرتے ہیں تو اس کے پیچھے آرٹیفشل انٹیلی جنس یعنی مصنوعی ذہانت بڑی حد تک کار فرما ہے۔ ہمیں ٹوئٹر، فیس بک، انسٹاگرام وغیرہ پر کیا دیکھنے کی ضرورت ہے، گوگل کے سرچ رزلٹس میرے لیے کیا ہونے چاہییں سے لے کر خود کار چلنے والی گاڑیوں (self-driving cars) اور ہوائی جہازوں/ہیلی کاپٹروں تک سبھی آرٹیفیشل انٹیلی جنس ہے۔ اور چونکہ یہ مصنوعی ذہانت اس جدید نظام کے مارے انسانوں نے تشکیل دی ہے فلہٰذا یہ بھی قوم پرست، لسانیت پرست، وطن پرست، رنگ و نسل پرست وغیرہ ہے۔ آف لائن و آن لائن دنیا میں آج کے بچے بچے کے زیرِ استعمال گوگل اور اس کی ایپس کی 'کرم فرمائی' دیکھیے کہ حبشی النسل انسانوں کی تصویروں کو اس کے مصنوعی ذہانت کے سسٹم نے 'گوریلاؤں کی تصویریں (Gorillas)' قرار دیا۔ مشہور مجلّے 'دی اکانومسٹ' کے مطابق پچھلی چند دہائیوں سے ہسپتالوں میں استعمال ہوتا وہ آلہ جو انسان کی انگلی پر چٹکی کی صورت میں لگا دیا جاتا ہے اور پھر وہ دل کی دھڑکن کی رفتار اور خون میں آکسیجن کی مقدار کا اندازہ بتاتا ہے، یہ بھی کورونا کی وبا میں نسل پرست ثابت ہوا کہ اس کو بنانے والے گورے تھے اور گوری رنگت والی جلد کے اعتبار سے ہی یہ آلہ صحیح نتائج دیتا ہے، یوں کالے رنگ والے انسانوں کو یہ آلہ صحت مند بتا تا رہا اور وہ ہسپتالوں سے بیمار ہونے کے باوجود ڈس چارج کیے جاتے رہے۔ مشہور ٹیکنالوجی کمپنی 'اوبر' نے اپنے کتنے ہی کالے کارمندوں (employees) کو اپنے مصنوعی ذہانت کے سسٹم کے سبب نکال دیا۔

پھر دی اکانومسٹ ہی کی رپورٹ کے مطابق تصویر سازی کی صنعت سے وابستہ مشہورِ زمانہ کمپنی 'کوڈک (Kodak)' بھی کردار کے اعتبار سے 'کوڈُو' تھی کہ اس کا تصویر اتارنے والا سسٹم [کیمرہ و فوٹو فلم (نیگیٹو/negative) وغیرہ] کالے لوگوں کی تصویر میں دھبے دکھاتا تھا۔ اور یہ دھبے ہمارے جیسے انسان 'کالوں' کے احترام میں نہیں، چاکلیٹ بنانے والی کمپنیوں کے اعتراض کے کے بعد دور کیے گئے کہ بے چاری چاکلیٹ بھی چاکلیٹی رنگ کی حامل ہے لیکن گوروں کو بھی مرغوب ہے۔

آج کل اسی مصنوعی ذہانت کے ساتھ میٹا ورس کا بھی بڑا چرچا ہے۔ ساری دنیا ورچوَل (virtual) ہوتی جا رہی ہے۔ پچھلے مہینے فیس بک کے میٹاورس پر جیسے ہی ۴۳ سالہ ایک عورت نے اکاؤنٹ بنایا تو چار مردوں نے اسے ورچوَلی (virtually) گینگ ریپ کا نشانہ بنایا۔

پھر لائقِ صد افسوس مقام تو یہ ہے کہ عبد الرحمٰن سدیس صاحب اسی غیر حقیقی (میٹاورس کی) دنیا میں حجرِ اسود کے مناظر سے خوش ہو رہے ہیں اور اسے ترقیٔ اسلام گردان رہے ہیں، جبکہ حجرِ اسود کو اپنے مبارک ہاتھوں سے نصب کرنے والے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نظام سدیس صاحب جیسوں کے خطبوں اور حکمِ شریعت سے بعید تر فتووں کے سبب محمد بن سلمان جیسے اعدائے رسول چلا رہے ہیں، بلکہ محض چلا نہیں رہے ان کو اولوالامر قرار دیا جا رہا ہے[1]۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا!

مجھے ۲۰۱۱ء میں وال سٹریٹ-نیویارک میں ہونے والے مظاہرات میں ایک سن رسیدہ شخص کا تھاما پلے کارڈ یاد آ رہا ہے۔ اس پر درج تھا 'The system is not broken, it was built this way!'۔

سر فروشی ہے ایماں تمہارا

چند روز قبل سوشل میڈیا پر ایک ویڈیو گردش کرتی 'سنی'، دیکھنے کے قابل نہ تھی، اس لیے سنی پڑی، ایک منظر کے لیے البتہ آنکھوں پر ہاتھ ہٹا کر دیکھا، اس میں بھی کچھ نہ دیکھنے والی چیز سے سامنا ہو ہی گیا، ناک پر ہاتھ البتہ بدستور رکھے رکھا، اس لیے کہ ویڈیو بدبودار بھی تھی۔ اس ویڈیو میں کئی کردار موجود ہیں۔

یہ ویڈیو 'بزرگ' فوجیوں کی ایک محفل ہے۔ نجانے محفل کہاں جمائی گئی ہے کہ اس میں ایک سکھ بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ فوجیوں کی روایتِ خاص کے مطابق محفل مخلوط ہے۔ ایک برہنہ نما بڑھیا مغنیہ گا رہی ہے......اے وطن کے سجیلے جوانو!۔ سامنے جرنیل کرنیل بیٹھے ہیں۔ بعض کے ہاتھوں میں جام بھی ہیں۔ انہی مجرمین میں ایک عظیم مجرم بھی کھڑا ہے۔ لکھنے والوں نے اس کے بارے میں لکھا کہ یہ شیخ اسامہ کا امریکیوں کو راز بیچنے والا کرنل ہے۔

نور جہاں سے اس مغنیہ تک، جس جس نے یہ مصرع گایا ہے سچ گایا ہے، بس زبر کی جگہ زیر پڑھیے:

سِر فروشی ہے ایماں تمہارا......

[1] یاد کیجیے علمائے اسلام کے نام کو استعمال کرنے والے اس زمین کے بوجھ کو جس نے کہا تھا کہ ولی عہد محمد بن سلمان اگر روزانہ آدھا گھنٹہ ٹی وی پر آکر پوری قوم کے سامنے بھی زنا کرے تو بھی اس کی اطاعت واجب ہے ؟!

جولین اسانج کو ایکسٹراڈائٹ کرنے کا فیصلہ

جولین اسانج، آسٹریلوی صحافی اور ہیکر جس نے امریکی جرائم کے راز افشا کیے اور ہزاروں دستاویزات نشر کیں، کے متعلق چند ماہ قبل (جنوری ۲۰۲۲ء میں) چند اسی ماہنامے میں درج کیے تھے کو ایکسٹراڈائٹ یعنی بطورِ مجرم امریکہ کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر دیا گیا ہے۔ یہ فیصلہ کہنے کو دنیا کے سب سے بہترین عدالتی نظام، یعنی برطانیہ کی عدلیہ نے کیا ہے۔ یہاں مزید اس سب کے بارے میں کیا لکھا جائے؟

بنے ہیں اہلِ ہَوَس مدعی بھی منصف بھی
کسے وکیل کریں، کس سے منصفی چاہیں

آزادی، مساوات اور ترقی کے دروازے کھلے ہیں، بس اس عالمی نظام پر کسی قسم کی بھی زد نہ آئے!

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا!

خلا میں بھی فوجی کمانڈ رکھنے اور خلا کو بھی مسخر کرنے کا دعویٰ و خواہش رکھنے والے امریکہ کے ادارے ناسا نے چند ہفتے قبل جیمز ویب دور بین سے حاصل کی گئی تصاویر نشر کیں۔ بلاشبہ ارض و سما میں اہلِ بصیرت کے لیے نشانیاں ہیں۔ دیکھنے والوں کو ہر شئے میں اللہ کی قدرتِ کاملہ کے انوارات نظر آتے ہیں، لیکن دیکھنے اور پھر جاننے کے لیے ظاہر کی آنکھ نہیں دل کی آنکھ چاہیے اور دل کی آنکھ کا تعلق نورِ ہدایت سے ہے، جسے اللہ نے ہدایت دے دی تو کوئی اسے گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے اللہ نے گمراہ کر دیا اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا! ناسا اور یورپین و کینیڈین سپیس ایجنسیوں کی مشترکہ کاوش جیمز ویب خلائی دور بین نے صدیوں کے نوری سالوں کا فاصلہ کم کیا، لیکن بیس سال میں دس بلین ڈالر خرچ کر کے جو دور بین بنی اس نے خالق و مخلوق کے درمیان اہلِ ضلالت کا فاصلہ مزید بڑھا دیا۔ ناسا کے ایک ایڈمنسٹریٹر 'بل نیلسن' نے خوشی اور حیرت سے کانپتی ہوئی آواز کے ساتھ کہا:

> "We're gonna learn more about 'who we are?', 'what we are?', 'what is our existence in this cosmos?', we are looking back in time almost to the beginning!"

> ''ہم مزید جان پائیں گے کہ 'ہم کون ہیں؟'، 'ہم کیا ہیں؟'، 'اس کائنات میں ہمارا وجود کیا ہے؟'، ہم زمانے کو مڑ کر دیکھ رہے ہیں، تقریباً جب یہ (کائنات) شروع ہوئی تب تک کا زمانہ!''

اسی منصوبے سے وابستہ ایک اور خاتون 'جین رِگبی' جو جیمز ویب ٹیلی سکوپ منصوبے میں آپریشنز سائنٹسٹ ہے نے جذبات کی شدت میں کہا:

> "May be people on a broken world, managing to do something right and see some of the majesty that's out there."

> ''ٹوٹی ہوئی دنیا کے باسی لوگ، کچھ صحیح کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور وہاں دنیا سے باہر جو عظمت ہے اس کو دیکھنے کے خواہاں ہیں!''

انّا للہ وانّا الیہ راجعون! گمرہی کی کیسی اتھاہ گہرائی ہے۔ جیمز ویب دور بین جو روشنیوں کے سالوں میں سفر کرتی معلومات ہم تک پہنچا رہی، قاصر ہے کہ 'ہمیں' یہ بتائے کہ ہم کون ہیں اور کیا ہیں؟ یہ وحی کے نور کو چھوڑ کے ظاہر کی روشنیوں کے سراب اور گھمن گھیریاں ہیں۔ اگر اس لادین و بے دین سائنس نے کچھ بتا بھی دیا تو یہی بتائے گی کہ کسی حادثے کے نتیجے میں کچھ جراثیم یہاں سے وہاں ہوئے اور خود بخود، کچھ کیمیائی وطبیعاتی و ایٹمی تغیرات برپا ہوئے، یہ دنیا بنی، یہاں گرم زمانہ تھا، پر آئس ایج تھی، ڈائنا سار تھے۔ واقعی، یہ کائناتِ ارض و سما خود بخود بن گئی، بالکل اسی طرح جیسے پہلے ہبل ٹیلی سکوپ خود سے بن کر خلا میں چلی گئی اور جس طرح اب جیمز ویب ٹیلی سکوپ خود سے خلا میں کسی مقام تک پہنچ کر خود سے تصویریں کھینچ کر بھیج رہی ہے، یاللأسف!

عظمت کے متلاشی، پچھلے بیس سال میں دس بلین ڈالر کی اگر صحیح مقامات پر سرمایہ کاری کرتے تو شاید آج مادی دنیا سے مادی غربت کا خاتمہ ہو چکا ہوتا۔ اور کچھ نہیں تو climate change ہی پر خرچ کیا ہوتا تو دنیا آج رہنے کے اعتبار سے بہتر جگہ ہوتی!

اللہ تعالیٰ اپنے دین کے داعیوں اور مجاہدوں کو توفیق دے کہ وہ اللہ کے دین کی دعوت کو ہر اس گوشے تک پہنچا سکیں جہاں ضلالت کا اندھیرا ہے، جس اندھیرے کو جیمز ویب ٹیلی سکوپ دیکھ کر سحر نہیں کر سکتی، آمین یا ربّ العالمین!

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امارتِ اسلامیہ افغانستان

وزارتِ امر بالمعروف ونہی عن المنکر

خواتین کے پردے اور حجاب سے متعلق ہدایات

باوجود اس کے کہ ملک بھر میں عرصۂ دراز سے خواتین کی بے پردگی کو عام کرنے کے لیے ایک منظم شکل میں پروگرامات اور منصوبے تشکیل دیے جا رہے تھے، لیکن جہاد اور غیرت سے سرشار ملت کی عفت مآب خواتین سو میں سے ننانوے فیصد پردے کو اپنی شریعت اور افغانی رسم ورواج کے طور پر قبول کرتی ہیں۔ چونکہ شرعی پردے کے بارے میں ہمارے معاشرے کے اندر کوئی عذر اور موانع موجود نہیں، لہٰذا باقی خواتین کو بھی چاہیے کہ اس شرعی حکم پر عمل اپنے اوپر لازم کریں۔

پردے کا حکم:

مسلمانوں کی بالغ خواتین کے لیے شرعی پردہ کرنا فرض اور ضروری ہے۔

پردے کی تعریف:

ہر وہ لباس جس سے جسم کو ڈھانپا جائے اسے حجاب کہتے ہیں، لیکن وہ لباس اتنا باریک نہ ہو جس میں سے جسم نظر آئے اور اتنا چست بھی نہ ہو جس میں جسم کے اعضا معلوم ہوں۔

پردے کی اقسام:

- چادرے (ٹوپی برقع) جو ملک بھر میں عرصۂ دراز سے باعزت افغانی رسم ورواج کا حصہ ہے، شرعی پردے کا بہترین ذریعہ ہے۔
- برقعے کے نام سے سیاہ رنگ کا لباس اور چادر بھی شرعی پردے کا ذریعہ ہے، لیکن تنگ اور چست نہ ہو۔
- گھر سے بغیر ضرورت کے باہر نہ نکلنا بھی شرعی پردے کا پہلا اور بہترین طریقہ ہے۔

پردے کی شرائط:

وہ خاتون جو عمر کے لحاظ سے بوڑھی یا چھوٹی نہ ہو، نامحرم مردوں کا سامنا کرتے وقت فتنے کے خوف سے شرعی ہدایات کے مطابق آنکھوں کے علاوہ پورے چہرے کو پردے میں لازماً چھپائے گی۔

پردے کے فوائد:

- پردہ امر خداوندی ہے اور اس پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے۔
- حجاب مسلمان اور باعفت خواتین کی نشانی ہے۔
- باپردہ خواتین اللہ کی نافرمانی اور گناہوں سے محفوظ رہتی ہیں۔
- عزت اور وقار سے مامور ہوتی ہے۔
- مفسدین کے شر ور اور فساد سے امن میں رہتی ہیں۔
- فتنہ پروروں کے منصوبوں کا آسانی سے شکار نہیں ہوتیں۔

شرعی پردے کی تطبیق کا طریقہ اور اس کے مراحل:

۱. ترغیب:

- میڈیا اور مساجد کے منبروں سے پردے کا حکم، اہمیت اور اس کے فوائد سمیت اور بے پردگی کے نقصانات بیان کرنا۔
- بازاروں، تفریح گاہوں اور عمومی جگہوں پر شرعی پردے کے بارے میں ترغیبی جملے لکھنا اور اس موضوع پر پمفلٹ یا سٹیکر لگانا۔

۲. تنبیہ اور ترہیب:

- بے پردہ عورت کا پہلی بار گھر معلوم کیا جائے اور اس کے ولی کو نصیحت اور تنبیہ کی جائے۔
- دوسری دفعہ عورت کے ولی کو ریاست میں بلا کر اس کا محاسبہ کیا جائے۔
- تیسری دفعہ عورت کے ولی کو تین دن کے لیے قید میں رکھا جائے۔
- چوتھی دفعہ عورت کے ولی پر مقدمہ چلایا جائے اور اس کو مناسب سزا دی جائے۔
- وہ خواتین جو امارت یا حکومتی اداروں میں کام کرتے ہوئے پردہ نہیں کرتیں، ان کو کام سے نکالا جائے۔
- اگر حکومتی مامورین اور مسئولین کی خواتین اور بیٹیاں شرعی پردہ نہیں کرتیں تو ان افراد کو کام سے روکا جائے۔

*نوٹ: یہ اعلامیہ اصلاً پشتو زبان میں نشر کیا گیا تھا، جس کی اردو ترجمانی ادارہ 'نوائے غزوۂ ہند' نے کی ہے۔

بیداری

قاضی ابو احمد

بعض باتیں، بعض خبریں اور بعض واقعات ایسے ہوتے ہیں جو لوحِ دل پر ثبت ہو جاتے ہیں اور ان کا تاثر اس قدر گہرا ہوتا ہے کہ زائل ہو کر نہیں دیتا۔ عین ممکن ہے کہ ایک واقعہ جو کسی کے دل پر بہت گہرا تاثر چھوڑے، وہ دوسرے کسی شخص کے لیے سرے سے اہم نہ ہو۔ لیکن اگر ہم مسلمان بطور افراد نہیں بلکہ بطور امت واقعات و حالات کا تنقیدی جائزہ لیں تو ہو نہیں سکتا کہ دلِ زندہ رکھنے والا کوئی مسلمان بھی امت کی مجموعی حالتِ زار پر اپنے دل کو متاثر ہونے سے روک سکے۔

دل کو خون کر دینے والا ایسا ہی ایک واقعہ چند ماہ قبل سرزمین حرمین کے شہر ریاض میں بڑے پیمانے پر منعقد ہونے والا خالص شیطانی جشن موسیقی ہے جو تین یا چار دن تک جاری رہا اور جس میں دنیا بھر کے مشہور بھانڈ میراثیوں نے بڑے جوش و خروش سے شرکت کی۔ جشن کی ہلکی سی جھلکیاں مرد و زن کے اختلاط کے ایسے مناظر پیش کرتی ہیں کہ انسان شرم سے پانی پانی ہو جائے اور سرزمین حرمین کے تقدس کو پامال ہوتے دیکھ کر زمین میں گڑ جائے۔ بے پردہ، بلکہ تقریباً بے لباس عورتوں اور بے قابو شہوات سے دیوانے ہوتے مردوں کا طوفان بدتمیزی برپا کرتا ہجوم اور اندھیرے میں شہوات کی اس بھڑکتی آگ کو مہمیز دیتا ناچتی تھرکتی رنگین روشنیوں کا سیلاب اور بلند آہنگ موسیقی...... الامان الحفیظ۔ یہ جشن اس سطح پر اور اس جوش و خروش سے منایا گیا کہ یورپ سے آئے مشہور بھانڈ میراثی تک حیران رہ گئے کہ اس جشن نے تو امریکہ و یورپ میں برپا کیے جانے والے ایسے کئی میلوں کو مات دے دی۔ بین الاقوامی میڈیا نے بڑے جوش و خروش سے اس جشن کا ذکر ان الفاظ میں کیا کہ 'سعودی عرب نے وہ کر دکھایا جو ناقابل تصور تھا' اور اسے سعودی عرب کی تاریخ کا یادگار جشن قرار دیا گیا...... کافروں کے لیے یہ جشن اس لیے ناقابل تصور تھا کہ سعودی عرب میں کچھ سال پہلے تک اسلامی شعار کی کچھ ظاہری شکل و صورت، کچھ ملمع باقی تھا جس کی وجہ سے اس معاشرے کو قدامت پسند اور بعض خوش فہم مسلمانوں کے نزدیک اسلام سے قریب سمجھا جاتا تھا۔ اور مسلمانوں کے لیے یہ اس لیے ناقابل تصور تھا کہ ایک سادہ سا مسلمان بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں جاتا ہے اور اس کے دل میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب ہوتا ہے اور وہ اس شہر میں بلکہ سرزمین حرمین میں ایسی بہت سی حرکتوں سے اجتناب کرتا ہے جنہیں وہ اپنے وطن میں کرنے کا عادی ہوتا ہے۔ اور اس کی وجہ صرف بیت اللہ شریف، مسجد نبوی شریف اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کا ادب ہے۔ کجا یہ کہ عین نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کے پڑوس میں بھانڈ میراثیوں کا غل غپاڑہ سرکاری سطح پر برپا کیا جائے اور اس میں امت مسلمہ کی بیٹیاں اور بیٹے انسانیت کے چولے اتار کر اپنی حیوانی جبلتوں کا سرعام اظہار کرتے پھریں۔

ایک طرف حجاب نوچ اتار کر پھینکتی، محرم کی معیت کی شرط سے آزاد، سرزمین حرمین کی سڑکوں پر ناچتی تھرکتی امت کی یہ بیٹیاں ہیں اور دوسری جانب ہندوستان میں سکولوں اور کالجوں کی طالبات ہیں جو حجاب پہننے کی اجازت سلب کیے جانے پر نوحہ کناں ہیں۔ بہت سی وہ ہیں جو کسی صورت اپنے حجاب پر سمجھوتا کرنے کو تیار نہیں، الحمدللہ، مگر بعض مناظر ایسے بھی دیکھنے میں آئے جہاں مسلمان طالبات نے اپنے تعلیمی اداروں کے دروازوں پر اپنے برقعے اتار دیے اور برقعوں کے اندر سے بغیر آستین چست لباس میں ملبوس، تراشیدہ بالوں والی مسلمان خواتین برآمد ہوئیں۔

ایک اور سمت جائیں تو مسلمان ملک انڈونیشیا سے یہ روح فرسا خبریں سننے کو ملتی ہیں کہ ہر سال لگ بھگ بیس لاکھ مسلمان عیسائیت اختیار کرتے جا رہے ہیں اور اگر مسلمانوں کے ارتداد کی یہی رفتار رہی تو سن ۲۰۲۳ء تک انڈونیشیا مسلم اکثریت کی بجائے عیسائی اکثریت رکھنے والا ملک بن جائے گا۔ عیسائی مشنری مسلمانوں کو ان کے دین سے پھیرنے کے لیے اب اپنے خطبے اتوار کی بجائے جمعہ کے دن منعقد کرنے لگے ہیں اور ان خطبوں میں اسلامی اصطلاحات کا استعمال کرنے لگے ہیں حتیٰ کہ وہ جو اللہ رب العزت کے لیے ہمیشہ خداوند کا لفظ استعمال کرتے تھے، اب مسلمانوں کو ورغلانے کے لیے لفظ اللہ استعمال کرنے لگے ہیں، وہ اپنی بائبل کی تلاوت بالکل قرآن پاک کی تلاوت کے سے انداز میں کرنے لگے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ مسلمان ان کے قریب آئیں اور ان سے اجنبیت محسوس نہ کریں۔ نیز کئی ٹی وی چینل ان کے افکار اور نظریات کی تشہیر و ترویج کر رہے ہیں، تعلیمی اداروں میں طلبہ و طالبات کو مختلف ترغیبات دے کر انہیں عیسائی کمیونٹی کا حصہ بنایا جا رہا ہے۔ اور اس سب کی سب سے بڑی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ انڈونیشیا میں مسلمانوں کے لیے اپنے دین کی معرفت پیدا کرنے کا کوئی خاطر خواہ ذریعہ نہیں ہے۔ خطباتِ جمعہ عربی زبان میں ہوتے ہیں جو مقامی آبادی کی سمجھ سے باہر ہیں اور یوں نہ انہیں عمل پر آمادہ کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے دین سے ان کی محبت اور رغبت میں اضافہ کرتے ہیں۔

فرانس تو ہے ہی نہایت متعصب کافر دشمن، لہٰذا وہاں اگر خواتین کے لیے پردے کے ساتھ گھر سے باہر نکلنے، نوکری کرنے، تعلیم حاصل کرنے، کھیلنے پر پابندی لگ گئی ہے تو مقامِ حیرت نہیں مگر چیچنیا کی طرف دیکھیں جو ایک مسلمان ملک ہے۔ مگر آج وہاں روس نواز حکومت ہے

اور اسی حکومت کی نمائندگی کرنے والے سرکاری مفتی ہیں جو چیچنیا کے سرکاری ٹی وی چینل پر اپنے سامنے حجاب والی خواتین کو بٹھا کر تقریر کرتے ہیں کہ پردہ دراصل وہابی ازم ہے اور اس کا اصل اسلام اور شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ کہہ کر وہ خواتین سے دریافت کرتا ہے کہ تم سمجھ گئی کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، اثبات میں جواب ملنے پر کہتا ہے کہ پھر یہ ہٹا دو جو تمہارے سامنے (تمہارے چہروں پر) ہے اور سامنے بیٹھی خواتین اپنے چہروں سے نقاب ہٹا دیتی ہیں۔ اسی چیچنیا میں پارلیمنٹ کا ایک 'مسلمان' فرد افراد پارلیمنٹ کے سامنے جو گفتگو کرتا ہے وہ کچھ یوں ہے:

> "ہر وہ شخص جس کی بیوی سیاہ لباس (برقعہ) میں ملبوس ہو کر اور اپنا چہرہ چھپا کر گھر سے باہر نکلتی ہے، جان لے کہ ہم ایسی تمام خواتین کو پکڑ کر انہیں بے لباس کریں گے...... (آگے جو الفاظ کہے گئے وہ قابل نقل نہیں ہیں)...... کیونکہ یہ (پردہ) شریعت کا حصہ نہیں ہے۔ ہم (پردے کو) اس ملک میں مزید برداشت نہیں کریں گے۔ اسلام ہم سے حجاب پہننے کا مطالبہ کرتا ہے...... مگر بھوتوں کی طرح چہرے کا پردہ کرنے اور ہاتھوں میں دستانے پہن کر باہر نکلنے کی اجازت ہم نہیں دیں گے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت مسلمہ کی مثال جسد واحد کی بیان فرمائی ہے کہ جس کے ایک حصے میں تکلیف ہو تو باقی پورا جسم بخار میں مبتلا ہو کر اس کا ساتھ دیتا ہے۔ یہ جسم اگر زندہ ہو، اس کی رگوں میں تازہ لہو جوش مارتا ہو، اس کے خلیے خلیے میں زندگی کی حس باقی ہو تو ایک سوئی تک چبھنے پر پورا جسم ردعمل ظاہر کرتا ہے، لیکن اگر یہ جسم شل ہو، فالج زدہ ہو، بے حس ہو تو اس کے ایک حصے کو چیونٹیاں چمٹ کر نوچ نوچ کر لے جائیں تو بھی اسے خبر نہیں ہو پاتی۔ کبھی تو امت مسلمہ پر ایسی ہی بے حسی کا گمان ہوتا ہے کہ جسے جابجا جھنجھوڑا، جلایا، کھسوٹا جارہا ہے مگر پھر بھی کہیں سے کوئی آواز بلند نہیں ہوتی، کہیں سے کوئی آہ نہیں ابھرتی، کہیں سے کوئی ردعمل سامنے نہیں آتا۔ مگر پھر کوئی ایسا واقعہ رونما ہو جاتا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نہیں! امت کے اس بظاہر مردہ جسم میں ابھی جان باقی ہے، ابھی حس باقی ہے، ابھی اس کے کچھ خلیے زندہ ہیں۔

جذباتی واقعات پر وقتی ردعمل ایک بات ہے مگر بالعموم امت مسلمہ کیوں سوئی ہوئی ہے؟ اس پر بے حسی اور جمود کیوں طاری ہے؟ یاں سے واں تک امت مسلمہ بحیثیت مجموعی پریشان حال، پراگندہ اور بکھری ہوئی کیوں ہے؟ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم میں سے بیشتر شعوری مسلمان نہیں بلکہ پیدائشی مسلمان ہیں اور یوں ہمارے اندر اپنے دین پر عمل کا جذبہ، اس کے لیے غیرت، اس پر مر مٹنے کا عزم مفقود ہے۔ یہ وہ نعمت ہے جو ہمیں بن مانگے، بغیر کوشش کے مل گئی ہے، لہٰذا ہمیں اس کی قدر نہیں ہے۔ پاکستان میں بسنے والے مسلمانوں کی بڑی تعداد ہو یا ہندوستان، بنگلہ دیش، برما، ترکستان، انڈونیشیا، ملائیشیا یا عرب ممالک میں بسنے والے مسلمان، ہم میں سے بیشتر وہ ہیں کہ جن کا دین صرف ان کے کان میں دی گئی اذان کی بنیاد پر ان کا دین ہے، صرف اس لیے کہ ان کے والدین مسلمان کہلاتے ہیں، ورنہ اسلام سے مسلمانوں کا کتنا تعلق ہے، اللہ کے دین پر اللہ کی کتاب پر وہ کتنے عمل پیرا ہیں، اس سے ہم اور آپ ناواقف نہیں۔ حدیث پاک میں مسلمانوں کو سیلاب کی سطح پر آنے والے خس و خاشاک سے تشبیہ جو دی گئی ہے، تو آج مسلمان بعینہ اسی حالت میں ہیں۔ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، مگر ان کے دلوں میں اسلام اور ایمان کی مقدار بہت کم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم اقوام ہر طرف سے مسلمانوں پر بھوکوں کی طرح ٹوٹی پڑ رہی ہیں۔

جب کہ کفر اس وقت اس قدر بیدار ہے کہ وہ کہیں ترغیب کے ذریعے مسلمانوں کو ان کے دین سے ورغلا رہا ہے، مفلس مسلمانوں کو طرح طرح کے لالچ دے کر، مادی فائدے دکھا کر انہیں بہلا پھسلا کر ان کے دین سے دور لے جارہا ہے تو کہیں ترہیب کے ذریعے۔ کہیں انہیں جلا کر، مار کر، ان کے مال لوٹ کھسوٹ کر، انہیں ان کی املاک سے بے دخل کر کے، ان کی شہریت متنازع بنا کر، ان کی زمینیں زبردستی کافروں کے حوالے کر کے، ان پر ظلم و ستم کا طوفان برپا کر کے، انہیں ان کے دین سے برگشتہ کیا جارہا ہے اور اس بات پر مجبور کیا جارہا ہے کہ وہ اس قدر زمین سے لگ جائیں کہ انہیں صرف اور صرف اپنی جان بچانے کے سوا کسی بات کی فکر اور پروا نہ رہے۔ اور کہیں فحاشی اور عریانی کو عام کر کے مسلمان مردوں اور عورتوں کو شہوات کے سیل میں غرق کر کے ان کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں سلب کی جارہی ہیں۔ یہ سب اس لیے ہو رہا ہے کہ مسلمان میں یہ شعور باقی نہیں رہا کہ وہ کون ہے اور جو وہ ہے وہ کیوں ہے اور اس کے کیا تقاضے ہیں۔

ہمارے قریب ترین ملک بھارت کو دیکھیں تو اس کے چار سو سے زائد ٹی وی چینل چوبیس گھنٹے مسلمان مخالف پراپیگنڈا کرنے، مسلمانوں کے خلاف نفرت اور تعصب ابھارنے، ان کے خلاف ہتھیار اٹھانے، ان کو نیست و نابود کرنے کے لیے عسکری تربیت لینے کی ترغیب دینے میں مصروف ہیں۔ بھارت بھر میں جابجا نوجوان ہندو لڑکے جتھوں کی صورت جمع ہو کر تلوار، چاقو، مارشل آرٹس کی تربیت لے رہے ہیں تاکہ اسے مسلمانوں کے خلاف استعمال کر سکیں۔ وہ اعلانیہ یہ کہتے ہیں کہ بھارت ہندوؤں کا ہے اور مسلمانوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ پوری دنیا میں مسلمان ممالک بہت ہیں، مسلمانوں کو چاہیے کہ ان ممالک میں جائیں اور بھارت کو چھوڑ دیں۔ اور مسلمانوں کے خلاف اس جنگ میں الیکٹرانک میڈیا، پرنٹ میڈیا، سوشل میڈیا اور گلیوں محلوں میں کی جانے والی زبانی اور عملی کوششیں سب ہی سرگرم ہیں۔ بھارت کے وزیر داخلہ امت شاہ نے کچھ عرصہ قبل اپنے پارٹی کارکنوں سے، جنہیں وہ social media warriors قرار دیتا ہے، خطاب کرتے ہوئے کہا:

”ہم اپنے عوام کو تلخ و شیریں، جھوٹا سچا ہر قسم کا پیغام دینے پر قادر ہیں، کیونکہ ہمارے واٹس ایپ گروپ میں بتّیس لاکھ لوگ ہیں۔“

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ بھارتی ہندو جب چاہیں صرف ایک کلک کے ذریعے پورے ملک میں مسلمانوں کا قتل عام برپا کر سکتے ہیں۔ اور ایسا ہونا بعید نہیں۔ رپورٹ کے مطابق بھارت مسلمانوں کے نسل کشی کے دہانے پر کھڑا ہے۔ نسل کشی کے چند مراحل میں سے پہلا مرحلہ اس خاص نسل کو چھانٹ کر الگ کرنا ہے، انہیں اپنے اداروں سے، معاشرے سے کاٹنا اور بے دخل کرنا ہے، ان پر الزامات لگا کر انہیں ان کے اپنے معاشروں کے اندر اجنبی بنانا ہے۔ اور ان تمام مراحل پر بھارت کے اندر مسلمانوں کے خلاف بھرپور طریقے سے عمل شروع ہے، خواہ وہ کشمیر میں ہو یا یوپی میں اور دیگر بھارتی ریاستوں میں۔

اور مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ ان کے میڈیا چینلز پر موضوعات ہی اور ہیں۔ ہمہ وقت عشق عاشقی، ناچ گانے، راگ رنگ کی محفلیں ہیں۔ اور اگر کہیں اس کے سوا کچھ ہے تو وہ ’اپنی ہی قانونی بیوی سے ریپ‘ کے موضوع پر بننے والے ڈرامے ہیں، تعلیمی اداروں میں مخلوط تعلیم اور پھر استاد و شاگردوں کے عشق کی داستانوں پر مبنی قصے ہیں، سو بچوں کے قاتل جاوید اقبال پر بننے والی فلم ہے (کہنے کو یہ فلم اسے ہیرو بنا کر پیش نہیں کرے گی، مگر جب آپ اس کے عمل کی توجیہہ میڈیا پر پیش کریں گے اور اسے گلیمرائز کر کے دکھائیں گے تو ظاہر ہے آپ اسے اپنی نئی نسل کے لیے رول ماڈل کے طور پر پیش کریں گے نہ کہ عبرت کے طور پر، گو کہ یہ فلم ریلیز نہیں کی گئی)۔

ہم میں سے ہر ایک مسلمان فرد مکلف ہے۔ وہ مسلمان جنہیں اللہ رب العزت نے اپنے دین کا فہم عطا فرمایا ہے، انہیں چاہیے کہ وہ اللہ رب العزت کی معرفت کے حصول، اس کے دین سے محبت اور اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی کے ہر پہلو کو ڈھالنے کی کوشش اور قرآن پاک کا علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کی کوششوں کو شدید تر کر دیں۔ لیکن صرف یہ کافی نہیں ہے، جس مسلمان کو بھی اللہ تعالیٰ نے دین کا شعور، اس کا فہم اور اس کی قدر عطا کی ہے اس کو چاہیے کہ وہ پورے زور و شور کے ساتھ اپنے دین کے پیغام کو آگے پہنچائے۔ اپنے تعلیمی اداروں میں، اپنے دوستوں سہیلیوں میں، اپنے محلے میں، اپنے رشتہ داروں میں دین کی باتیں شروع کریں، انہیں عام کریں تاکہ لوگوں کے کان ان کو سننے کے عادی ہوں، اپنے عمل سے اپنے اخلاق سے اپنی خدمت سے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنائیں اور پھر ان کے ذہنوں پر ان کی سوچوں پر اثر انداز ہونے کی کوشش کریں۔ ایک مسلمان کی ساکھ اپنے قریبی حلقے میں جتنی اچھی ہوگی اتنا ہی وہ لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کر سکے گا۔ لیکن اگر آپ خود تو اسلام پر ظاہری طور پر عمل پیرا ہیں مگر آپ کے اخلاق و کردار قابل تعریف نہیں تو آپ کا لوگوں کو دین کی طرف بلانا لوگوں کو دین سے ہی برگشتہ کر دے گا۔ کرنے کا کام یہ ہے کہ اپنے اعمال و اخلاق و افکار کی تطہیر کے ساتھ ساتھ محبت اور نرمی کے ساتھ اللہ کے دین کا پیغام اور اس پر عمل کی ترغیب دوسرے مسلمانوں تک پہنچائیں۔ اسلام کی خوبیاں، اس کے عطا کردہ حقوق، اس کی برکات و فضائل اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انسانوں کے لیے اللہ رب العزت کا چنیدہ دین ہونا اور اس کی مبنی بر دلیل وجوہات بیان کریں، (اور یہ وہی شخص کر سکتا ہے جو اپنے دین پر فخر رکھنے کے ساتھ ساتھ گہرائی میں اس کا علم بھی رکھتا ہے۔ پس اس علم کے حصول کی کوشش ہم میں سے ہر سنجیدہ مسلمان پر واجب ہے)۔ ہم مسلمانوں کی اکثریت اگرچہ دین پر اس طرح عمل پیرا نہیں جس طرح کہ ہونا چاہیے مگر دل کے نہاں خانوں میں اپنے دین کی محبت، اپنے نبی سے محبت، اپنے رب پر ایمان ضرور چھپائے ہوئے ہے۔ اس گرد کو ہٹانے کی اور اس محبت کو گرمانے کی، دین پر عمل کی تڑپ پیدا کرنے کی اور اس دین کی حفاظت کی خاطر سب کچھ کر گزرنے کے ولولے کو مہمیز دینے کی ضرورت ہے۔ اس کام کے لیے کسی کل کے انتظار کی ضرورت نہیں، اسے آج اور ابھی ہی شروع ہو جانا چاہیے۔ اگر آپ سوشل میڈیا پر ایکٹو ہیں تو اس پلیٹ فارم کو اپنے دین کی ترویج کے لیے استعمال کریں، اللہ نے آپ کو اچھا بولنے یا اچھا لکھنے کی صلاحیت دی ہے تو اسے اپنے دین کے حق میں استعمال کریں، غرض ہر سہولت اور صلاحیت جو اللہ پاک نے آپ کو عطا کر رکھی ہے اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کریں۔ وہ جو کسی وجہ سے عملی جہاد کے لیے گھروں سے نکل نہیں پائے، وہ کم از کم اس جدوجہد میں اپنا حصہ ضرور ڈالیں، اپنی ذمہ داری کو سمجھیں اور اسے نبھانے کی آخری حد تک کوشش کریں۔ وماعلینا الا البلاغ!

بقیہ: سلطانئ جمہور

اس کی بھی پہلی قسط کا چیک اس میں شامل ہے۔ باقی قسطیں بھی میں جلد ہی ادا کر دوں گا...... تم فکر مت کرنا۔ ابھی بھی دیکھ لو، عبد اللہ کو رِیسیو کرتے ہی وعدے کے مطابق اگلے ہی دن میں نے پہلی قسط ادا کر دی ہے......“۔

لاؤنج میں ایک گہرا سناٹا چھا گیا تھا۔ اور اس سناٹے میں ارشد کی آواز غیر معمولی طور پہ بلند اور چبھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ عبد اللہ کو ریسیو کرتے ہی...... یہ پہلی قسط ہے...... وعدے کے مطابق میں لے آیا ہوں...... نسرین کو زمین و آسمان گھومتے ہوئے محسوس ہوئے۔ ابو بکر و جاوید صاحب، ولید اور زوار سب ہی اس بات پر چونک گئے تھے، وہ حیرت و استعجاب سے ارشد کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جبکہ ان کے جذبات و تاثرات سے بے نیاز، وہ اپنی ہی کہے جا رہا تھا:

”...... مجھے کہنا پڑے گا نسرین!...... کہ تم نے بہت اچھا فیصلہ کر لیا۔ دیر سے ہی سہی اور کورٹ میں اچھی خاصی خواری کے بعد...... لیکن بہر حال ہم سب کے لیے یہ فیصلہ ہی بہتر ہے۔ میں عبد اللہ کو بہت اچھی طرح رکھوں گا...... اس کی بہت اچھی پرورش کروں گا...... جیسا کہ باپ ہونے کی حیثیت سے میں ہی کر سکتا ہوں...... اور تم...... تم اپنی ایک نئی زندگی شروع کر سکتی ہو......!“

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

احساس اگر ہوتب......

عامر سلیم خان (سابق آفیسر پاکستان آرمڈ فورسز)

رمضان المبارک ۱۴۴۳ھ میں افغانستان پر بمباری کرنے والے پاکستانی ہوا بازوں کے نام ایک مجاہد کا پیغام

جنرل ڈیوٹی پائیلٹ (GD Pilot) بننا ہمارے ہاں آسان تو نہیں۔ آپ نے بھی یقیناً بہت محنت کی ہو گی۔ آخر کار ایک چارمنگ وائٹ کالر جاب ہے۔ ماں باپ کتنے خوش ہوں گے بیٹا، بیٹی کو کامیاب سمجھ کر۔ آخر کتنا عرصہ انہوں نے اسی کے لیے محنت کر کر کے پالا پوسا۔ معاشرے میں، خاندان میں، دوستوں میں آپ کی عزت ہوتی ہو گی۔ لوگ کہتے ہوں گے کہ برسوں کی محنت تھی جس کا صلہ مل گیا۔ نوجوان بھی آپ سے مشورے مانگتے ہوں گے کہ کیسے وہ بھی اپنا کیریئر آپ جیسا بنائیں۔ خود ائیر فورس میں جی ڈی پائیلٹ کو جو عزت ملتی ہے باقی شعبوں والوں کو کہاں اتنی عزت ملا کرتی ہے؟

لیکن وہاں اتنی مقبولیت کے باوجود پتہ نہیں یہاں دور دراز ان پہاڑوں میں ایک بستی ہے جہاں کے چھوٹے بڑے، مرد و خواتین، امیر و غریب، یہاں تک کے چرواہے، جو دنیا سے بے غرض صبح سے شام تک اپنے ریوڑ ہی کو دیکھتے رہتے ہیں اور دنیا سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں، وہ آپ سے، آپ کے نام سے اور آپ کے کام سے نفرت کرتے ہیں؟ شاید ان کو پتا نہیں کہ آپ کتنے قابل ہیں، آپ کتنے لائق ہیں، آپ کتنے محنتی ہیں، آپ کی سوچ کتنی جدید ہے، آپ کا رہن سہن کتنا انوکھا اور جدید تقاضوں کے مطابق ہے؟ شاید ان کو آپ کے چارمنگ کیریئر کا پتہ نہیں؟ یہ بے چارے پہاڑ پر بسنے والے کیا جانیں جی ڈی پائیلٹ کیا ہوتا ہے؟

لیکن جب یہ آپ کو جانتے تک نہیں پھر یہ آپ سے نفرت کیوں کر رہے ہیں؟ یہ آپ کو رو رو کر بد دعائیں کیوں دے رہے ہیں؟ یہ آپ سے خفا کیوں ہیں؟ آپ کا ان کے ساتھ کیا معاملہ ہے جو یہ آپ سے اتنے بددل ہیں؟ آخر کیوں؟

آپ کو پتہ نہیں کہ کیوں، تو وہ دیکھیں...! وہ دیکھیں، یہ جو اکیلا بچہ بیٹھا ہے آپ نے اس کے پورے خاندان کو اس سے چھینا ہے۔ آپ نے اس سے اس کا مشفق بابا، اس کی پیار کرنے والی ماں، اس کے ساتھ کھیلنے والا اس کا بھائی، اس کی پیاری چھوٹی بہن اس سے چھینی ہے۔ پتہ ہے آپ کو؟ وہ جو بوڑھا وہاں قبر کے سامنے رو رہا ہے، پتہ ہے آپ نے اس سے اس کا جواں سال بیٹا چھینا ہے؟ وہ سنیں، اس گھر سے خواتین کی رونے کی آواز آ رہی ہے، کئی بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا، پتہ ہے یہ بہنیں کہہ رہی ہیں کہ آپ نے مارا ہے اس کو؟ آپ کو کچھ پتہ نہیں کہ آپ نے اس رات بمباری کر کے کتنے بچوں کو ہمیشہ کے لیے اپنے پیاروں سے رخصت کیا؟ آپ کو کچھ پتہ نہیں، آپ نے کتنے ہی خواتین کے سہاگ اجاڑ کر ان کے دل ایسے توڑے جو پھر کبھی نہیں جڑ سکتے؟ کیا آپ کو کچھ پتہ نہیں کہ اس رات آپ نے ایک خاندان کے اٹھائیس بندوں کو ایک ہی وار میں اپنی پیشہ ور مہارت کا نشانہ بنایا؟ کیا آپ کو کچھ بھی پتہ نہیں کہ آپ نے کیا کیا؟ کتنا بڑا ظلم کیا؟ بچوں، عورتوں، جوانوں اور بوڑھوں کو مارنے کے بعد آپ کو کچھ بھی پتہ نہیں کہ آپ نے کیا کیا؟

احساس...... ایک جید افغان عالم دین استاد محمد یاسر رحمہ اللہ کہا کرتے تھے کہ 'احساس ختم کر دو، اپنے نفس سے احساس کو مار دو پھر جو چاہے کرو'۔ کیا مسئلہ ہے جو آپ نے اتنے قتل کیے، آپ کو تو کوئی مسئلہ ہی نہیں، آخر کیوں؟ آپ میں احساس نہیں ہے۔

اگر احساس ہوتا تب؟ تب آپ کسی مسلمان کو قتل کیا اس کی طرف بری نگاہ اٹھانے سے بھی ڈرتے۔ اگر احساس ہوتا تو جہنم کے ڈر سے آپ کبھی ایسا نہیں کرتے۔ اگر احساس ہوتا تو آپ اپنے کمانڈر سے معذرت کر لیتے کہ افغانستان کی بستیوں میں مسلمان رہتے ہیں اور مسلمانوں کو مارنا جائز نہیں، حرام ہے، سختی سے منع ہے، ہمیشہ ہمیشہ کی جہنم ہے۔ اگر احساس ہوتا تب ناں......

لیکن شاید آپ کو کہا گیا ہو کہ آپ نے انڈیا پر بمباری کرنی ہے؟ انڈیا میں ہمارے مسلمان بہن بھائیوں پر بہت ظلم ہو رہا ہے اور آپ اس کا بدلہ لیں، اسے روکنے کی کوشش کریں، مساجد، مدارس یہاں تک کہ اب تو گھروں کو مسمار کیا جا رہا ہے، اس ظالم اسلام دشمن، اسلام نہیں تو پاکستان دشمن ہندو کو سبق سکھائیں۔ ہو سکتا ہے، لیکن کیسے؟ کیا آپ کو ٹریک نہیں دیا گیا؟ کیا آپ نے نقشے پر پلان نہیں دیکھا؟ آپ کا ٹریک تو مغرب کی طرف تھا اور انڈیا مشرق میں ہے؟

لیکن انڈیا تو آپ کی پالیسی کے مطابق غیر ملک ہے اور وہاں ہم کیوں مداخلت کریں؟ انڈیا جانے اور اس کے مسلمان، ہمیں کیا ہر کسی کا مسئلہ اپنے سر لینے کا؟ لیکن آپ کے بقول کشمیر تو آپ کا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کو یہ کہا گیا ہو کہ ہر روز ہمارے کشمیری بہنوں اور بھائیوں پر جو ظلم ہو رہا ہے آپ نے اس کا بدلہ لینا ہے اور آپ نے حامی بھری ہو۔ آپ نے جذبے کے ساتھ مشن پورا کرنے کا عہد کیا ہو، آپ نے جہاز کو بموں سے لوڈ کرتے ہوئے جانچا ہو، جب جہاز میں تیل (fuel) ڈالا جا رہا تھا آپ خوشی سے اور جذبے میں آ گئے ہو کہ آج اسلام دشمن، چلو اسلام اگر نہیں تو پاکستان دشمن ظالم انڈین فوج کے خلاف کارروائی کرنی ہے؟

لیکن یہ کیا؟ کشمیر تو مشرق میں ہے، بمباری مغرب میں؟

(باقی صفحہ نمبر 93 پر)

غمِ سود وزیاں

محترمہ عامرہ احسان صاحبہ

ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی والدہ کا انتقال اصلاً تو قومی ضمیر کے سانحۂ ارتحال پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔ دو دہائیوں سے مظلوم بیٹی کی راہ تکتی نحیف ونزار ماں، دید کی پیاسی آنکھیں موند کر اپنا مقدمہ مالک یوم الدین کے ہاں دائر کرنے بحکمِ ربی حاضر ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس اس ظلم کے بدلے، صبر کے بدلے انہیں عطا فرمائے۔(آمین)

اس جرم میں مشرف سے لے کر آج تک کی سبھی حکومتیں، عدالتیں، سیاست دان، جج، جرنیل، عوام درجہ بہ درجہ شریک ہیں۔ پوری امت پر بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ حجاج بن یوسف جیسے حکمران نے عورت کی پکار پر بے قرار ہو کر پے درپے تین مہمات ان کی رہائی کے لیے روانہ کیں۔ پہلے دو کی شہادت کے بعد محمد بن قاسم کامیاب ہوئے۔ اس خطے کو ایمان سے منور کرنے والا ۱۷ سالہ نوجوان، ایک مظلوم مقید پکار پر ہی لپکا تھا۔ تب تک عورت محترم اور تقدس ووقار، ملی غیرت کا سوال ہوا کرتی تھی۔ حکمرانوں کو وفورِ غیرت سے اٹھا کھڑا کیا کرتی تھی۔ سودی قرضوں اور کشکولی معیشتوں نے ایمان اور غیرت کو قصۂ پارینہ بنا ڈالا۔ امریکہ یورپ کے در پر جبیں سائی نے ہمیں کہیں کا نہ چھوڑا۔ بلکہ شاید عصمت صدیقی کا رخصت ہونا بچی کھچی ضمیر کی خلش سے نجات بھی سمجھی جائے۔ بوڑھی ماں کا سامنا کرنا مشکل بھی تو تھا! اللہ ڈاکٹر عافیہ کو سکینت اور رحمت کے سائے میں رکھے اور ہمیں غیرت مند قیادت عطا کرے جو یہ دیرینہ قرض اتار سکے۔(آمین)

بھارت اپنی تمام تر جنونی خباثت کے باوجود عالمی سطح پر پھل پھول رہا ہے۔ مذہبی آزادی کے امریکی سفیر نے وارننگ دی ہے کہ بھارت میں قتل عام کا شدید خطرہ ہے۔ اُدھر راجستھان میں گستاخ درزی کے قتل پر مسلمانوں کی پکڑ دھکڑ اور واویلا تو خوب جاری ہے۔ باوجود یکہ اسی روز بھارت میں ۸۰ قتل اور ۷۷ آبروریزی کے واقعات ہوئے، اس پر آواز تک نہ آئی۔ نہ میڈیا نہ مذہبی قیادت چیخی چلائی کیونکہ اس پر جنونی سیاست بازی ممکن نہ تھی۔ مودی اس سب کے باوجود G-7 ہو یا چین میں 'برکس' کا اکٹھ، ہر جگہ اپنی پوری اہمیت جتاتا موجود ہے۔ واپسی پر دبئی ضمناً بھی رکا تو امیر دبئی نے پرتپاک استقبال کیا۔ یاد رہے کہ دبئی کی ۳۵ فیصد آبادی (ہندو) بھارتی ہے۔ ان کی رگِ جاں پنجۂ ہنود میں ہے! مضبوط معیشت اور موثر سفارت کاری دنیا میں مقام بنانے کا لازمہ ہے۔ سو ہم صرف کراہ ہی سکتے ہیں اپنی بے وقعتی اور کسمپرسی پر۔

موجودہ عالمی سیاست کے عجوبے بھی عجب ہیں! روس کی قیمتی ترین متاع اور صیغۂ راز میں رکھے جانے والا سکیورٹی طلب معاملہ کیا ہے؟ پوٹن کے رفع حاجت کے نوادرات! تفصیل کچھ یوں ہے کہ یہ ایک قومی راز ہے کہ پوٹن کو کیا بیماری ہے، صحت کس حال میں ہے، دشمن کو خبر نہ ہو جائے۔ وہ 'قیمتی نمونہ' حاصل کر کے لیبارٹری ٹیسٹ کر کے بیماریاں، ادویہ کا استعمال معلوم نہ کر سکیں۔ پوٹن کی ظاہری اچھل کود، زورآوری کی حقیقت نہ کہیں کھل جائے۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے! شبہات کا اظہار کیا گیا تھا کہ اسے کینسر ہے۔ انسان کے کمزور اور بے بس ہونے کا اس سے واضح پیمانہ اور کیا ہو گا؟ مگر کرسی کی ہوس، جوع الارض، نتائج وعواقب انسان کو بھلائے رکھتی ہے یہاں تک کہ وہ قبر میں اتر جاتا ہے۔

پاکستان کو اس وقت ٹکا ٹکا بچانے کی ضرورت ہے مگر حال یہ ہے کہ بھرے پیٹ والوں کو نوازنے کے سلسلے جوں کے توں جاری ہیں۔ وفاقی بیوروکریسی کو خصوصی الاؤنس کے اعزازیے سے نوازا جا رہا ہے، تاکہ ان کی دمکتی گاڑیوں کو پیٹرول کی تنگی اور عیش وعشرت میں عسرت کا سامنا نہ کرنا پڑے؟ کیا بے رحمانہ معاشی فیصلے ہیں۔ عوام الناس کو گرمی کی شدت میں پیدل چلنے اور فاقوں پر مجبور کیے جانے کے بعد یہ اللے تللے؟ سود در سود قرضوں میں جکڑا عام آدمی اور بیوروکریسی ججوں جرنیلوں کی مراعات، ان سفید ہاتھیوں کے فارم ہمارا سب سے بڑا المیہ ہیں۔ کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟ ترجیحات تعلیمی میدان میں بھی ملاحظہ فرمائیے۔ غریب مسکین تعلیمی بجٹ سے اب پنجاب اور سندھ حکومتوں نے ۱۵۰۰ میوزک ٹیچر بھرتی کرنے کا فیصلہ صادر فرمایا ہے۔ بھوکے پیٹ، ننگے پیر بچے، پانی بجلی سے محروم سرکاری تعلیمی ادارے، خطِ غربت تلے بیٹھے قوم کے غریب بچوں کو موسیقی پر نچا کر ان کے دل بہلائیں گے؟ حالانکہ سچ پوچھیے تو ان معاشی کسمپرسیوں پر صبر اور بدلے میں ملنے والی جنت پر راضی کرنے کے لیے قوم کو اب دینی اساتذہ جابجا تعینات کرنے کی ضرورت ہے۔ پاکستانی عوام بآسانی جنت کے لیے کوالیفائی کر سکتے ہیں، شرط صرف سچی توبہ اور رجوع الی اللہ کی ہے۔ (ہر حکومت ان سے دنیا کی سہولتیں چھیننے ہی آتی ہے!) آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے۔ سو اطفال ہوں یا ان کے والدین، حکومت انہیں اپنی ڈگڈگی یا میوزک ٹیچرز کے ہاتھوں نچانے کی بجائے سجدہ ریز کر دے۔ رعایا آپ کی مزید صابر شاکر ہو جائے گی اور اپنا مستقبل بھی سنوار لے گی۔ یہ الگ بات ہے کہ بخاری شریف کی حدیث کے مطابق حکمرانوں کے لیے تنبیہہ سخت ہے۔ رعایا کی نگہبانی کے منصب والا اگر ان کے ساتھ دھوکے اور خیانت کا مرتکب ہو گا تو جنت اس پر حرام ہونے کی وعید ہے۔ یہی احادیث صحابہ کرامؓ کو مناصب سے ڈراتی اور رلاتی تھیں۔ آج قرآن وسنت سے لاعلمی مناصب کی طلب میں ایک دوسرے کے گریبان پھاڑنے والا بنا دیتی ہے۔

قومی معیشت کی بربادی قرضوں پر انحصار، ان کی دلدل میں گردن تک دھنس جانے کی بنا پر ہے۔ عالمی معاشی ادارے، بڑی طاقتیں (جن کی کٹھ پتلیاں ہم پر مسلط کی جاتی ہیں، سبھی فیصلے وہ

کرتے ہیں) بخوبی جانتی ہیں کہ ہمارے حکمرانوں، سیاست دانوں اور مقتدرین نے لوٹ کا مال کہاں منتقل کیا ہے۔ باہر کے کن بینکوں میں ہے۔ کہاں جائیدادیں ہیں ان کی، کہاں سرمایہ کاریاں اور فارم ہاؤسز ہیں۔ پچھلے دنوں افغان سابق وزرا کی چرائی ہوئی قومی دولت سے بنی جائیدادوں کی رپورٹ بھی تو آخر امریکہ ہی سے آئی تھی۔ سو پاکستان کے حوالے سے بھی یہ ہم عوام کی جان چھوڑیں۔

اپنے قرضے ان کی جائیدادیں، اموال بیرون ملک جہاں جہاں ہیں وہاں سے ضبط کر کے وصول کر لیں، ہمیں نہ نچوڑیں۔ یہ سب انہی کے چنیدہ ہیں جو ان کی آشیر باد سے باری باری اقتدار کا جھولا جھولتے ہیں۔ ہمیں اصلاً ضرورت سچی مخلص باصلاحیت ایمان دار قیادت کی ہے۔ نہ وہ مصنوعی ہیرو جو ۳۰۰ کنال کے وسیع و عریض محل میں ٹھاٹ بگھار کر سادگی کے دعویدار ہوں۔ نہ وہ سب جو لندن، فرانس، دبئی، آسٹریلیا، امریکہ میں جائیدادیں رکھتے ہوں اور پاکستان سے صرف کرسی پر بیٹھنے کا رشتہ ہو۔ یاد رہے کہ بنی گالہ کا غیر قانونی محل صرف ۱۱ لاکھ ۶ ہزار روپے میں قانونی قرار دے دیا گیا تھا، جبکہ پاکستان بھر میں چند مرلوں پر بھی رہنے والے غریب غربا کو غیر قانونی تعمیر اور تجاوزات کے نام پر بلڈوزروں کا سامنا کرنا پڑا اور ہزاروں بے گھر کیے گئے۔ دوہرے معیارات پر دھواں دھار بیانات کس برتے پر؟ ۴۰ ارب روپے ملک ریاض کو امانت و دیانت والے نے کس کھاتے میں دیے؟ کرپشن اسکینڈلوں کی بھرمار کے باوجود قوم کا مسیحا قرار دینے والے یقیناً کسی جن جادو جنات کے سحر میں مسحور ہوئے بیٹھے ہیں (جس کا بہت شہرہ رہا)۔ ورنہ ادنیٰ شعور اور ایمانی حس آنکھوں دیکھے یوں مکھی نگلنے والا کیونکر بنا سکتی ہے۔ پاکستان اس بھنور سے نکل آئے اور اللہ ہمیں اسی شان کریمی سے ایک عدد ایمانی اجلی قیادت سے نواز دے جیسے اس نے آج تک معجزاتی طور پر اس ملک کو خود ہی رواں رکھا ہے!

ایک پرانا رستا زخم از سر نو ادھیڑا گیا۔ لبنان میں فلسطینی صابرہ شتیلا کیمپوں میں اسرائیلی وزیر دفاع ایریل شیرون کی زیر ہدایت و نگرانی جو قتل عام کیا گیا تھا، چھپائے جانے کے بعد اب اس کی حقیقت سے پردہ اٹھ گیا ہے۔ حالیہ حاصل ہونے والی دستاویزات سے اس امر کی تصدیق ہوگئی ہے کہ اسرائیلی وزیر اعظم مناخم بیگن نے بھی شیرون کے اس منصوبے کی تائید کی۔ (البوابۃ نیوز، ۲۰ جون ۲۰۲۲ء) ۳ دن پر محیط اس قتل عام (۱۶-۱۸ ستمبر ۱۹۸۲ء) میں ۳ ہزار فلسطینی فائرنگ اور چاقو حملوں سے شہید کیے گئے۔ رات کے وقت کھانا کھاتے خاندانوں کی بستر میں سوئے ننھے بچوں سمیت خون کی ندیاں بہا دیں۔ (باقی صفحہ نمبر 93 پر)

بقیہ: روہنگیا کا جہاد

ایک لاکھ سے زائد روہنگیا برما کے اندر ہی کیمپوں میں آئی ڈی پیز (Internally Displaced Persons) کے طور پہ محصور ہیں جہاں سے بغیر اجازت کے نہیں نکل سکتے۔

رقبہ

برما دنیا کا ۴۰واں بڑا ملک ہے۔ اس کا رقبہ پاکستان کا تین چوتھائی اور بنگلہ دیش کا ۵ گنا ہے۔ برما کی سرحد مشرق میں جنوب سے شمال کی طرف تھائی لینڈ، لاؤس اور چین سے ملتی ہے۔ جبکہ مغرب میں شمال سے جنوب کی طرف بھارت اور بنگلہ دیش سے۔ برما کا دار الحکومت نیپیدوا اور بڑا شہر یانگون (سابقہ رنگون) ہے۔

میانمار ۷ صوبوں اور ۷ ڈویژن میں تقسیم ہے۔ ڈویژن میں اکثریت بامار کی ہے جبکہ ہر صوبے میں کسی ایک خاص اقلیت کی اکثریت ہے۔ صوبے یہ ہیں: شان، کایا، کچھین، اراکان، کرین، مون، چھین اور یہ تمام اقلیتی نسلوں کے نام بھی ہیں۔ جبکہ ڈویژن کے نام یہ ہیں: مانڈلے، مگوے، ایراوادی، رنگون، تناسرم، سگائن۔

صوبہ اراکان کے ۵ اضلاع میں سے صرف شمالی ضلع سائٹوے Sittwe (سابقہ آکیاب) میں روہنگیا کی اکثریت ہے۔ سائٹوے شہر ہی اراکان کا دار الحکومت بھی ہے۔ اکثر مسلح تصادم ضلع مونگڈاؤ Maungdaw میں ہوتے رہے جس کی سرحد بنگلا دیش سے متصل ہے۔

مذہب

برما کی ۸۸ فیصد آبادی بدھ مت ہے، ۶ فیصد عیسائی، ۴ فی صد تقریباً مسلمان ہیں اور ایک فی صد سے بھی کم ہندو۔ باقی دیگر قبائلی مذاہب ہیں۔ روہنگیا مسلمان سب سنی ہیں اور ان کے اکثر گاؤں میں مسجدیں اور مدارس ہیں۔

زبان

برمی برما کی سرکاری زبان ہے جو کہ اصلاً بامار نسل کی زبان ہے اور چینی تبتی زبانوں کے مجموعے میں سے ایک ہے۔ پاکستان میں چونکہ روہنگیا مسلمانوں کو برمی کہا جاتا ہے اس لیے ان کی زبان کو بھی برمی کہا جاتا ہے لیکن نہ یہ مسلمان برمی نسل سے ہیں اور نہ ہی ان کی زبان برمی ہے۔ بلکہ اکثر روہنگیا کو برمی زبان نہیں آتی۔ اس کے برعکس روہنگیا کی زبان کو روہنگی کہا جاتا ہے جو کہ چٹاگانگ سے ملتی جلتی زبان ہے اور بنگالی زبانوں کے مجموعے میں سے ایک ہے۔ لیکن دونوں میں اتنا فرق ہے کہ روہنگیا اور چٹاگانگ کے لوگ ایک دوسرے کو نہیں سمجھ پاتے۔ روہنگی زبان عربی، برمی اور رومن حروف میں لکھی جاتی ہے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

بنگلہ دیش ایک دوراہے پر!

شاہ ادریس تالقدار

بنگلہ دیش کے لیے گزشتہ دہائی نہایت اہمیت کی حامل ہے کیونکہ اس میں بہت سے اہم و نمایاں واقعات رونما ہوئے۔ ایک طرف تو اس دہائی میں ریاستِ بنگلہ دیش پر بھارتی اثر و رسوخ اور تسلّط میں تیز اور نمایاں اضافہ دیکھنے میں آیا۔ میڈیا سے لے کر مسلّح افواج اور سِول انتظامیہ تک، ہر چیز پر بھارتی تسلّط اس حد تک بڑھ گیا کہ اب زیادہ تر چیزیں بھارتی مفادات ہی کے کنٹرول میں ہیں۔ اس دہائی میں معاشرے میں کفر و شرک اور فواحش کے فروغ کے لیے بھی پہلے کی نسبت زیادہ کھلی کھلی اور کسی حد تک جارحانہ پالیسیاں تشکیل دی گئیں۔ اسلام اور مسلمانوں پر نہایت دیدہ دلیری سے حملے کیے گئے۔

لیکن دوسری طرف، اس دہائی میں اسلامی روح بھی بیدار ہوتی نظر آئی۔ اس بیداری کا محرک بنیادی طور پہ مجاہدین کی جانب سے سنت اغتیال کو زندہ کرنا بنا۔ بنگلہ دیش کے مجاہدین نے اپنے محبوب نبی محمد مصطفیٰ ﷺ اور دینِ اسلام کے گستاخوں کو قتل کر کے عزت و حمیت اور ناقابلِ تسخیر عزم و شجاعت کی مثال رقم کی۔ ان کے اس عمل کی بدولت ردّ عمل کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا، جو کہ علمائے بنگلہ دیش کی جانب سے بڑے پیمانے پر بپا ہونے والی ایک تحریک پر منتج ہوا۔ ابتدا میں حسینہ سرکار نے اس تحریک کو طاقت و قوت کے زور سے کچلنے کی کوشش کی اور بعد میں عیاری و مکّاری اور سیاسی ساز باز کے ذریعے۔ بہر صورت، شجرِ ایمان کی آبیاری کے لیے جو خون بہایا گیا تھا وہ بنگلہ دیش میں سماجی طور پر اسلام کو حیاتِ نو بخش گیا۔ لیکن اس کے باوجود، بنگلہ دیش کے مسلمان تاحال کمزور اور مظلوم ہیں۔

اس کی ایک تازہ مثال بنگلہ دیشی حکومت کی بی جے پی اور اس کی ترجمان نپور شرما کے بھیانک جرائم پر سادھی ہوئی گہری خاموشی ہے۔ جب پوری دنیا کے مسلمانوں نے ان ملعون مشرکوں کی حد سے بڑھی ہوئی حرکتوں کی مذمت کی، حتیٰ کہ مسلمانوں پر قابض طاغوتی حکومتیں بھی بھارت کے سامنے رسماً اپنے 'غم و غصّے' کا اظہار کرنے پر مجبور ہو گئیں، بنگلہ دیش کی حکومت نے کچھ نہیں کہا۔ نہ ہی کچھ کیا۔ اس سے واضح ہے کہ اسلام، اور اسلامی عقائد و شناخت کی بنگلہ دیش میں کیا حیثیت ہے۔

پچھلے تیرہ سال سے بنگلہ دیش پر بھارت کی تابعدار غلام حسینہ کی حکومت ہے۔ سینکڑوں علما، اسلامی تحریکوں کے ارکان اور مجاہدین پابندِ سلاسل ہیں۔ اسلام اور شعائرِ اسلام ایک ترتیب اور تدریج کے ساتھ معاشرے سے مٹائے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کو قرآنی تعلیمات اور سنّتوں کا محض تذکرہ کرنے پر بھی ہراساں کیا جاتا ہے، اور قید و گرفتار کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔ ہندو تنظیمیں بی جے پی اور حسینہ کی بھرپور سرپرستی میں پورے ملک پر اپنا جال پھیلا رہی ہیں۔

ملک میں منشیات کی بہتات ہے۔ لاکھوں لوگ منشیات کے عادی ہیں۔ کارپوریشنز (کمپنیاں) اور مفاد پرست گروہ معاشرے میں ہر قسم کے فواحش پھیلانے میں سرگرم ہیں۔ بے حیائی پھیل رہی ہے، خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ طلاق اور زنا میں اضافہ ہو رہا ہے۔ نوجوان نسل ڈپریشن اور مایوسی کا شکار ہے۔ اور نوجوانوں کی خودکشی روز کا معمول بنتی جا رہی ہے۔

معاشی اعتبار سے بھی ملک انتہائی نازک مرحلے سے گزر رہا ہے۔ تعمیر و ترقی سے متعلق حسینہ کے جھوٹوں کا پول کھلتا جا رہا ہے۔ اور جیسے جیسے عالمی معاشی تنزلی کے اثرات پھیل رہے ہیں، ملک کی کرنسی بھی گرتی جا رہی ہے۔ ملک کے بینک بے تحاشا بڑھی ہوئی کرپشن کے سبب انتہائی کمزور اور خستہ حالت کا شکار ہیں۔ بے روزگاری بڑھ رہی ہے۔ چھوٹے کاروبار اور کمپنیاں اس ساری صورتحال میں پس رہی ہیں جبکہ بڑے سرمایہ دار اپنا مال اور سرمایہ سوئس بینکوں میں ٹھونس ٹھونس کر محفوظ کر رہے ہیں۔ حسینہ اور اس کے لشکریوں کا حقیقت کی دنیا سے ارتباط ختم ہوتا جا رہا ہے۔ لوگ بھارتی بیراجوں سے آنے والے سیلابی ریلوں میں ڈوب کر مر رہے ہیں اور حسینہ بھارت کے ساتھ اپنی دوستی کا جشن منا رہی ہے اور مضحکہ خیز حد تک مہنگے ترقیاتی منصوبے تیار کر رہی ہے۔

سیاسی اعتبار سے سیکولر اسٹیبلشمنٹ کا سارا زور اس وقت پارلیمانی انتخابات پر ہے، جن کا انعقاد ۲۰۲۳ء کے اختتام پر ہو گا۔ گزشتہ سال دسمبر میں امریکہ نے آر اے بی، حسینہ کے بدنامِ زمانہ قاتل گروہ، کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی کرنے کا مجرم ٹھہرایا تھا اور اس پر پابندیاں عائد کی تھیں۔ اس کی وجہ سے سیکولر اپوزیشن میں موجود بہت سے افراد حسینہ کے خلاف الیکشن جیتنے کے خواب دیکھ رہے ہیں یا پھر امریکہ کے زیرِ سرپرستی طاقت و اقتدار کے ہاتھ بدلنے کے منتظر بیٹھے ہیں۔ جبکہ امریکہ غالباً ان پابندیوں کو محض حسینہ کو مزید تابعداری پر مجبور کرنے کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ امریکہ اپنی خارجہ پالیسی کو ایشیا پر مرکوز کیے ہوئے ہے بالخصوص چین کو محدود کرنے کی خاطر، اور نتیجتاً بنگلہ دیش میں بھی معمول سے زیادہ دلچسپی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ حسینہ ہمیشہ سے زیادہ بھارت سے قریب تر ہوتی جا رہی ہے، بھارت پر اس کا انحصار بڑھ رہا ہے، جبکہ ساتھ ساتھ اس کی کوشش ہے کہ چین سے بھی مراعات حاصل کی جائیں، اور اس سب کے دوران امریکہ بھی ناراض نہ ہو۔

لا دین جمہوری انتخابات کی بحث سے صرفِ نظر کرتے ہوئے، فی الحال بنگلہ دیش کے سیاسی منظر نامے پر غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے، اور یہ اندازہ کرنے کی کہ آئندہ آنے والے دن کیا لا رہے ہیں۔

حسینہ کی عمر اس وقت چوہتر ۷۴ سال ہے۔ اگرچہ وہ انتہائی مغرور و متکبر اور طاقت و اقتدار کی بھوکی ہے اور سیاست سے اپنی ریٹائرمنٹ کی تاریخ کے بارے میں بارہا جھوٹ بول چکی ہے......اس کے باجود جلد یا بدیر اسے اقتدار کی مسند سے اترنا ہی ہو گا۔ یا اپنی رضامندی سے......یا پھر موت کے اٹل حکم سے جس سے کوئی فرار دستیاب نہیں، یا کسی اور سبب سے۔ مگر حسینہ کی اقتدار سے رخصتی کی صورت میں اس کا کوئی واضح جانشین نظر نہیں آتا۔ اس کا بیٹا، ساجب واجد جوائے نہ صرف بے تحاشا کرپشن کی شہرت رکھتا ہے، بلکہ اسے ناقابلِ بھروسہ بھی سمجھا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ کسی دماغی عارضے میں مبتلا ہے۔ یہ باتیں درست ہیں یا نہیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ ساجب جوائے کو خود اپنی پارٹی کی بھی حمایت حاصل نہیں۔ اس کی بہن، صائمہ واجد اس سے بھی کم متاثر کن ہے۔

پھر ایک معاملہ اندرونی مخالفت کا بھی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حسینہ کی چھوٹی بہن ریحانہ حسینہ کے بعد اقتدار حاصل کرنے کے عزائم رکھتی ہے۔ ریحانہ کا بیٹا، رضوان صدیق بوبی کو اس کے کزن ساجب جوائے کی نسبت کہیں زیادہ ہوشیار سمجھا جاتا ہے۔ وہ اسلحہ کی انڈسٹری کے ساتھ بھی کافی لین دین رکھتا ہے اور اس کے بارے میں معروف ہے کہ وہ بھارتی انٹیلی جنس کے بہت قریب ہے۔ ریحانہ کی بیٹی ٹیولپ صدیق برٹش لیبر پارٹی کی ممبر ہے اور ہیمپسٹیڈ اور کلبرن کی جانب سے ایم پی ہے۔ مزید حسینہ کا ڈیفنس و سکیورٹی ایڈوائزر طارق احمد صدیقی، جسے ملک کے طاقتور ترین افراد میں سے ایک گردانا جاتا ہے اور جو حسینہ کے ظلم و جبر پر مبنی اقتدار کی مشینری چلانے کے پیچھے بنیادی دماغ کا کردار ادا کر رہا ہے، وہ ریحانہ کے شوہر شفیق احمد صدیقی کا چھوٹا بھائی ہے۔ لہٰذا حسینہ کی موت کی صورت میں اس کے بعد بنگلہ دیش کا تخت ساجب یا اس کی بہن صائمہ کے قبضے میں جاتا دکھائی نہیں دے رہا۔ ان کے برعکس، ریحانہ کے امکانات زیادہ روشن ہیں۔ اقتدار کا خواہشمند و امیدوار ایک اور شخص فضل تاپوش ہے، جو حسینہ ہی کا ایک اور رشتہ دار ہے اور فی الحال ڈھاکہ کا مئیر ہے، اس کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اقتدار کی مسند تک پہنچنے کے عزائم رکھتا ہے۔

اس سب کے باوجود درج بالا تمام ناموں میں سے کوئی بھی حسینہ کا مناسب نعم البدل نہیں۔ بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہے، حتیٰ کہ عوامی لیگ کی اپنی صفوں میں بھی یہ تصور پایا جاتا ہے کہ حسینہ کی موت کی صورت میں، چاہے وہ قدرتی وجوہات کی بنا پر ہو یا دیگر اسباب کے باعث، ملک میں بڑے پیمانے پر بدامنی اور ہنگامہ پھیل جائے گا۔

جہاں تک حسینہ کے دیگر سیکولر مخالفین کا تعلق ہے، وہ اتنی فکری اور تنظیمی نظم و ضبط اور طاقت کے حامل نہیں ہیں کہ عوامی لیگ کا مقابلہ کر سکیں۔ اس کے بجائے وہ اپنی امیدوں کا محور و مرکز بیرونی نجات دہندوں جیسے امریکہ و یورپ کو بنانے اور ان کی طرف دیکھنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ مگر یہ بیرونی نجات دہندہ بھی ان کی امیدوں پر پورا اترتے نظر نہیں آتے۔ امریکہ جیسے ممالک اور ریاستوں کے لیے اپنے تمام تر نظریات و عقائد کے باوجود، اپنے معاشی اور سیاسی مفادات کے حصول کے لیے حسینہ جیسے آمروں کو برداشت کرنا، بلکہ ان کے ساتھ مثبت طور پر تعاون کرنا، معمول کی بات ہے۔ اور جہاں معاملہ اپنا ایجنڈا آگے بڑھانے کا ہو، وہاں امریکہ بے حد آسانی سے جمہوریت، انسانی حقوق اور آزادی جیسے تصورات کی بولی لگانے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

بالفرض اگر یہ لوگ (سیکولر اپوزیشن) امریکہ کی مدد سے اقتدار کی مسند تک پہنچنے میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں، تو بھی یہ سیکولرائزیشن کی اپنی جارحانہ پالیسی اور عالمی صلیبی صہیونی ہندُتوا محور کی غلامی جاری رکھیں گے۔ حسینہ کی طرح، ان کی بھی پوری کوشش ہو گی کہ حاجی شریعت اللہ کی سرزمین پر اسلام کو ابھرنے اور پھیلنے سے ہر ممکن طور پر روکا جائے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حسینہ ہو، اس کا کوئی خاندانی جانشین یا سیکولر اپوزیشن......یہ سب افراد کفر کے کیمپ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ گو کہ یہ آپس میں اپنے بہتیرے مسائل اور جھگڑے رکھتے ہیں، لیکن بنیادی طور پہ یہ سب اللہ کے مقابل غیر اللہ کی حکومت قائم کرنے میں جتے ہوئے ہیں۔ یہ سب مغربی سیکولر نظام کے حامی ہیں اور نیو ورلڈ آرڈر کی غلامی و چاکری کرتے رہنے پر بضد۔ خلاصہ یہ ہے کہ مستقبل میں ہمیں دو طرح کے منظر نامے نظر آتے ہیں۔ (دیگر منظر نامے بھی ممکن ہیں لیکن وہ یا تو انہی دو کا مرکب ہوں گے یا ان میں سے بنیادی خصوصیات کے حامل ہوں گے):

أ. اگلے دو تین سال میں ہمیں امریکہ کی زیر سرپرستی ایک نئی حکومت مل جائے گی، جس میں بھارت کی غلام حسینہ کی جگہ کوئی دوسرا غلام ہو گا جو امریکہ سے وفادار ہو گا۔ اس صورت میں اسلام اور مسلمانوں پر سیکولر یلغار جاری رہے گی۔

ب. یا بنگلہ دیش آئندہ ۵ سے ۱۰ سالوں میں سیاسی قوت کی تبدیلی دیکھے گا، جو کہ یقیناً بہت ہنگامہ خیز اور متوقع طور پہ جارحانہ انداز میں وقوع پذیر ہو گا۔ بنگلہ دیش کی تاریخ گواہ ہے کہ اس قسم کی تبدیلیاں اکثر بہت زیادہ تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں۔ حسینہ کے باپ شیخ مجیب کو فوج نے اس کا تختہ الٹتے ہوئے اس کے بیشتر افرادِ خانہ کے ساتھ قتل کیا۔ فوجی آمر ارشاد انتہائی طویل اور جارحانہ احتجاج کے بعد نکالا گیا۔ حسینہ خود بھی ایک طویل سیاسی جھگڑے جس میں ملکی سیاسی نظام تعطل کا شکار رہا اور انتہائی وحشیانہ جارحیت کے بعد اقتدار کی مسند تک

پہنچی۔ اور حسینہ کے دور میں جس قدر ظلم و استبداد کا دور دورہ رہا ہے، بھارت کی جانب سے پید اکیے گئے بی ڈی آر بغاوت جیسے واقعات اور جو قتل وغارت گری اور ظلم و تشدد کا بازار خود حسینہ نے گرم کیا ہے، بہت سے لوگ حسینہ کے لیے شدید نفرت اور عداوت کے جذبات رکھتے ہیں۔ حسینہ نے نفرت کے بیج بوئے ہیں، وہ امن کاشت کرنے کے خواب نہیں دیکھ سکتی۔

اور اس سب کے ساتھ ساتھ، عالمی معیشت کے زیر و زبر ہونے سے معاشی بحران کا آسیب بھی ہے جو سر پر منڈلا رہا ہے۔ بارڈر کے اس پار آسام میں بڑھتی ہوئی ٹینشن بھی ہے، اسی طرح بھارت اور میانمار میں مسلمانوں کے لیے بڑھتے ہوئے مسائل سب بنگلہ دیش پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔

محسوس ہوتا ہے کہ بنگلہ دیش واقعتاً ایک دوراہے پر کھڑا ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ گزرنے کا وقت کب آئے گا؟

مگر افسوسناک امر یہ ہے کہ بنگلہ دیش کی اسلامی تحریکیں ان میں سے کسی بھی منظر نامے میں کوئی کردار ادا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ بد قسمتی سے اسلامی تحریکیں اور بیشتر علمائے کرام سیکولر اتحادوں میں ادنیٰ درجے کی سیاسی شراکت داری حاصل کرنے پر ہی مطمئن و قانع ہو جاتے ہیں۔ یا پھر وہ کسی چھوٹے اور ادنی سے منافع کے حصول کے لیے ان سیکولر پارٹیوں کے ساتھ مذاکرات اور ان کی رضا حاصل کرنے کی حکمت عملی پر عمل پیرا رہنے میں ہی عافیت محسوس کرتے ہیں۔ یہ جانے بغیر کہ اس حکمت عملی کے مقدر میں سوائے ناکامی کے کچھ نہیں۔ یہ دو باہم متعارض و مخالف عقائد اور طریقِ زندگی کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنا چاہتے ہیں، یوں کہ کوئی ایک دوسرے پر غالب و حاوی بھی نہ ہو۔ حالانکہ ان دو کے درمیان ہم آہنگی یا ایک دوسرے میں جذب ہونے کا عمل نہیں، بلکہ ایک لامتناہی اور ختم نہ ہونے والی جدوجہد ہے۔ لہٰذا ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش اور جدوجہد اختیاری نہیں بلکہ ناگزیر ہے۔

جتنا لمبا عرصہ بنگلہ دیش پر سیکولر حکمران غالب رہیں گے، اتنی زیادہ عوام الناس میں کرپشن پھیلے گی۔ جتنا زیادہ ان سیکولر و کرپٹ حکمرانوں کو موقع ملے گا، یہ اور ان کے عالمی مالک لوگوں کی فطرت مسخ کریں گے۔ ریاست اور معاشرے میں اسلام کا وجود گھٹتا اور کمزور ہوتا چلا جائے گا۔ علما تک کے عقائد میں چپکے چپکے بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔ یہ سب نوشتۂ دیوار ہے اور اس سے فرار ممکن نہیں۔ یہ بعینہ وہی سب ہے جو مغرب میں عیسائیت کے ساتھ ہوا۔ سیکولرائزیشن (لادینیت) ان کے عقائد، مذہب، خاندان، فطرت، شناخت، ہر چیز کو کھا گئی یہاں تک کہ آج وہ اپنے جسم اور بدن کے بارے میں بھی مخمصے میں پڑے ہیں کہ آیا وہ مرد ہیں یا عورت۔

اسلامی تحریکوں، علما اور دیندار نوجوان طبقہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ صورتحال کا تجزیہ کریں، پھر بنگلہ دیش کے مخصوص حالات اور اپنی محدود صلاحیتوں کا اندازہ کر کے مناسب اقدامات اٹھائیں۔ سیکولر سیاستدانوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دینے کا مطلب تو یہی ہے کہ اپنے وطن اور قوم کو کفر کے اندھیرے اور ضلالت میں گرنے اور کھو جانے کے لیے چھوڑ دیا جائے، نعوذ باللہ من ذلک۔

اگر سب ایسا ہی رہا جیسا کہ موجودہ صورتحال ہے، تو بنگلہ دیش میں اسلام کمزور سے کمزور تر ہوتا چلا جائے گا اور مسلمانوں کی اسلامی شناخت آہستہ آہستہ مٹتی جائے گی۔ اس لیے ضروری ہے کہ اپنے آپ کو ان زنجیروں سے آزاد کرایا جائے، جو کہ نتیجتاً مسلمانانِ بنگلہ دیش کو بھارت اور مغرب کی غلامی سے بھی آزاد کرائے گا۔ موجودہ صورتحال میں وقت کا اہم ترین تقاضا یہ ہے کہ ایک ایسا پروگرام و حکمت عملی وضع کی جائے جس کے ذریعے اس سرزمین اور اس کے مسلمان باشندوں پر سیکولر اور کرپٹ سیاستدانوں کا قبضہ اور تسلط ختم کیا جا سکے۔ ایسی کوئی بھی حکمت عملی ممکن ہے کہ بار آور ہونے میں کئی سال کا طویل عرصہ لے لے۔ ممکن ہے کہ اس کوشش میں کئی دہائیاں لگ جائیں، لیکن ضروری ہے کہ پہلا قدم تو اٹھایا جائے۔ سفر چاہے ہزاروں میل کا ہی کیوں نہ ہو، اس کا آغاز پہلے قدم سے ہی ہوتا ہے۔ اور اگر ہم ایسا نہیں کرتے، تو آئندہ آنے والی نسلیں جو کفر کی ضلالت و گمراہی میں آنکھیں کھولیں گی، وہ ہمیں ہی قصوروار ٹھہرائیں گی۔ اور تاریخ بھی ہمیں کوئی عذر نہیں دے گی۔

اپنی بات کا اختتام میں حکیم الامت، شیخ ڈاکٹر ایمن الظواہری کے الفاظ سے کرتا ہوں، جنہوں نے مسلمانانِ بنگلہ دیش کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

> ”بنگلہ دیش میں میرے مسلمان بھائیو! میں آپ کو اس صلیبی یلغار کا مقابلہ کرنے کی دعوت دیتا ہوں، جو آج مغرب نے اور برّصغیر کے بڑے مجرموں نے اسلام، پیغمبرِ اسلام اور عقائدِ اسلام کے خلاف شروع کر رکھی ہے، تاکہ وہ آپ کو ایک ظالم اور کفریہ نظام کا غلام بنا سکیں۔ میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ علمائے حق کے گرد اکٹھے ہو جائیں، ان کی حمایت کریں اور ان کی حفاظت کریں۔
>
> میں بنگلہ دیش کے تمام اکابر علما کو دعوت دیتا ہوں کہ اپنی وہ ذمہ داری ادا کریں جو اسلام نے آپ پر عائد کی ہے۔ میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ شریعت کی ہر قسم کے انسانی ساختہ دساتیر اور آئین و قوانین پر حتمی بالادستی کے اصول سے سختی سے چمٹ جایئے، تاکہ شریعت لوگوں کی خواہشات اور تمناؤں پر حاکم ہو، نہ کہ ان کی خواہشات کی تابع، یا کسی بھی دوسری قوت کے۔ میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ عوام الناس کی قیادت کریں اور معاشرے میں ایک ایسی بھرپور تحریک بپا کر دیں جس کی لہروں کی طغیانی تب تک کم نہ

ہو، نہ ہی اس کے جوش وجذبے اور حدت وشدت میں کوئی کمی واقع ہو، یہاں تک کہ سرزمینِ اسلام پر شریعتِ اسلام غالب و حاکم ہو جائے، نہ کہ محکوم و مغلوب۔ یہاں تک کہ اسے سلطہ حاصل ہو جائے، اور وہ کسی دوسری قوت کے تابع نہ رہے، اور یہاں تک کہ وہ رہبر و رہنما بن جائے، نہ کہ دوسری قوتوں کے پیچھے چلنے پر مجبور۔"

☆☆☆☆☆

بقیہ: احساس اگر ہو تب!

ہو سکتا ہے آپ کو کہا گیا ہو کہ آپ نے افغانستان میں بہت بڑے، خطرناک اور مضر دہشت گردوں کو مارنا ہے اور آپ نے یہ کارروائی کی ہو؟

لیکن یہ کیا......؟ آپ کے بم تو مسلمان بستی کے بچوں پر گر رہے ہیں۔ آپ کی بمباری کی زد میں تو ایک غریب گھرانہ آیا ہوا ہے۔ آپ نے تو خواتین کو مارا ہے۔ آپ کے بٹن دبانے سے تو وہ سفید ریش بابا لہولہان ہے۔ وہ لاش تو ایک چرواہے کی ہے۔ آپ کی بمباری سے تو ایک غریب گھرانہ پورا کا پورا اس دنیا سے چلا گیا؟ ان مٹی کے کچے گھروں میں آپ نے کس بڑے دہشت گرد کو مارا؟ اس کا نام کیا تھا؟ کچھ معلومات آپ کو بھی تو ہونی چاہییں؟

ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ کے عنوان کے تحت یہ خوش نصیبی ہے، کم نصیبی یا بد نصیبی؟ کہ تمہارے ہاتھ ان معصوموں کے خون سے رنگے ہیں۔ پتہ ہے ہمارا رب کیا کہتا ہے ناحق قتل کے بارے میں؟ کسی معصوم کو قتل کرنا کتنا بڑا جرم ہے؟ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا○

"اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے۔ اور اللہ نے اس کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

امریکہ اس خطے سے جا چکا ہے، جس جنگ کے بیج امریکہ نے بوئے تھے، ان کو تلف کیجیے۔ ابھی بھی وقت ہے کہ توبہ کی جائے اور مسلمانوں کے خلاف لڑنے سے انکار کیا جائے لیکن...... "احساس اگر ہو تب!"۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: ہندتوا بلوائیوں کی خودکار منڈی

لیکن انہیں اب ایک غیر یقینی مستقبل کا سامنا ہے، اور وہ اپنا آپ مستقل نشانے پر ہونے کے پریشان کن احساس سے نمٹ رہے ہیں، جہاں بہت سے لوگوں کو یہ نشانہ لینے کے لیے ترغیب بھی حاصل ہے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: غمِ سود و زیاں

بچوں کے سر دیواروں سے مار کر انہیں شہید کیا۔ سڑکوں پر گڈے گڑیوں کی سی لاشیں گولیوں کے سوراخ لیے اپنے والدین کے لاشوں ہمراہ پڑی رہیں۔ پھر اسرائیلی فوج کے بلڈوزروں نے اجتماعی قبریں کھود کر اپنا جرم دفن کر دیا۔ ایریل شیرون سالہا سال کومے میں نمونۂ عبرت بنا ہسپتال میں سسک سسک کر بالآخر مرا۔ اسرائیلی قوم اس کی قبر پر صرف ایک منٹ کی خاموشی اور پھول ڈال کر چل دی۔ اندر کے لیے فائر بریگیڈ مہیا کرنا اس کے بس میں نہ تھا! مگر: کس کو ہے مسلماں کا غمِ سود و زیاں آج!

[یہ مضمون ایک معاصر روزنامے میں شائع ہو چکا ہے۔]

☆☆☆☆☆

بقیہ: سحر ہونے کو ہے

جویریہ کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی اور اس کے دانت موتیوں کی طرح چمکنے لگے۔ اس کا شوہر نبی کریم ﷺ کے گستاخوں کو مزا چکھا کر آیا تھا۔ اور اس بات پر وہ جتنا فخر کرے، کم تھا!

☆☆☆☆☆

نور، عبادہ، مصعب، جویریہ اور علی کی زندگی کی کہانی ابھی ختم نہیں ہوئی، اور نہ وہ چین سے بیٹھے۔ ان کی تحریک خاموش نہ ہوئی بلکہ بدستور بڑھ رہی ہے۔ اور وہ اس دن کا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں جب وہ اپنے ہاتھوں سے فلسطین آزاد کر کے وہاں اسلام کا جھنڈا لہرائیں گے۔ وہ مسلسل بڑھتے رہیں گے یہاں تک کہ پوری دنیا میں اسلام غالب آ جائے! ان شاءاللہ!

☆☆☆☆☆

تمت بالخير

وصلى الله على النبى وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

ہندُتوا پر نظر

مہتاب جالندھری

شک کی بنیاد پر بلا نوٹس کسی کے بھی جسمانی نمونے لینے کا بل پاس

بی جے پی نے Criminal Procedure Identification Bill 2022 کے نام سے ۲۸ مارچ کو ایک بل پیش کیا، ۳ اپریل کو اسے لوک سبھا میں جب کہ ۶ اپریل کو راجیا سبھا میں اسے منظور کر لیا گیا۔ اس بل کے مطابق پولیس صرف شک کی بنیاد پر گرفتار کسی شخص کے جسم سے مختلف نمونے (Biological Samples) لینے کی مجاز ہو گی۔

ان نمونوں میں خون، تھوک، نطفہ، پسینہ، آنکھوں کی پتلیوں، ہاتھ کی انگلیوں اور آواز کے نمونوں کے علاوہ دستخط، عادات واطوار اور جسم کی ساخت بھی نوٹ کی جائے گی۔

بل کے مطابق کوئی بھی ایسا شخص جو خفیہ ایجنسیوں کے شک کے دائرے میں ہو تو پولیس کے ہیڈ کانسٹیبل درجے کے افسر کو یہ اختیار حاصل ہو گا کہ وہ بلا کسی نوٹس کے نمونے جمع کرے۔ اگر نمونے دینے سے کوئی شخص انکار کرے تو یہ انکار جرم ہو گا اور ایسا کرنے پر پولیس اس شخص پر ایک اور فوجداری مقدمہ دائر کرنے کی مجاز ہو گی۔

اس قانون کے مطابق اس طرح کے نمونوں کا ڈیٹا کرائم ریکارڈ بیورو National Crime Record Bureau (NCRB) کے پاس ۷۵ سال تک محفوظ رکھا جائے گا۔

اجمیر میں ۵۵ سالہ مسلمان ہجوم زنی کا شکار

۱۲ اپریل ۲۰۲۲ء: ریاست راجستھان کے شہر اجمیر میں ایک مسلم شخص ہجوم زنی کا شکار ہوا جس کے سبب اس کی موت واقع ہوگئی۔ ۵۵ سالہ محمد سلیم نامی شخص سبزی فروش تھے۔ چشم دید گواہ کے مطابق محمد سلیم اپنے بیٹے کے ساتھ مارکیٹ گئے اور اپنی دکان کے سامنے بائک کھڑی کی۔ اسی دوران ایک ہندو 'سورج مارو تھیا' نامی شخص کی کار محمد سلیم کی بائک سے ٹکرا گئی۔ اس پر سورج نے محمد سلیم کے ساتھ بدسلوکی کی اور نازیبا الفاظ کا استعمال کیا، اور چھ افراد کو ملا کر لوہے کی سلاخوں اور ڈنڈوں سے محمد سلیم پر حملہ کر دیا جس کے سبب سلیم زخمی ہو گئے، اور ہسپتال جاتے ہوئے ان کی وفات ہوگئی۔

جن گھروں سے پتھر پھینکے گئے انہیں پتھروں کا ڈھیر بنادیں گے: وزیر داخلہ

۱۳ اپریل ۲۰۲۲ء: کھرگون میں رام نومی جلوس میں ہونے والے فسادات کے بعد مدھیا پردیش کے وزیر داخلہ 'نروتم مشرا' نے دھمکی دی کہ جن گھروں سے جلوس پر پتھر پھینکے گئے ان کے گھروں کو پتھروں کے ڈھیر میں تبدیل کر دیں گے۔ اس دھمکی پر فوری عمل درآمد کیا گیا اور کھرگون کی میونسپلٹی نے غیر قانونی تجاوزات کے نام پر مسلمانوں کے گھروں اور دکانوں کو بلڈوز کرنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں کے ۱۶ گھروں اور ۲۹ دکانوں کو بلڈوز کیا گیا اور سینکڑوں مسلمانوں کو فسادات کے الزام میں گرفتار کیا گیا۔ اس کے علاوہ وہاں پر کرفیو بھی نافذ کر دیا گیا جس کی وجہ سے جمعہ کی نماز مساجد میں ادا نہیں کی جا سکی۔

اکھنڈ بھارت کا قیام اگلے پندرہ سال میں ممکن: موہن بھاگوت

۱۵ اپریل ۲۰۲۲ء: آر ایس ایس کے سر سنگھ چالک موہن بھاگوت نے ہری دوار میں سَنتوں کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ سنّتن دھرم ہی 'ہندو راشٹر' ہے۔ اگر ملک کے لوگ کوشش کریں تو اگلے پندرہ سالوں میں اکھنڈ بھارت کا قیام ہو سکتا ہے، اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ اس کے راستے میں جو آئے گا وہ مٹ جائے گا۔ اس نے مزید کہا کہ ہم عدم تشدد کی بات تو کریں گے لیکن ہاتھ میں ڈنڈا لے کر۔ کیونکہ یہ دنیا طاقت پر یقین رکھتی ہے۔

بھوپال میں جہادیوں کی چھاتی پر بھگوا لہرائیں گے: ہندتوا تنظیمیں

۱۶ اپریل ۲۰۲۲ء: بھوپال کی ہندتوا تنظیموں نے اعلان کیا کہ وہ ۱۶ اپریل کو ہنومان جینتی کے موقع پر شہر میں "شوبھا یاترا" نکالیں گے اور 'جہادیوں کی چھاتی پر بھگوا لہرائیں گے'۔ اس سلسلے میں واٹس ایپ گروپ پر بڑی تعداد میں میسج شیئر کیے گئے جس میں بڑی تعداد میں ہندوؤں سے ریلی میں شرکت کی اپیل کی گئی۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اپنے نام سے 'مسلم' کا لفظ ہٹائے: ویشوا ہندو پریشد

۱۶ اپریل ۲۰۲۲ء: ویشوا ہندو پریشد کے جوائنٹ جنرل سیکریٹری ڈاکٹر سریندر جین نے جمعہ ۱۵ اپریل ۲۰۲۲ء کو اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اگر اپنے نام سے 'مسلم' کا لفظ نہیں ہٹاتی تو پھر اسے مرکزی مراعات نہیں لینی چاہییں۔ اس بارے میں یونیورسٹی کے ترجمان شافع کدوائی نے کہا کہ یونیورسٹی کا نام ایک پارلیمنٹری ایکٹ کے تحت رکھا گیا تھا۔ نہ ہم نے یہ نام رکھا ہے اور نہ ہی ہم اسے بدل سکتے ہیں۔ ۲۰۱۸ء میں یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کے آڈٹ پینل نے بھی یونیورسٹی کے نام سے 'مسلم' ہٹانے کی تجویز دی تھی، جس کے جواب میں اُس وقت کے یونیورسٹی کے رجسٹرار جاوید اختر نے جوابی خط میں کہا کہ ایسا کرنے سے یونیورسٹی اپنے بے مثال تاریخی کردار سے محروم ہو جائے گی۔ سریندر جین نے اپنے بیان میں مزید کہا کہ اس ملک کے مستقبل کا فیصلہ ہندو برادری کرے گی۔ اس ضلع کا نام بھی بدل کر 'ہری گڑھ' رکھا جائے گا۔ علی گڑھ نام کچھ حملہ آوروں کا رکھا ہوا ہے۔ علی گڑھ میں رہنے والی مسلمان برادری کو چاہیے کہ وہ ماضی میں رہنا چھوڑ دیں یہی اُن کے حق میں بہتر ہو گا۔ اس ملک کی شناخت رام اور ہری سے ہے نہ کہ مسلمان حملہ آوروں سے۔

دہلی پولیس نے وی ایچ پی اور بجرنگ دل کو جہانگیر پوری فسادات میں ملزم قرار دینے کے کچھ گھنٹوں بعد ہی بیان واپس لے لیا۔

۱۸ اپریل ۲۰۲۲ء: دہلی پولیس نے جہانگیر پوری فسادات کے بعد میڈیا کے سامنے ایک سرکاری بیان جاری کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے وشوا ہندو پریشد اور بجرنگ دل کے خلاف ۱۶ اپریل کی شام انتظامیہ کی اجازت کے بغیر جلوس نکالنے پر ایف آئی آر درج کر لی ہے۔ پولیس نے مزید کہا کہ انہوں نے ایک شخص جس کی شناخت پریم شرما کے طور پر ہوئی ہے اور جو وشوا ہندو پریشد کا مقامی رہنما ہے، اسے بھی گرفتار کیا ہے۔

اس کے جواب میں وشوا ہندو پریشد کے ترجمان 'ونود بنسل' نے دھمکی دی کہ اگر وی ایچ پی کے کارکنان کے خلاف کوئی کارروائی کی گئی تو وی ایچ پی جنگ چھیڑ دے گی۔ اس نے مزید کہا کہ پولیس نے 'جہادیوں' کے آگے گھٹنے ٹیک دیے ہیں۔

وی ایچ پی کی اس دھمکی کے کچھ ہی وقت بعد دہلی پولیس نے اپنا بیان واپس لے لیا اور اس کی بجائے ایک نیا بیان جاری کیا جس میں نہ تو کسی تنظیم کا نام لیا گیا تھا اور نہ ہی کسی گرفتاری کا۔

نئے بیان میں کہا گیا کہ پولیس نے جلوس کے منتظمین کے خلاف بلا اجازت جلوس نکالنے پر کیس درج کیا ہے۔ اور ایک ملزم کو تفتیش میں شامل بھی کیا گیا ہے۔

اس بیان سے پہلے ہی دہلی پولیس نے وی ایچ پی کے گرفتار مقامی رہنما پریم شرما کو رہا کر دیا تھا۔

لیکن میڈیا میں پولیس پر یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ جلوس پولیس کی اجازت کے بغیر نکلا ہو جبکہ جلوس کی حفاظت کے لیے دو پولیس جیپیں اس کے ساتھ ساتھ تھیں۔ اور پولیس کی موجودگی میں ہی وی ایچ پی کے غنڈے تلواریں اور پستول لہراتے مسجد کے سامنے دنگا کر رہے تھے۔

ہندو چار بچے پیدا کریں، دو آر ایس ایس کو دیں: درگا واہنی کی سربراہ

۱۹ اپریل ۲۰۲۲ء: ویشوا ہندو پریشد کے وومن ونگ 'درگا واہنی' کی سربراہ 'سادھوی رِتھمبرا' نے بیان دیا ہے کہ ہر ہندو میاں بیوی کو چاہیے کہ وہ چار بچے پیدا کریں اور ان میں سے دو ہندو قوم کے لیے وقف کر دیں۔ اس طریقے سے ہندوستان بہت جلد 'ہندو راشٹر' بن جائے گا۔ ہندو قوم کے لیے وقف کرنے کی مزید وضاحت کرتے ہوئے اس نے کہا کہ انہیں آر ایس ایس کے لیے وقف کر دیں اور انہیں ویشوا ہندو پریشد کا کارکن بنائیں۔

کرناٹک: پری یونیورسٹی امتحانات میں حجاب کی اجازت نہیں

۲۰ اپریل ۲۰۲۲ء: حجاب پہننے والی طالبات کو کرناٹک میں سالانہ پی یو سی امتحان میں بیٹھنے کی اجازت نہیں ہو گی۔ کرناٹک کے وزیر تعلیم 'بی سی ناگیش' نے کہا کہ تمام طلبہ کو یونیفام کے اصولوں پر عمل کرنا چاہیے۔ حجاب پہننے والی طالبات کو امتحان میں بیٹھنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ واضح رہے کچھ روز قبل مسلم طالبات نے کرناٹک کے وزیر اعلیٰ کو خط لکھ کر اپیل کی تھی کہ ان کے مستقبل کا خیال کریں اور انہیں امتحان میں بیٹھنے کی اجازت دیں۔ لیکن ان کی کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔

جہانگیر پوری: بڑے پیمانے پر مسلمانوں کی املاک پر انہدامی کارروائی

۲۱ اپریل ۲۰۲۲ء: دہلی کی جہانگیر پوری میں ہنومان جینتی کے جلوس سے شروع ہونے والے فسادات کے بعد دہلی میونسپل کارپوریشن (ایم سی ڈی) کے ذریعے بڑے پیمانے پر مسلمانوں کے گھروں اور دکانوں پر بلڈوزر چلا کر انہیں منہدم کر دیا گیا اور اس دوران اُس مسجد کا دروازہ بھی توڑ دیا گیا جہاں پر گزشتہ دنوں ہندتوا غنڈوں نے بھگوا جھنڈا لہرایا تھا۔ مسجد کے قریب ہی مندر بھی تھا جہاں غیر قانونی تعمیرات تھیں لیکن اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ چار سو پولیس اہلکاروں کی موجودگی میں ۹ بلڈوزروں کی مدد سے غیر قانونی تعمیرات کہہ کر مسلمانوں کی املاک کو منہدم کیا گیا۔ سپریم کورٹ کی طرف سے بلڈوزر کی کارروائی روکنے کا حکم دیے جانے کے ڈیڑھ دو گھنٹے بعد تک انہدامی کارروائی جاری رہی۔

کھرگون: دونوں ہاتھوں سے محروم شخص بھی پتھر پھینکنے کا ملزم قرار

۲۱ اپریل ۲۰۲۲ء: کھرگون، مدھیا پردیش میں ہندوؤں کے مذہبی جلوس پر مسلمانوں کی طرف سے پتھراؤ کرنے کے الزام میں ایک ایسے شخص کو ملزم قرار دے کر گرفتار کر لیا گیا جو دونوں ہاتھوں سے محروم ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ کھرگون میونسپلٹی نے اس الزام کے تحت اس مسلم شخص کی دکان بھی بلڈوزر سے منہدم کر دی۔ وسیم شیخ نامی شخص ۲۰۰۵ء میں ایک حادثے میں اپنے دونوں ہاتھوں سے محروم ہو گئے تھے۔ وسیم شیخ کھرگون میں ایک چھوٹی سی دکان چلاتے تھے۔ یہ دکان اسی جگہ تھی جہاں رام نومی کے دن ہندو شر پسندوں نے تشدد برپا کیا۔ اس کے بعد حکومت نے یہاں کے مسلمانوں کی دکانوں کو یہ کہہ کر منہدم کر دیا کہ مسلمانوں نے رام نومی جلوس پر پتھر پھینکے تھے۔

عید کے موقع پر جودھ پور میں فسادات

۴ مئی ۲۰۲۲ء: جودھ پور، راجستھان میں چاند رات کو فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ جالوری گیٹ چوراہے پر ہندتوا وادی گروپ کی جانب سے بھگوا جھنڈا لہرائے جانے کے بعد مذہبی جھنڈوں پر تنازع شروع ہو گیا اور تشدد پھوٹ پڑا۔ پولیس نے دونوں مذاہب کے جھنڈوں کو ہٹا کر ترنگا لہرا دیا اور تنازع حل کیا۔ مگر اگلے ہی دن قریب ہی موجود عید گاہ بھر جانے کی وجہ سے کچھ مسلمانوں نے سڑک پر نماز ادا کرنے کی کوشش کی تو ہندوؤں کا ایک گروپ سامنے آگیا اور احتجاج کرنے لگا۔ اس پر مسلمانوں نے بھی چوراہے پر جمع ہو کر احتجاج کیا۔ جس کے نتیجے میں تصادم شروع ہو گیا۔ پولیس کے مطابق دونوں گروپوں نے ایک

دوسرے پر لاٹھیوں، بیس بال کے بلّوں، پتھروں اور جو کچھ بھی ہاتھ میں تھا اس سے حملہ شروع کر دیا۔ اس پر قابو پانے کے لیے پولیس نے آنسو گیس چھوڑی اور لاٹھی چارج کیا۔ راجستھان پولیس نے جودھ پور اور اطراف کے اضلاع میں کرفیو نافذ کر دیا اور انٹرنیٹ خدمات معطل کر دیں۔

کانپور: ۸۰ سالہ قدیم مدرسے کی عمارت کو غیر قانونی طور پر بلڈوز کر دیا گیا

۵ مئی ۲۰۲۲ء: اترپردیش کے ضلع کانپور کی گھاٹم پور تحصیل میں بھدرس روڈ پر واقع مدرسہ اسلامیہ کی عمارت کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے حکم سے بغیر کسی پیشگی اطلاع کے غیر قانونی قبضے ہٹانے کے نام پر منہدم کر دیا گیا۔ مدرسہ کے اراکین نے جب اس کارروائی کی مخالفت کی تو انتظامیہ نے بھاری پولیس فورس تعینات کر کے ان کی آواز کو دبا دیا۔ اس انہدامی کارروائی میں مدرسہ انتظامیہ کو اتنی مہلت نہیں دی گئی کہ عمارت میں رکھے قرآن پاک اور دیگر مذہبی کتابوں کو نکالا جا سکے۔ مدرسے کے پرنسپل نے بتایا کہ مدرسے کی عمارت ان کی ذاتی زمین پر تعمیر ہے اور مدرسے کے نام سے اس کی رجسٹری ہے اور اس کے تمام کاغذات محفوظ ہیں۔ سرکاری انتظامیہ نے مدرسے کو بغیر تحقیق کے نقصان پہنچایا۔

کرناٹک: ایک ہزار مندروں سے لاؤڈ اسپیکر پر فجر کے وقت ہنومان چالیسا کا پاٹھ

۱۰ مئی ۲۰۲۲ء: مساجد میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کے خلاف ریاست کرناٹک میں ۹ مئی کو ایک ہزار سے زیادہ مندروں میں صبح ساڑھے ۵ بجے سے ۶ بجے تک ہنومان چالیسا کا پاٹھ کیا گیا اور بھجن گائے گئے۔ بنگلور، میسور، منڈیا، بیلگام، دھارواڑ، ہبلی، کلبرگی اور ریاست بھر کے دیگر مقامات پر ہنومان چالیسا کا پاٹھ کیا گیا اور ساتھ ہی ہندو شرپسندوں نے دھمکی دی کہ اگر ریاستی حکومت نے مساجد کے لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کے خلاف کارروائی نہیں کی تو ہندو کارکن آنے والے دنوں میں ہنومان چالیسا کا پاٹھ تیز کر دیں گے۔

بی جے پی کا نئی دہلی میں چھ سڑکوں اور ۴۰ دیہاتوں کے نام بدلنے کا مطالبہ

۱۱ مئی ۲۰۲۲ء: بی جے پی نے نئی دہلی میونسپل کاؤنسل سے دارالحکومت کی چھ سڑکوں کے نام بدلنے کا مطالبہ کیا ہے جو کہ اس کے مطابق 'غلامی' کی علامت ہیں۔

دہلی بی جے پی کے صدر آدیش گپتا نے میونسپل کارپوریشن کے چیئرمین کو ایک خط میں کہا کہ تغلق روڈ، اکبر روڈ، اورنگزیب لین، ہمایوں روڈ، شاہجہان روڈ اور بابر لین کے نام بدلے جائیں۔

گپتا نے تجویز دی کہ تغلق روڈ کا نام بدل کر گورو گوبند سنگھ مرگ، اکبر روڈ کا مہارانا پرتاپ مرگ، اورنگزیب لین کا اے پی جے عبدالکلام لین، ہمایوں روڈ کا مہارا شی والمکی روڈ، شاہجہان روڈ کا بیپن راوت روڈ جبکہ بابر لین کا کھدی رام بوس لین رکھا جائے۔

اس کے علاوہ اس نے نئی دہلی کے وزیر اعلیٰ اروند کیجریوال سے مطالبہ کیا کہ ۴۰ گاؤں جن میں ہمایوں پور، یوسف سرائے، بیگم پور اور حوضِ خاص شامل ہیں، ان کے نام بدل کر انہیں تحریک آزادی کے رہنماؤں، شہدا، دہلی فسادات کا شکار ہونے والوں اور ملک کے مشہور فنکاروں اور کھلاڑیوں کے ناموں پر رکھا جائے۔

اس سے پہلے گپتا نے دہلی کے علاقے محمد پور میں نام کے بورڈ بدل کر ان کی جگہ 'مادھو پورم' کا بورڈ لگا دیا تھا۔

اترپردیش: تمام مدارس میں قومی ترانہ گانا لازمی قرار

۱۲ مئی ۲۰۲۲ء: اترپردیش مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے رجسٹرار ایس این پانڈے نے حکم نامہ جاری کیا ہے کہ مدارس میں کلاس شروع ہونے سے پہلے قومی ترانہ گانا تمام اساتذہ اور طلبہ کے لیے ضروری ہو گا۔ اس نے کہا کہ رمضان کی چھٹیوں کے بعد مدارس ۱۲ مئی کو کھل رہے ہیں اور اُسی دن سے اس حکم نامے پر عمل شروع ہو گا۔

پچھلے ماہ اقلیتوں کے حقوق کے وزیر دھرم پال سنگھ نے زور دیا تھا کہ تمام مدارس میں قوم پرستی کی تعلیم لازمی دی جائے۔ اس کے علاوہ بی جے پی کے مسلمان ریاستی وزیر دانش آزاد انصاری نے ایک بیان میں کہا کہ حکومت چاہتی ہے کہ مدارس کے تمام طلبہ 'حب الوطنی سے بھرپور' ہوں۔

کرناٹک: سرنگاپٹم کی جامعہ مسجد نشانے پر

کرناٹک کے شہر شری رنگاپٹنا (سابقہ سرنگاپٹم) میں ہندوتوا شدت پسندوں کی طرف سے دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ شہر کی جامعہ مسجد ایک ہنومان مندر کو گرا کر بنائی گئی تھی اور اس مسجد کے خلاف تحریک چلائی جائے گی۔

مقامی ہندوتوا شدت پسند رشی کمار سوامی کا دعویٰ ہے کہ ٹیپو سلطان نے ہنومان مندر کو مسجد میں تبدیل کیا۔ اور یہ مندر ۱۷۸۴ء میں منہدم کیا گیا تھا۔

رشی کمار سوامی نے اس مسجد کو منہدم کرنے کی تحریک چلانے کا اعلان کیا ہے۔ جبکہ جامعہ مسجد کی انتظامیہ نے ضلعی انتظامیہ سے کئی بار اپیل کی ہے کہ ہندو شدت پسندوں سے مسجد کو تحفظ فراہم کیا جائے۔

ہندو قوم پرست کرناٹک میں شری رنگاپٹنا کو اسی طرح اپنے لیے مقدس تصور کرتے ہیں جیسے اترپردیش میں ایودھیا کو، جہاں بابری مسجد تھی۔

☆☆☆☆☆

ہندو راشٹر: ہندُتوا بلوائیوں کی خود کار منڈی

عاصم علی، نئی دہلی

یہ مضمون آن لائن انگریزی جریدے The Quint میں نشر ہوا۔ قارئین کے استفادہ کے لیے اس کا ترجمہ نشر کیا جارہا ہے۔ ادارہ

۱۹۴۴ء میں ہنگری کے ماہر اقتصادیات کارل پولانی نے سیاسی معیشت پر ایک شاہکار لکھا جس نے معاشی نظریہ کے مطالعہ میں انقلاب برپا کر دیا۔ اپنی کتاب "دی گریٹ ٹرانسفارمیشن" میں، پولانی نے یہ ظاہر کیا کہ ریاست اور مارکیٹ مخالف تصورات نہیں ہیں۔ در حقیقت یہ ریاست ہی ہے جو منڈیاں بناتی ہے۔ ریاست یہ کام ایسے موزوں حالات پیدا کر کے کرتی ہے جو منڈیوں کے کام کو ممکن بنائیں۔ اس "گریٹ ٹرانسفارمیشن" نے ان سماجی اور سیاسی اتھل پتھل کا حوالہ دیا جو ۱۹ویں صدی میں انگلینڈ میں منڈی کی معیشت (Market Economy) کی پیدائش کے ساتھ ہوئے۔

ہندوستان خود اپنی ایک "عظیم تبدیلی" (Great Transformation) سے گزر رہا ہے۔ ہندو بلوائی روزمرّہ کے اور ہلکے درجے کے ایسے تشدد کے ذریعے سے، جواب مضبوطی سے نچلی سطح تک سرائیت کر چکا ہے، ایک نئے ہندوستان میں داخل ہو رہے ہیں۔

ہندُتوا موبلائزیشن (Mobilization) کا یہ مرحلہ، مظاہرے، نفرت انگیز تقریریں اور خطرناک حد تک تیزی سے پھیلتا تشدد، اس سب کو اوپر سے بالکل باریک بینی کے ساتھ نہیں چلایا جارہا، جیسے کہ شطرنج میں، واضح طور پر متعین نتائج کے حصول کے لیے ہر چال کی پہلے سے منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔ اس پر یقین کرنا ان حکمران اسٹیبلشمنٹ کے سرکردہ افراد کے ساتھ ایسی معرفتِ کُل اور قدرتِ کاملہ منسوب کرنا ہے جو یہ بالکل بھی نہیں رکھتے۔

سادھوؤں اور سادھویوں، سیناؤں اور سنگھوں کا پھلتا پھولتا بازار

اس کی بجائے ہندُتوا موبلائزیشن بازار کے رجحان سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔ بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) کی حکومت نے ہندُتوا موبلائزیشن کی ایک بڑی منڈی کو فروغ دیا ہے، جس نے فرقہ وارانہ تشدد کی نوعیت کو عارضی سے نکال کر ایک سرائیت کرنے والی مقامی وبا میں تبدیل کر دیا ہے۔ یہ 'ہندو راشٹر' کسی شعوری ارادے سے نہیں بلکہ تیزی سے بڑھتی ہوئی عدم مرکزیت پر مبنی بلوائی کارروائیوں سے وجود میں آیا ہے۔ ملک کو صرف دہلی اور ناگپور میں بیٹھے بڑے لوگ ہی تبدیل نہیں کر رہے بلکہ قصبوں اور شہروں کے لاکھوں چھوٹے لوگ اسے تبدیل کر رہے ہیں، جو مسلمانوں کو 'اوقات میں' رکھنے کے اپنے طریقے وضع کر رہے ہیں اور حکومت کی طرف سے پیدا کیے گئے معاون حالات پر ردّ عمل ظاہر کر رہے ہیں۔

ہندُتوا موبلائزیشن کے اس پھلتے پھولتے بازار میں، تعصب کے مقامی تاجر، سادھو اور سادھویاں، سینائیں اور سنگھ، حکومت کی طرف سے دی گئی مراعات کا پوری طرح فائدہ اٹھا رہے ہیں، اور اس منڈی سے اپنا حصہ حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کر رہے ہیں۔ کسی بھی تیزی سے بڑھتی ہوئی منڈی کی طرح، مستحکم تنظیموں، جیسے راشٹریہ سوائم سیوک سنگھ (آر ایس ایس) سے منسلک وشوا ہندو پریشد (وی ایچ پی)، بجرنگ دل اور ہندو جگرن منچ، کے تجربہ کار کارندوں نے اپنی چھوٹی چھوٹی ہندو ملیشیائیں بنالی ہیں۔ اب تو ان سب کے ناموں تک کو نظر میں رکھنا مشکل ہو چکا ہے۔ مثلاً، حال ہی میں جس گروہ نے 'لَو جہاد' (love jihad) کے الزام پر آگرہ میں مسلمانوں کے گھر جلائے اس کا نام "دھرم جگرن ساما نوے سنگھ" (Dharam Jagran Samanway Sangh) ہے۔ اِن نئے نئے پیدا ہوئے بلوائیوں کے جتھوں کی حیثیت غنڈوں کے ٹولوں سے کچھ ہی زیادہ ہوتی ہے، جو مقامی سیاست میں طاقت اور اثر و رسوخ حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہیں، اور رسمی ذیلی تنظیموں سے کہیں زیادہ غیر منظم انداز میں آر ایس ایس سے منسلک ہیں۔

ان ملیشیاؤں کے رہنما عموماً مقامی مشہور یا بااثر شخصیات ہوتی ہیں اور اس طریقے سے وہ سیاسی اہمیت کی اُس سطح تک پہنچ جاتے ہیں جو بصورت دیگر رسمی سیاسی طریقہ کار سے حاصل کرنے میں انہیں ساری زندگی لگ جاتی۔

ان کے زیر اثر بے روزگار اور کم آمدنی والے نوجوانوں کی ایک فوج ہوتی ہے جنہیں تلواریں لہرانے سے اور فرقہ وارانہ گانوں پر رقص کرنے سے نفسیاتی سکون حاصل ہوتا ہے۔ بعض اوقات، جیسے 'گاؤ رکھشکوں' کے معاملے میں دیکھنے میں آیا، یہ ٹولے ریاستی سرپرستی اور تشدد کی کھلی چھوٹ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بھتہ خوری کا دھندہ شروع کر دیتے ہیں اور ٹرکوں کو ضبط کر کے پھر رشوت کے بدلے انہیں واپس کرتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ بی جے پی حکومت نے ہندتوا موبلائزیشن کی یہ منڈی کیسے تیار کی؟

ایک کھوکھلا اور مطیع ریاستی نظام

اولاً تو اس نے ملک میں ایک بے نظم آمریت کی بنیاد ڈال کر ریاستی ڈھانچے کو کمزور کیا۔ اگرچہ بیرونی طور پر نظم و نسق کی شکل ویسی ہی ہے، لیکن سیاسی کلچر کو مکمل طور پر اس طرح زنگ آلود

کر دیا گیا ہے کہ بیوروکریسی کے اہم عہدہ داران کو، بی جے پی کے سیاسی وژن کو تقویت دینے کے لیے، قانون کی حکمرانی اور مساوی شہری حقوق کے اصولوں کو توڑنے پر ابھارا جاتا ہے۔

مشکل ہے کہ کوئی ایسا بیوروکریٹ یا پولیس والا موجود ہو جس نے قانونی کارروائی کے تمام طریقوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے گھروں کو بلڈوز کرنے سے انکار کر دیا ہو۔ اور ایسے جج بھی زیادہ نہیں جنہوں نے بودے الزامات پر اٹھائے گئے لوگوں کی ضمانت منظور کی ہو۔

ان حکومتی عہدے داران کو اپنے فہم کے مطابق حکومتی توقعات پر پورا اترنے کے لیے اپنے تمام اصول وضوابط کو نظر انداز کرنے کی عادت ہو چکی ہے، جسے نازی تاریخ دان ایان کرشاؤ (Sir Ian Kershaw) نے ''فہرر (Fuhrer)''[19] کی سمت میں کام کرنا'' نام دیا ہے۔

دریں اثنا، ریاست نے ہندوتوا تنظیموں کو صرف نفرت انگیز تقریریں کرنے، سوشل میڈیا پر کھل کر اپنی تنظیم سازی کرنے اور مظاہرے کرنے کی کھلی چھوٹ ہی نہیں دے رکھی، بلکہ عملاً تشدد پر ان کی اجارہ داری کو قانونی حیثیت دے رکھی ہے۔ اگر جاننا ہو کہ طاقت کا توازن اصل میں کس سمت جھکا ہوا ہے تو صرف یہ دیکھ لیں کہ پولیس افسران کسی مقامی ہندوتوا رہنما سے بھی کس انداز میں بات کرتے ہیں، محتاط انداز میں اور پورے ادب واحترام کے ساتھ، ایسا رویہ جو عموماً کسی منہ زور بڑے سیاسی رہنما کے ساتھ ہی رکھا جاتا ہے۔ آخر ہندوتوا گروہوں نے جو رویہ اپنا رکھا ہے وہ کیوں نہ اپنائیں، جبکہ ان کا سامنا ایک کھوکھلے اور کمزور ریاستی نظام سے ہوتا ہے؟

بلوائی بحران کیسے پیدا کرتے ہیں؟

ثانیاً، بی جے پی نے ہندوتوا تنظیموں کو اپنی سیاسی حکومت میں ایک کلیدی جزو کی حیثیت دے رکھی ہے اور ان کے ذمے سیاسی نظام میں ایجنڈا ترتیب دینے کا خاص کام ہے۔ پچھلے کچھ مہینوں میں، ہندُتوا تنظیموں نے سیاسی گفتگو کو 'حجاب'، 'حلال'، اور 'اذان' جیسے موضوعات پر مرکوز رکھنے میں مدد دی ہے۔

ہندُتوا تنظیموں کا انتہا پسندانہ مؤقف ان متنازع موضوعات پر مباحث کو ایندھن فراہم کرتا ہے۔ اپنے ڈرامائی مظاہروں کے ذریعے سے یہ اکثریت کی توجہ ان موضوعات پر مرکوز کر لیتے ہیں، اور ایک بحران کا تاثر پیدا کر دیتے ہیں۔ پھر اس بحران کو ابلنے کے لیے چھوڑا بھی جا سکتا ہے یا ریاستی مداخلت کے ذریعے سے اسے حل بھی کیا جا سکتا ہے، جس میں ریاست کھل کر ان ہندوتوا گروہوں کی ہی طرفداری کر رہی ہوتی ہے۔

یہی حکمت عملی حجاب کے مسئلے میں اپنائی گئی، جہاں سڑکوں پر اٹھائے گئے مطالبات کا ریاست نے قانون سازی کے ذریعے سے احترام کیا۔ ہندوتوا تنظیموں کی ایجنڈا ترتیب دینے کی طاقت نے انہیں چھوٹے موٹے گلی کے ٹھگوں کی حیثیت سے اٹھا کر باعزت سیاست دانوں کی حیثیت میں پہنچا دیا ہے۔

کیا یہ خودکار تشدد 'بیک فائر' کر سکتا ہے؟

لیکن زمین پر موجود ہندوتوا تنظیمیں ہمیشہ حکمران بی جے پی کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر نہیں چلتیں۔ وہ سب اپنے جدا جدا محرکات کے ساتھ اپنا سیاسی کردار رکھتے ہیں، اور اپنا اثر ورسوخ اور افادیت کو برقرار رکھنے کے لیے عموماً اپنے تئیں اقدامات کرتے ہیں۔ تمام سیاسی کردار رکھنے والوں کی طرح یہ بھی طاقت کے خود مختار مراکز بننے کے خواہاں ہوتے ہیں۔ مستقبل میں بی جے پی کے لیے چیلنج یہ ہو گا کہ وہ افراتفری اور اُس تشدد کا ڈائل، جس کے بیج اس نے بوئے ہیں، اس سطح تک رکھے جو سیاسی طور پر اس کے لیے فائدہ مند بھی ہو اور قابل انتظام بھی۔

یہ چیلنج ہندوتوا موبلائزیشن کے منڈی سے مشابہت کے فطری محرک کے ساتھ جڑا ہوا ہے، ایک ایسا نظام جو ریاستی حمایت یا مقامی وسائل تک رسائی کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کرنے والے نئے نئے گروہوں کو پیدا کرتا رہے گا، جو تشدد کے ایسے دور میں جو پہلے سے ہی اپنی رفتار پکڑ چکا ہے، مزید سے مزید ڈرامائی بلوائی کارروائیاں کریں گے۔ بی جے پی کو شاید ان گروپوں پر اپنی طاقت دوبارہ قائم کرنے کے لیے جدوجہد کرنی پڑے، اس خدشے سے کہ کہیں یہ بالکل اس سے علیحدہ نہ ہو جائیں یا جو کچھ نہ کچھ کنٹرول ابھی یہ ان گروپوں پر رکھتی ہے وہ بالکل ہی ختم نہ ہو جائے۔ جب یہ تشدد عام ہندوؤں کی زندگیوں اور معاش پر بھی اثر انداز ہونا شروع ہو گا، تب شاید بی جے پی کو یہ احساس ہو کہ ہندوتوا موبلائزیشن کی منڈی کا غیر مرئی ہاتھ بہت اچھی طرح سے سیاسی قیمت بھی اینٹھ سکتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے، ہدف بنائے جانے کا مستقل خطرہ

تاہم فی الحال ان ہندوتوا تنظیموں کا تشدد اور ایجنڈا ترتیب دینے کا کام بی جے پی کے لیے ایک مستقل ہندو سیاسی اکثریت گھڑنے کے منصوبے میں بہت اہم ہے۔ یہ چیز کہ اس منصوبے کو اتنے زیادہ بلوائی تشدد کی ضرورت ہے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ ابھی تکمیل سے بہت دور ہے۔ جبکہ ہندو اکثریت مسلمانوں کو شیطان صفت دکھانے کے اس عمل کے بارے میں جزوی پرجوش اور کچھ لاتعلق ہے، اور ابھی بھی دیگر معاشی وسیاسی تمناؤں کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔

جہاں تک مسلمانوں کی بات ہے، فرقہ وارانہ کشیدگی کی یہ مستقل حالت ان کے لیے ایک نئی حقیقت ہے۔ انہوں نے پہلے بھی فرقہ وارانہ فسادات کا سامنا کیا ہے، لیکن وہ ہمیشہ وقت اور جگہ تک محدود رہے جس کے بعد معمول کی زندگی، سکون اور امید پھر سے لوٹ آتی تھی۔

(باقی صفحہ نمبر 93 پر)

[19] Fuhrer نازی جرمنی میں ہٹلر کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ جرمن زبان میں اس کا مطلب قائد ہے۔

جنت تلواروں کے سائے میں ہے!

ذاکر موسیٰ شہید رحمۃ اللہ علیہ

الحمد للہ والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلی آلہ وسلم تسلیماً کثیراً

کشمیر اور ہندوستان میں بسنے والے اہلِ ایمان، امتِ مسلمہ کے مجاہدین اور علمائے کرام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ آپ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور آپ سے دینِ حق کی سربلندی کا کام لے۔ عید الاضحیٰ کے اس مبارک موقع پر میں تمام امتِ مسلمہ اور خصوصاً مجاہدین کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ تقبل اللہ منا ومنکم!

اللہ تعالیٰ ہمیں اس عید پر ہماری ایمانی محبت میں اضافہ کرے اور ابراہیم علیہ السلام کے نقشِ قدم پہ چلتے ہوئے ہر دم توحید کا داعی اور اللہ تعالیٰ کے لیے قربانیوں کا پیکر بنائے، آمین یارب العالمین!

جموں وکشمیر میں رہنے والے میرے عزیز اور محبوب اہلِ ایمان!

تحریکِ جہادِ کشمیر غزوۂ ہند کے دروازے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور یہ اعزاز آپ نے اپنی اسلامی محبت اور اللہ تعالیٰ کی راہوں میں قربانیوں سے حاصل کیا ہے۔ جب جب آپ کے سامنے حق واضح ہوا، آپ نے سچے دل سے اسے اپنایا۔ جموں وکشمیر میں اسلام اور شریعت کے نفاذ کی جو یہ جدوجہد ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ یہ جدوجہد پچھلے ستر سال کی بھی نہیں ہے۔ بلکہ حق کے لیے تڑپ اور اللہ تعالیٰ سے محبت کا جو یہ سلسلہ ہے، یہ تو تب سے جاری ہے جب سے اسلام کے داعی کشمیر میں توحید کی دعوت لے کر پہنچے۔

میرے عزیز بھائیو!

آپ نے ہر دور میں دینِ اسلام کی آبیاری کی ہے، اور کفر وظلم کے بتوں کو توڑا ہے۔ پھر وہ چھ سو سال پہلے کشمیر میں ہندوؤں کی جاہلیت کا بت ہو، یا پھر ماضی میں کافر بادشاہوں کی حکومتیں ہوں، یا پھر آج کے دور میں ہندوستان کے خلاف جہاد کا علم بلند کرنا ہو۔ یا پھر تب بھی جہاد جاری رکھنا جب رہبر کی شکل میں رہزنوں نے مجاہدین اور جہاد سے علیحدگی اختیار کرکے اپنے مفاد کو ترجیح دی۔ آپ نے ہر دور میں ملتِ ابراہیم علیہ السلام ہونے کا حق ادا کیا ہے۔ ہر دور میں اللہ تعالیٰ کے شیروں اور داعیانِ اسلام نے اپنے خون پسینے سے کشمیر کے کوہساروں میں توحید کی صدا بلند کی ہے۔ چاہے پھر وہ میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کی عظیم دعوت ہو، سکندر بت شکن کی اسلام کی خدمت ہو یا پچھلے تیس سالوں میں کشمیر کی ہر گلی اور کوچے میں مجاہدین کا گرتا لہو ہو۔

کشمیر میں اسلام کی سربلندی اور شریعت کے نفاذ کی جدوجہد ہمیں ورثے میں ملی ہے، اور ہم یہ عزم بھی رکھتے ہیں کہ اس مبارک قافلے کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچائیں گے، ان شاء اللہ۔ یہ اسلامی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے کہ کیسے حق کو پہچانتے ہی ایک پوری قوم لبیک کہہ کر اٹھتی ہے۔ الحمد للہ! کشمیری قوم ایک زندہ دل اور حق پرست قوم ہے، جس نے ہمیشہ حق کو پہچانتے ہی اسے مضبوطی سے تھام لیا۔ شریعت یا شہادت کا جو نعرہ ہم نے آج بلند کیا ہے، یہ بھی کوئی نیا نعرہ نہیں ہے، بلکہ ہر دور میں کشمیر کے اہلِ ایمان نے بھی یہی نعرہ بلند کیا ہے۔

میرے عزیز بھائیو!

جہادِ کشمیر اتحاد واتفاق مانگتا ہے۔ کشمیر کے ہر گاؤں، ہر شہر اور ہر ضلع نے اسلام کی خاطر اپنا خون دیا ہے۔ اگر شوپیاں، ترال، پلوامہ اور کلگام کے شہدا آج سرِ فہرست ہیں تو سوپور، بانڈی پورہ اور کپواڑہ بھی شہدا کی ہی سرزمین ہے۔ اگر ڈوڈہ اور جموں کی زمین خونِ شہدا سے سیر اب ہوئی تو گاندربل بھی کوئی بنجر زمین نہیں ہے۔ وہاں بھی مشتاق خان کا خون بہا ہے۔ کشتواڑ میں بھی سلطان بٹ، عامر کمال اور شاکر حسین جیسوں کا خون گرا ہے۔

تو اے شہدا کی وارث قوم!

اب آپ کے مسائل کا حل اقوامِ متحدہ کی قراردادوں میں نہیں ہے۔ بلکہ آپ کے مسائل کا حل تو واضح اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جہاد بتایا ہے۔ اللہ کے دشمنوں کے ہاتھ صرف اور صرف تلوار سے ہی کاٹے جا سکتے ہیں اور شریعت کا نفاذ صرف قتال سے ہی ممکن ہے۔ پچھلے تیس سال میں ہندوستان نے جو کشمیر میں ایک لاکھ سے زائد فرزندانِ توحید کا خون بہایا ہے، ہم اسے بھولے نہیں ہیں۔ ہم خون کے ہر قطرے کا حساب رکھے ہوئے ہیں، اور اس کی وصولی ہم پر واجب ہے۔ نریندر مودی اور اس کی فوج کی شکست تو یقینی ہے، اور یہ صرف اور صرف جہاد سے ہی ممکن ہے۔ باقی سب راستے تو محض فریب ہیں۔ مجاہدین کا مقصد تو صرف اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا اور شہادت پانا ہوتا ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی جنتوں میں پہنچنے کا سامان ہو سکے۔ مگر اعلیٰ عسکری حکمتِ عملی اپنانا اور مادی اسباب کو پورا کرکے ہی دشمن پر ایک خوفناک جنگ مسلط کرنا، یہ سب مجاہدین کے پیشِ نظر ہوتا ہے۔ دیکھیے کہ کیسے ہمارے بھائی خراسان اور صومالیہ کے محاذوں پر فتوحات حاصل کر رہے ہیں۔

اس مبارک جہادی تحریک کا راستہ نہ تو کوئی روک پایا ہے، اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی مدد سے کوئی روک پائے گا۔ اس دور کا کوئی بھی راہزن، کوئی بھی مقبول شیر وانی اس مبارک قافلے کو روک نہیں سکتا، چاہے وہ کسی بھی شکل میں آئے۔ چاہے وہ مذاکرات کا لباس پہنے ہو، یا پرامن

جدوجہد کا سہرا باندھے۔ اب شیر وانی کلچر کشمیر کی آزادی اور نفاذِ شریعت کا راستہ نہیں روک سکتا، ان شاء اللہ۔ ہندوستان کی فوج، پولیس اور خفیہ ایجنسیوں کے اہلکاروں کی تعداد لاکھوں میں ہے، لیکن ہم اللہ کے وعدوں اور نصرت کے سہارے جہاد کا علم بلند کیے ہوئے ہیں۔ ہمارا یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کبھی مکڑی کے کمزور ترین جالے سے ہوتی ہے اور کبھی ابابیلوں کی صورت میں۔

میرے عزیز بھائیو!

تحریکِ جہادِ کشمیر میں ہر ایک فرد اپنا حصہ ڈال سکتا ہے۔ دیکھیے کیسے ہمارے ننھے نوجوان معرکوں میں مجاہدین کے رباط پر سینے چھلنی کروا رہے ہیں۔ واللہ! یہ ایک عظیم معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہی صورتحال کفار کے لیے اور بھی بدتر ہو سکتی ہے۔ اگر انکاؤنٹر سائٹس کے نزدیک پولیس سٹیشنز اور فوجی بنکروں پر پیٹرول بم برسائے جائیں۔ اس سے انکاؤنٹر جگہ پر موجود فوج اور پولیس کی طاقت اور توجہ تقسیم ہو جائے گی ان شاء اللہ۔

اور کچھ عرصے سے دوکانوں اور کاروباری جگہوں پر سی سی ٹی وی کیمرے لگانا عام ہو گیا ہے۔ حالانکہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن بعض دفعہ یہ کیمرہ کاروباری اداروں کے باہر کے مناظر بھی قید کر لیتا ہے، جو کہ مجاہدین کی کارروائی اور حرکت کے لیے غیر مناسب ہے۔ لہٰذا ہماری تاجر بھائیوں سے گزارش ہے کہ وہ اس بارے میں خیال رکھیں۔ اس کے علاوہ مرابط جوان جہاں بھی پولیس اور فوج کے لگائے ہوئے کیمرے دیکھیں، تو ان کو احتیاط سے تباہ کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تحریکِ جہادِ کشمیر کو عروج پر لے جانے کی توفیق دے۔ آمین یارب العالمین!

مقبوضہ ہندوستان میں رہنے والے میرے عزیز اور محبوب بھائیو اور بہنو!

آپ کی مظلومیت سے ہم واقف ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ ہمیں آپ کے لیے ابابیلوں کا وہ لشکر بنا دے جو مودی اور اس کی فوج کو نیست و نابود کر دے۔ یہ کبھی نہیں سوچیے گا کہ ہمیں آپ کی فکر نہیں ہے۔ ہندو کفار کے ساتھ جنگ میں آپ ہمیں ہمیشہ اپنی صف میں شامل پائیں گے۔ امتِ مسلمہ کا ہر فرد آپ کی پشت پر ہے۔ ہندو کفار تو ہمارے دینی دشمن ہیں۔ اور یہ جہاد ہمیں لسانی، علاقائی اور مسلکی اختلافات سے اوپر اٹھ کر انجام دینا ہو گا۔ دشمن آپ کو باقی امتِ مسلمہ سے ملکوں، سرحدوں اور مفادات کی بنا پر تقسیم کر رہا ہے۔ لیکن مسلم امت کا ہر فرد آپ سے ایمانی تعلق رکھتا ہے، چاہے وہ پاکستان میں رہتا ہو، کشمیر میں یا بنگلہ دیش میں یا کسی اور علاقے میں۔ ہمیں ہر وقت ایک دوسرے کی محبت ہونی چاہیے اور ہر مسلمان کے لیے اپنا لہو بہانے کے لیے ہمیں تیار رہنا چاہیے۔

میرے بھائیو! وہ دور آپ یاد کیجیے جب ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کا بول بالا تھا۔ جب شریعتِ محمدی ﷺ کے تحت نظامِ حکومت چلا کرتا تھا۔ جب شیخ اسمٰعیل بخاری، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شیخ علی اجمیری رحمہم اللہ کی تعلیم و تربیت سے مسلمان روشناس ہوتے تھے۔ اور دوسری طرف مجاہدینِ وقت محمود غزنوی، محمد غوری اور شاہ اسمٰعیل شہید میدانِ جہاد میں نئے سنگِ میل عبور کرتے جاتے تھے۔

میرے بھائیو!

ہندوستان میں آپ کی تاریخ معمولی نہیں ہے، یہ تو برِّصغیر میں اسلام کی سربلندی کا ایک سنہرا باب ہے جسے علما اور مجاہدین نے اپنے خون پسینے سے قائم کیا ہے۔ تو میرے بھائیو! آپ کی تاریخ غلیظ ہندو کے سامنے جھکنے کی نہیں ہے، بلکہ آپ کی تاریخ تو جہاد اور مجاہدین سے بھری ہوئی ہے۔ اور ان ہندوؤں کو آپ کی اس بات سے عداوت ہے کہ آپ کا دین اسلام ہے اور یہ آپ سے تب تک خوش نہیں ہوں گے جب تک آپ اپنا اسلام نہ چھوڑ دیں۔ یاد رکھیے! آپ کے مسائل کا حل گائے کا گوشت بند کرنا نہیں ہے، داڑھی کاٹنا نہیں ہے، یا بی جے پی کے مقابلے میں کانگریس یا باقی سیاسی جماعتوں کی حمایت کرنا نہیں ہے۔ بلکہ آپ کے مسائل کا حل صرف اور صرف اللہ تعالیٰ نے جہاد میں رکھا ہے۔ جب تک ہندوستان میں پھر سے شریعت کا نفاذ نہیں ہوتا، ہندوؤں کے لیے ہر مسجد کے معنیٰ بابری مسجد ہی ہوں گے۔

میرے بھائیو!

ہمارے دل ہندوستان میں مسلم خون کے ہر قطرے پر تڑپتے ہیں۔ دادری کے محمد اخلاق، راجستھان کے پہلو خان، جھارکھنڈ کے عنایت اللہ خان، آسام کے ابو حنیفہ اور ریاض الدین علی، اترپردیش کے غلام محمد...... ان سب کا خون ہمارے اوپر ایک قرض ہے، اور ان شاء اللہ یہ قرض ہم ضرور چکائیں گے۔

تو میرے بھائیو! اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے، کہ آپ قرآن کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے جہاد کا رخ کریں اور اپنا خون ضائع ہونے کے بجائے ہندو حکومت اور ہندو انتہا پسندوں پر حملوں میں بہائیں۔ نا کہ اپنا خون موب لنچنگ، کبھی گائے کے نام پہ تو کبھی کسی اور نام پر بہائیں۔ آپ کی جہادی کارروائیاں ہی ہندو کے بڑھتے مظالم کو روک سکتی ہیں۔ اس ظلمتوں کے دور میں آپ کے لیے بس یہی ایک راستہ ہے، جس پر بھٹکل سے خراسان کی طرف ہجرت کرنے والے مجاہد انور نے سفر کیا۔ جو عاطف امین نے اختیار کیا، جب انہوں نے اپنے خون سے اسلام کی سربلندی کی گواہی دی۔

کشمیر اور ہندوستان میں رہنے والے میرے عزیز نوجوانو!

نریندر مودی اور اس کا ہندوتولہ چاہے کتنے بھی ظلم اور سختیاں کرے، یہ یاد رکھیے کہ ہندو ایک بزدل قوم ہے جو اپنے سے زیادہ طاقتور کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتی ہے، اور یہ پھر اس کو پوجنے لگ جاتے ہیں۔ ان کا گھمنڈ اور ان کی طاقت توحید کے پروانے کی ایک تکبیر سے ہی ختم ہو جائے گی۔ گاڑیوں اور ٹرکوں سے ہندوستانی پولیس، فوج، اعلیٰ افسروں، ہندو بھگوا تنظیموں کے لوگوں کے سر کچل ڈالیے۔ یہ طاغوتی ہندوستانی ریاست آپ کے قدموں میں آجائے گی ان شاء اللہ۔

اے ہند میں توحید کے رکھوالو!

ہندوستان کی ہر گلی شریعت کے لیے تڑپ رہی ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کا خون ان گلیوں میں بہائے بغیر فتح کبھی نہیں ملے گی۔ اس موقع پر ہندوستانی پولیس اور فوج میں موجود مسلمانوں کو میں ان شجاعت مند ایمان والوں کی یاد دلانا چاہوں گا، جنہوں نے انگریزی فوج میں ہونے کے باجود خلافتِ عثمانیہ کے خلاف جنگ لڑنے سے انکار کر دیا تھا۔ آپ سے سوال ہے کہ آپ کس ملک اور کس حکومت کا دفاع کر رہے ہیں؟ یہ تو کفار کی حکومت ہے، اور وہ بھی ایسے بدترین کفار جن کا مقصد ہندوستان سے اسلام اور مسلمانوں کا صفایا کرنا ہے۔ ہندوستانی فوج اور پولیس میں مسلمان سپاہیوں اور افسروں کے پاس تو اسلحے کی بھی کوئی کمی نہیں ہے، بس اب وقت آچکا ہے کہ آپ بیدار ہو جایئے اور خون کے ہر ایک قطرے کا حساب لیں۔ یہ نہ سوچیں کہ آپ اور آپ کے گھر والے محفوظ ہیں، ان ہندو دنگیوں کے سامنے صرف آپ ایک مسلمان ہیں، اور ان گائے کے پجاریوں کے لیے مسلمان کا مطلب صرف دشمن ہے۔

کشمیر اور ہندوستان میں بسنے والے میرے بھائیو!

اپنے آپ کو جنگ کے لیے تیار کیجیے، اپنی تیاریاں شروع کیجیے! مومنوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے نصرت کا وعدہ کیا ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔ غزوۂ ہند ہماری تقدیر ہے اور جہاد ہمارا راستہ ہے۔ اور یقیناً تلواروں کے سائے میں ہی جنت ہے۔

اسلام میں ہی آپ کے مسائل کا حل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیجیے، اپنے گھروں میں اسلام کی تعلیمات کو پھیلایئے، خود تقویٰ گزار بنیے، اپنے بچوں کو اسلام سکھایئے، اور سب سے بڑھ کر جہاد میں اپنا حصہ ڈالیے۔ اسلامی معاشرے کی عمارت آپ ہی سے بنے گی۔

کشمیر میں میرے عزیز نوجوانو!

آپ کی شجاعت کو ہم سلام پیش کرتے ہیں، اور یہ دلی تمنار کھتے ہیں کہ شریعت اور شہادت کے جس منہج پر آپ نے لبیک کیا ہے، اسے آپ اپنی ذاتی زندگیوں میں بھی عمل کریں گے اور اس دعوت کو پھیلائیں گے، ان شاء اللہ۔

مجاہدین سے بھی دل سے یہ گزارش ہے کہ وہ خونِ مسلم کی حرمت کو برقرار رکھیں۔ چاہے ہماری تنظیمیں، ہمارے منصوبے اور ہماری جماعتیں مٹ جائیں، مگر ہمارے ہاتھوں کبھی کسی ناحق مسلمان، کسی بے گناہ کا خون نہیں بہنا چاہیے۔

اسی طرح علما سے بھی یہی امید کرتے ہیں کہ وہ حق کا ساتھ دیں اور لوگوں کو حق کی طرف بلائیں اور اختلافات سے بالاتر ہو کر کفر کے ہر بت کا پردہ فاش کریں۔ پھر وہ جمہوریت ہو یا وطنیت...... یہ آپ پر ایک ذمہ داری ہے اور آخرت میں آپ سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ آپ حق کی آواز بلند کریں، مجاہدین آپ کی پشت پر ہیں ان شاء اللہ۔

آخر میں یہ گزارش کروں گا کہ مجاہدین اور شہدا کے گھر والوں کو خصوصی دعاؤں میں یاد رکھیں، اور ان کے اہل خانہ کی ہر قسم کی مدد و نصرت کریں۔ خاص کر میں اپنے نوجوانوں سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ شہدا، غربا اور بیواؤں کی مدد کیا کریں۔ یہ ہم پر ایک بہت بڑا قرض ہے۔

اس موقع پر میں یہ بھی واضح کرنا چاہوں گا کہ انصار غزوۃ الہند کا کسی بھی اعتبار سے جماعۃ الدولہ (داعش) سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور نہ ہی کبھی تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مخلص اور موحد بندوں کی صف میں شامل کرے اور ہم سے دینِ حق کا کام لے۔ آمین یارب العالمین!

وآخر دعوانا أن الحمد للہ ربّ العالمین

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

☆☆☆☆☆

رویے اور تاثرات

”صحابہؓ عجز و انکساری اور سادگی کا پیکر تھے۔ اور یہ ہمارے لیے سبق ہے۔ یہ آپ کا لباس نہیں جو یہ طے کرتا ہے کہ آپ کون ہیں، نہ ہی وہ رویے اور وہ تصور جو آپ اپنے بارے میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ کے قلوب میں موجود افکار و نظریات آپ کی شخصیت کا تعین کرتے ہیں۔ جب اپنی ذات کے بارے میں لوگ جعلی اور بناوٹی تاثر پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تو اللہ رب العزت انہیں اس وقت تک مرنے نہیں دیتے جب تک ان کی حقیقت سب پر عیاں نہ کر دیں!“

(شہید داعی الی اللہ، شیخ انور العولقی رحمہ اللہ)

روہنگیا کا جہاد

ڈاکٹر طلحہ عبد الکریم

برما اور اسلام

روہنگیا مسلمانوں پر ظلم و ستم کی خبریں تو ہر ایک نے سنی اور دیکھی ہوں گی۔ امت مسلمہ اپنی لمبی نیند کے بعد اب جب بیدار ہو رہی ہے تو اس کی تاریخ کے بہت سے گوشے اس کی یادداشت سے محو چکے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ ۱۹۹۰ء کی دہائی میں جب بوسنیا میں جنگ شروع ہوئی تو میرے گھر میں یہ جان کر تعجب ہوا کہ یورپ کے دل میں بھی مسلمان آباد ہیں اور ہمیں معلوم ہی نہیں۔ اسی طرح میں نے بچپن میں اراکان کا نام تو سنا تھا کہ وہاں ظلم و زیادتی ہو رہی ہے لیکن بمشکل بتا سکتا ہوں گا کہ اراکان ہے کہاں۔ اب جب کے دل دہلانے والے واقعات نے ضمیر کو جھنجھوڑا تو اپنے مسلمان روہنگیا بھائیوں کو جاننے کی کوشش کی۔ آیئے! میرے ساتھ برِّ صغیر کے کچھ مشرق میں چلے چلتے ہیں، اور قدیم دور سے آج تک دیکھتے ہیں کہ ہمارے بھائیوں کی کیا کہانی ہے۔ ان کی تاریخ جان کر ذہن میں کئی سوالات ابھرے جنہیں آخر میں درج کروں گا جو کہ انڈیا میں جاری ہند تو اتحریک اور برصغیر کے تمام خطے کے لیے انتہائی اہم ہیں۔ لیکن ان سب کا تعلق موجودہ عالمی نظام سے بھی بہت گہرا ہے۔ شروع برما سے کرتے ہیں جہاں روہنگیا مسلمان کی مظلوم اقلیت آج کل آباد ہے۔

میانمار (جدید برما)

برما جس کا نیا نام میانمار ہے، ۴ جنوری ۱۹۴۸ء کو برطانیہ سے آزاد ہو کر موجودہ شکل میں نمودار ہوا۔ اگرچہ تاریخی طور پہ یہ سرزمین کئی ممالک اور مختلف اقوام پر مشتمل تھی۔ اس کا نام سب سے بڑے قبیلے بامار کے نام پر پڑا جس کا دوسرا نام میانمار بھی ہے۔ ملک کے اس نام سے ہی دیگر اقلیتوں کی حالت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ قبیلہ برما کے وسطی علاقے مانڈلے اور اس کے اطراف میں رہتا ہے اور خود تبت سے ہجرت کر کے یہاں پہنچا تھا۔ یہ قبیلہ اپنے ساتھ بدھ مذہب لایا جو آج برما کا قومی مذہب ہے۔ ہم اس تحریر میں نئے نام میانمار کے بجائے برما کا نام ہی استعمال کریں گے کیونکہ میانمار تاریخی واقعات کے بیان کے لیے نہیں استعمال ہو سکتا۔ برمی حکومت دونوں ناموں کے استعمال کو درست قرار دیتی ہے۔

برما میں اسلام

ابتدائی پگان[1] دور (۶۵۲–۶۶۰ء) میں عرب مسلمان تاجر برما کی کئی بندرگاہوں پر اترے جن میں نمایاں تھاٹون Thaton[2]، مرتبان[3] اور مرگوی Mergui[4] تھیں۔ مسلمان تاجروں کی کشتیاں مدغشقر کے جزیرے سے چین جاتے ہوئے برما میں آتی جاتی رہتی تھیں۔ ۹ویں صدی عیسوی میں مسلمان دریائے ایاروادی، ساحل تناسرم اور اراکان میں پہنچے۔ یعنی کہ برما میں ان کی آبادی ۱۰۵۵ء میں بادشاہ (انوراٹھا) کی پہلی برمی ایمپائر قائم کرنے سے پہلے ہی موجود تھی۔ ۹ویں عیسوی صدی میں برما میں عرب مسلمانوں کی ان ابتدائی آبادیوں اور اسلام کی اشاعت پر عربی، فارسی، یورپی اور چینی دستاویزات شاہد ہیں۔ اور برمی مسلمان ان لوگوں کی اولاد ہیں جو وہاں آباد ہوئے اور مقامی نسلوں کے ساتھ شادیاں کیں۔ باگو (پیگو)، دالا، تھانلین (سیریام)، تانی تھائی (تیناسیرم)، مٹاما (مرتبان)، میک (مرگوی) اور پاتھین (پاسین) یہ سب شہر برمی مسلمانوں سے بھرے تھے اور ایسے دور بھی گزرے ہیں جب ان میں مسلمانوں کی تعداد مقامی برمیوں سے بھی زیادہ تھی۔

برما میں مسلمان بطور تاجر، سپاہی، کماندان، جنگی قیدی، پناہ گزین اور غلام آئے ہیں۔ البتہ ابتدائی مسلمان شاہی مشیر، شاہی منتظم، بندرگاہوں کے منتظم، والی اور حکیم بھی رہ چکے ہیں۔ روہنگیا کے علاوہ برما میں پانتھی اور کمان مسلمان نسلیں بھی بستی ہیں۔ روہنگیا نسل پر تو تفصیلی بات کریں گے اور ان ہی کی ذیل میں کمان نسل کی بھی بات ہو جائے گی۔ البتہ پانتھی مسلمانوں کا یہاں مختصر تذکر کر دیتے ہیں۔

پانتھی مسلمان

فارسی مسلمانوں کا شمال مشرقی برما اور اس سے متصل چین کے علاقے یانان میں آنے کے شواہد ۸۶۰ء میں ملتے ہیں۔ یانان کے راستے سے اسلام کا برما میں داخل ہونا یانان کے والی شمس الدین کے دور ۱۲۷۴–۱۲۷۹ء میں ہوا تھا۔ اس کا بیٹا نصیر الدین برما پر ۱۲۷۷–۱۲۷۸ء میں پہلے حملے

---

[1] Bagan جسے پہلے Pagan کہا جاتا تھا ایک قدیم شہر ہے جو کہ میانمار کے مانڈالے علاقے میں واقع ہے۔ یہ پاگان بادشاہت کا پایہ تخت تھا۔ جو کہ پہلی بادشاہت تھی جس نے علاقے کو متحد کیا اور جدید میانمار اسی کی بنیاد پر قائم ہے۔

[2] جنوبی میانمار کی مون ریاست کا ساحلی شہر۔

[3] حالیہ Mottama بھی مون ریاست کا ساحلی شہر ہے۔

[4] حالیہ میک Myeik۔

کا کمانڈر تھا۔ آج تک برمی مسلمانوں کو اپنی زبان میں (پاتھی) کہتے ہیں جو کہ اصل میں لفظ (فارسی) کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

برما کے جنوب میں کئی آبادیاں خاص مسلمانوں کی تھیں جن میں مسلمانوں کی تعداد بدھوں سے زیادہ ہوتی تھی۔ ایک روایت کے مطابق پاتھین Pathein کا شہر انہی پاتھیوں سے آباد تھا اور شہر کا نام اسی لفظ سے ماخوذ ہے۔ آج تک پاتھین مسلمانوں کے حلوے کے لیے مشہور ہے جو کہ برما کا روایتی کھانا تصور ہوتا ہے۔ یہ شہر ۱۳ویں صدی عیسوی میں تین ہندی مسلمان بادشاہوں کے حکمرانی میں رہ چکا تھا۔

جبکہ برما کے وسط میں مینڈالے Mandalay کے بادشاہ منڈُن Mindon نے چین سے آنے والے مسلمان ہیو[1] مہاجروں کو اجازت دی کہ وہ دار الحکومت مینڈالے میں مسجد تعمیر کریں۔ مینڈالے کے چینی مسلمانوں نے اپنے اصلی علاقے یانان Yannan کے سلطان سلیمان سے رقم طلب کی۔ چنانچہ ۱۸۶۸ء میں سلطان نے اپنی نگرانی میں یہ مسجد تعمیر کرائی جو کہ آج تک موجود ہے۔ ان چینی مسلمانوں کو برما میں پانتھی Panthay کہا جاتا ہے جو کہ برما میں چینیوں کی سب سے بڑی نسل شمار ہوتی ہے اور شمالی برما میں آباد ہے۔ پانتھی بھی فارسی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

روہنگیا مسلمان

یہ ہندی آریائی نسل کی مسلمان قوم ہے جو کہ بنیادی طور پہ برما کی ریاست اراکان (حالیہ راکھین) میں زمانہ قدیم سے رہتی چلی آ رہی ہے اور اراکان ہی ان کا آبائی وطن ہے۔ اگرچہ ان میں سے بعض ایسے مسلمان بھی ہیں جو برطانوی استعمار کے دوران یہاں آ کر آباد ہوئے۔ البتہ برمی حکومت کا سرکاری موقف یہ ہے کہ روہنگیا غیر قانونی مہاجرین ہیں جو کہ ۱۹۴۸ء میں برما کی آزادی کے بعد اور یا پھر ۱۹۷۱ء میں بنگلہ دیش کی جنگ آزادی کے بعد یہاں آئے۔ لیکن تاریخی حقائق جیسے کہ اوپر گزرا اور آگے بھی آئے گا اس موقف کو جھٹلاتے ہیں۔

انگریزی زبان میں روہنگیا (یارویِنگا) کا نام سب سے پہلے ۱۷۹۹ء میں ایک برطانوی مضمون میں آیا کہ یہ لفظ اراکان کے مقامی مسلمان اپنے لیے استعمال کرتے تھے۔ روہنگیا کا مطلب روہنگ کا رہنے والا ہے، اور روہنگ اراکان کا قدیم اسلامی نام ہے۔ ۱۹۹۰ء میں روہنگیا کی تحریکات کی وجہ سے یہ لفظ زیادہ رائج ہوا اور ۲۰۱۲ء کے اراکانی فسادات کے بعد دنیا بھر میں عام ہو گیا۔ اگرچہ اراکان کے بہت سے مسلمان اس لفظ سے ناواقف ہیں۔

[1] (عربی میں خُوِذُو) جس کا چینی میں مطلب مسلمان ہے۔

آبادی

۲۰۱۴ء کی مردم شماری کے مطابق برما کی کل آبادی تقریباً ۵ کروڑ ۱۵ لاکھ تھی جس کی اکثریت (۶۸ فیصد) بامار بدھ مت قوم کی تھی۔ رقبے اور دیگر ایشیائی ممالک کے لحاظ سے برما کی آبادی توقع سے بہت کم ہے جس کی ایک بڑی وجہ بدھ مت کا رہبانیت کا عقیدہ ہے جس میں وہ جنسی تعلق اور ازدواجی زندگی سے کنارہ کشی کو روحانی ارتقا کے لیے لازمی قرار دیتے ہیں۔

برما میں سرکاری طور پہ تسلیم شدہ ۱۳۵ مختلف نسلیں بستی ہیں لیکن برمی حکومت ان میں روہنگیا کو شامل نہیں کرتی جن کی آبادی برما کے اندر ۲۰۱۷ء سے پہلے ۱۳ لاکھ تھی اور بیرون برما ۱۰ لاکھ ہے۔ ان ۱۰ لاکھ کی اکثریت کو برمی حکومت نے زبردستی جلا وطن کیا اور حکومت کی باقاعدہ پالیسی رہی ہے کہ ان کی جگہ بامار قوم کو آباد کرے۔ پورے برما کو دیکھا جائے تو روہنگیا کی آبادی تقریباً ۲.۵ فیصد ہے اور اگر بیرون برما پناہ گزینوں کو بھی شامل کر لیا جائے تو ۴ فیصد سے کچھ زیادہ ہے۔

روہنگیا مسلمان صرف صوبہ اراکان کے شمال میں بستے ہیں جس کی کل آبادی تقریباً ۳۲ لاکھ ہے۔ برما میں اراکانی نسل کے بدھ فقط ۴ فیصد ہیں جنہیں راکھین بھی کہا جاتا ہے اور یہی نام صوبہ اراکان کا نیا نام بھی ہے[2]۔ انڈیا میں رہنے والے راکھین نسل کے لوگوں کو عموماً موگ اور ماگھ کہا جاتا ہے اور روہنگیا مسلمان بھی اسی نام سے یاد کرتے ہیں۔ اراکان کی ۴۰ فیصد آبادی روہنگیا ہے۔ اور اگر بیرون ملک پناہ گزینوں کو بھی شمار کر لیا جائے تو ان کی فیصد ۶۰ ہو جاتی ہے۔ یعنی کہ وہ اس صوبے کی اکثریتی قوم ہے اور اس اعتبار سے صوبے کا نام روہنگیا ہونا چاہیے۔

سرکاری اعداد و شمار کے مطابق برما میں کل مسلمان ۴ فیصد سے کچھ زیادہ ہیں۔ لیکن چونکہ حکومت روہنگیا کو شہری تسلیم نہیں کرتی اس لیے اس میں روہنگیا مسلمانوں کی شرح شامل نہیں۔ اگر روہنگیا کو بھی شامل کر لیا جائے تو تقریباً ۸ فی صد ہو گی۔ دسمبر ۲۰۱۷ء کی اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں ہر ے واں (سٹیٹ لیس) فرد روہنگیا ہے۔

روہنگیا پناہ گزینوں کی اکثریت بنگلہ دیش میں ہے لیکن تقریباً ۴ لاکھ افراد سعودی عرب، ۲ لاکھ کے قریب پاکستان اور ایک لاکھ تھائی لینڈ میں پناہ گزین ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ تعداد ملیشیا، انڈیا، انڈونیشیا اور نیپال میں بھی موجود ہے۔ پاکستان میں رہنے والے روہنگیا برمی کے نام سے مشہور ہیں اور سب کراچی کے علاقوں اورنگی، کورنگی اور لانڈھی میں آباد ہیں۔

(باقی صفحہ نمبر 89 پر)

[2] اراکان راکھین کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس کا استعمال استعماری دور میں عام ہوا۔ لیکن چونکہ راکھین اس صوبے کی بدھ مت قوم کا نام بھی ہے جبکہ اراکان میں مسلمان روہنگیا قوم بھی بستی ہے اس لیے ہم اس تحریر میں اراکان کا نام ہی استعمال کریں گے۔

اس تحریر میں چند ایسے واقعات ہیں جو مجھے کبھی نہیں بھولتے ان میں سے چند تو میرے ساتھ پیش آئے یعنی میں نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور چند دوسروں سے سنے۔ یہ واقعات کسی خاص موضوع سے تعلق نہیں رکھتے: ان میں مجاہدین کے ایثار، بہادری، تقویٰ وغیرہ کے واقعات ہیں، چند انصار کے مہاجر مجاہدین کے ساتھ محبت کے قصے ہیں اور چند کافروں کے مظالم کی داستانیں بھی۔ بس ملے جلے واقعات ہیں، اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس تحریر کو اپنے حضور قبول فرمالے، آمین۔ (ابرار احمد)

مولانا حنیف شہیدؒ

میں مولانا حنیف رحمہ اللہ کے ساتھ افغانستان میں ایک سفر میں تھا۔ ان دنوں میں سفر کافی مشکل ہوا کرتا تھا اور سفر دشتوں میں اور صحراؤں میں ہوتا تھا۔ ڈبل کیبن ڈالے کے پیچھے مجاہدین بیچارے کافی مشکل سے ایک علاقے سے دوسرے علاقے جاتے تھے، سیٹ پہ جگہ کافی مشکل سے ملتی تھی۔ پانچ دن کا سفر ہم نے موٹر سائیکل پر کیا، مزید آگے گاڑیوں پر جانا تھا۔ ہم کُل چار ساتھی تھے، دو ساتھیوں کو تو ہم نے پہلے روانہ کر دیا کیوں کہ ایک ایک ساتھی کی ترتیب بن رہی تھی وہ دو ساتھی عیسیٰ اور موسیٰ شہید تھے۔ یہ دونوں بھائی اپنے ایک تیسرے بھائی اور والدہ سمیت ایک امریکی چھاپے میں شہید ہوئے اور ان کا چھوٹا بھائی بھی ان سے کچھ عرصہ پہلے ہی شہید ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی شہادتیں قبول فرمائے، آمین۔ ان دونوں کو ہم نے الگ الگ گاڑیوں میں روانہ کر دیا۔ اب میں اور مولانا حنیف بچ گئے۔ اگرچہ جانا ہم نے بھی علیحدہ علیحدہ ہی تھا مگر ہماری قسمت کہ ایک ہی گاڑی میں ہمیں جگہ مل گئی۔ سفر رات کا تھا اور ٹھنڈ بھی کافی زیادہ تھی۔ ایک سیٹ بھی خالی تھی اور ایک بندے کو پیچھے بیٹھنا تھا۔ مولوی حنیف مجھ سے کہنے لگے یار سیٹ پر تو میری طبیعت خراب ہوتی ہے، شکر ہے پیچھے بھی جگہ ہے۔ ایسا کریں آپ آگے بیٹھ جائیں، میں پیچھے بیٹھ جاتا ہوں۔

ڈالے میں پیچھے بیٹھنا وہ بھی سردی میں کافی مشکل ہوتا ہے اور گاڑی بہت تیز بھی چلتی ہے۔ دشت میں کبھی کسی جمپ پر پیچھے سے بندہ گر بھی سکتا ہے۔ اس طرح ایک بندے کو گرتا ہوا میں نے خود دیکھا جب میں ایک صحرائی لینڈ کروزر میں سفر کر رہا تھا۔ ہمارے آگے بھی ایک صحرائی لینڈ کروزر تھی، اور سفر صحرا میں تھا۔ آگے والی گاڑی بہت تیز جا رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے گاڑی ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ ہم تھوڑا سا آگے گئے تو ایک آدمی کو دیکھا، اس نے ہمیں ہاتھ سے اشارہ کیا۔ صحرا میں ڈاکوؤں کی وجہ سے کوئی گاڑی بھی نہیں روکتا، لیکن میں نے اس آدمی کو پہچان لیا۔ میں نے ڈرائیور سے کہا کہ یہ تو اگلی گاڑی میں تھا، ڈرائیور نے گاڑی روک دی اور پیچھے واپس اس کی طرف گیا۔ جب اس سے پوچھا کے یہاں کیوں کھڑے ہو تو اس نے کہا کے اگلی گاڑی والا اتنی سپیڈ میں تھا کہ ایک جمپ پہ میں گر گیا اور ڈرائیور کو اندازہ بھی نہیں ہوا۔ وہ بیچارہ زخمی بھی تھا لیکن ریت پے گرنے کی وجہ سے اتنے زیادہ زخم نہیں تھے۔

یہ واقعہ درمیان میں اس لیے سنا رہا ہوں کہ اندازہ ہو کہ پیچھے ڈالے میں بیٹھنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ اگر بندہ اپنے آپ کو مضبوطی سے نہ پکڑے تو گرنا لازمی ہوتا ہے۔ خیر مجھ سے جب مولانا نے کہا کہ آپ آگے بیٹھ جائیں کیونکہ میرے لیے آگے بیٹھنا مشکل ہے تو میں بھی آگے بیٹھ گیا کیونکہ میرے لیے اس سے زیادہ اچھی بات کیا تھی کہ اتنا مشکل سفر اتنی آسانی سے گزر جائے حالانکہ مجھے مولانا سے پوچھنا چاہیے تھا کہ 'مشکل ہوتی ہے' سے مراد آپ کی کیا ہے۔ میں نے بھی ڈنڈی ماری اور موقع غنیمت جانتے ہوئے آگے بیٹھ گیا۔ جب سفر شروع ہوا تو شروع میں تو دشت تھا اور ہوا بھی اتنی زیادہ نہیں تھی۔ تھا تو گرمیوں کا موسم لیکن گرمیوں میں بھی صحرا کی راتیں بہت ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ جب صحرا کا سفر شروع ہوا تو ریت کا طوفان شروع ہو گیا۔ ہم جب راستے میں رکے تو میں نے نہ چاہتے ہوئے مروت میں ایک بار مولانا سے کہہ دیا کہ مولانا صاحب آپ آگے آ جائیں۔ مولانا کہنے لگے نہیں یار سیٹ پہ مجھے مشکل ہوتی ہے۔ سفر پھر شروع ہوا اور میں ایک بار پھر آگے سیٹ پہ تشریف فرما ہو گیا۔ یہ تھے بھی رمضان کے دن اور ہمارا سحری کا وقت بھی سفر میں ہی کٹا۔ روزہ تو ہم دونوں نے نہیں رکھا کیونکہ اگلا دن بھی سفر کرنا تھا اور وہ بھی صحرا میں۔

ہم مجاہدین کی ایک زنجیر (چیک پوائنٹ) پہ پہنچے، وہیں سے ہمیں دوسری جگہ کی گاڑی ملنی تھی۔ ادھر ہم نے ناشتہ بھی کیا جس کا انتظام ادھر موجود مجاہدین نے ہی کیا کیونکہ ان کو اندازہ تھا کہ آگے جو ہمارا سفر تھا اس میں روزہ رکھنا بہت مشکل تھا۔ ناشتے کے بعد ہماری گاڑی کا انتظام بھی ہو گیا اور اتفاق سے اس میں دو سیٹیں موجود تھیں۔ میں نے مولانا صاحب سے کہا کہ حضرت آپ تو پیچھے بیٹھیں گے، حالانکہ اس میں دو سیٹیں موجود ہیں۔ مولانا کہنے لگے؛ نہیں یار! میں آگے ہی بیٹھوں گا۔ میں نے حیرت سے کہا؛ آپ نے تو کہا تھا......... میرا جملہ ابھی ادھورا ہی تھا کہ مولانا اپنے خاص انداز میں کہنے لگے؛ اچھا بس بس ابھی زیادہ باتیں نہیں کرو۔ میں نے کہا؛ نہیں حضرت! یہ تو اچھی بات نہیں ہے، آپ نے ایسا کیوں کہا اور پوری رات پیچھے بیٹھ کے گزاری۔ آپ نے تو کہا تھا مجھے سیٹ پہ مشکل ہوتی ہے۔ مولانا کہنے لگے: میں نے جھوٹ تو نہیں بولا میرا بھائی پیچھے تکلیف میں ہو اور مجھے مشکل نہ ہو یا میری طبیعت خراب نہ ہو...... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ واقعی مولانا نے جھوٹ تو نہیں کہا تھا۔

مولانا سلمان (مولانا حنیف) جیسا ایثار کم لوگوں کو ہی نصیب ہوتا ہے اور جس انسان کی نظر فقط آخرت پر ہو تو اس کے سامنے دنیا کی تکالیف کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ وہ بندہ اپنے رب کی محبت میں سب کچھ برداشت کرتا جاتا ہے۔ اور آخر اس کی آزمائش کی گھڑیاں ختم ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی جنتوں میں بلا لیتے ہیں۔

مولانا سلمان کا ایک اور واقعہ بھی آپ لوگوں کو سنائے دیتا ہوں۔

ہم لوگ ایک علاقے میں تھے جہاں کے مسئول مولانا سلمان تھے۔ اس علاقے میں چار یا پانچ مراکز تھے اور ان میں کچھ ساتھیوں کے مسائل تھے۔ کچھ فتنہ پرور لوگوں کی وجہ سے ماحول کافی خراب تھا اور غیبت جیسی بیماری کچھ لوگوں کی وجہ سے مراکز میں عام ہونے لگی۔ یہ سطور لکھنا میرے لیے کافی مشکل ہے لیکن کیا کروں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جہاد میں کچھ ایسے کردار بھی ہوتے ہیں جن کا سارا وقت مجاہدین کے بیچ پھوٹ ڈالنے میں صرف ہوتا ہے اور وہ اس کو دین کی خدمت سمجھ کے کر رہے ہوتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہر دور میں ایسے لوگوں کی سازشوں کو بے نقاب کرتے ہیں اور ان لوگوں کا جہاد کا لبادہ بھی اتار کے پھینک دیتے ہیں جس سے انہوں نے اپنے آپ کو چھپایا ہوتا ہے کیونکہ وہ اللہ کے اولیا سے دشمنی مول لیتے ہیں۔ جب کوئی کسی اللہ کے ولی سے دشمنی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے مقابلے میں خود آتے ہیں اور جس کے مقابلے میں میرا رب آجائے تو ذلت اور رسوائی اس کا مقدر ہوتی ہے۔

تو ایک دن ہم ایک مرکز میں بیٹھے تھے اور مولانا بہت دکھی تھے۔ مجھ سے مولانا کہنے لگے: آپ سے ایک بات کرنی ہے۔ ہم دونوں مرکز کے پیچھے ایک باغ میں چلے گئے۔ مولانا نے مجھے گلے لگایا اور بچوں کی طرح رونے لگے اور کہا کہ یار ساتھی کیوں اس طرح کرتے ہیں، آخر میں نے کیا برا کیا ہے ان لوگوں کے ساتھ، یہ لوگ کیوں اس طرح جہاد کو بدنام کرتے ہیں اور میں نے جو کام کیا نہیں ہے وہ مجھ سے منسوب کر رہے ہیں۔ میں نے مولانا سے کہا: مولانا! ان لوگوں کو سزا دینی چاہیے۔ تو پھر ایک دم کہنے لگے کہ نہیں یار! یہ سب لوگ بیوقوف ہیں۔ اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا۔ ہم نے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد مولانا نے سب سے کہا کہ نماز کے بعد بیٹھے رہیں، میں نے چھوٹی سی بات کرنی ہے۔ پھر مولانا ساتھیوں سے گویا ہوئے کہ مجھ سے کسی کو کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟...... سب نے نفی میں سر ہلایا۔ پھر مولانا کہنے لگے کہ آج آپ لوگوں کو اللہ کا واسطہ دے کے کہتا ہوں، اگر آج کے بعد میرے بارے میں کوئی بری بات کرے تو برائے مہربانی مجھے نہ بتائیں، اگر میرے اندر وہ کمزوری ہو تو میری اصلاح کی کوشش کریں یا مجھے وہ ساتھی خود آکے بتادے کہ مولانا آپ میں یہ مسئلہ ہے، لیکن اگر میری کوئی غیبت کرے یا مجھے برا بھلا کہے تو آپ لوگوں کے آگے جھولی پھیلاتا ہوں مجھے نہ بتائیں۔

پھر مولانا دو ساتھیوں سے مخاطب ہوئے جو آپس میں بات چیت نہیں کر رہے تھے۔ ان کو بھی کسی فتنہ پرور نے آپس میں لڑوایا تھا۔ مولانا ان سے کہنے لگے؛ میں کافی دنوں سے محسوس کر رہا ہوں کہ آپ لوگ آپس میں بات چیت نہیں کر رہے حالانکہ آپ لوگوں کو علم ہے کہ تین دن سے جو زیادہ بات نہ کرے اس کا اسلام میں کیا حکم ہے، پھر آپ لوگ مجاہد ہیں...... بس مجھے کچھ نہیں سننا، اٹھو اور ایک دوسرے کو گلے لگاؤ۔ ایک ساتھی تو فوراً اُٹھ گیا، دوسرا تھوڑا سا تذبذب کا شکار ہوا۔ تو مولانا نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ لیے کہ اللہ کا واسطہ دیتا ہوں اپنے بھائی کو گلے لگا لو اور اللہ کو ناراض نہ کرو۔ وہ ساتھی بھی اٹھا اور دونوں آپس میں بغل گیر ہو گئے۔ ہم سب نے ماشاءاللہ کی صدا بلند کی اور پھر مولانا نے دعوت کا اعلان کیا جس سے ایک بار پھر فضا میں اللہ اکبر کی صدا گونجی۔ مولانا سلمان اس طرح ساتھیوں کو خوش کرتے، ہنستے ہنساتے اپنے رب کے پاس پہنچے۔ اللہ تعالیٰ مولانا سے راضی ہو، آمین!

ایک اور واقعہ جو مجھے مولانا سلمان رحمہ اللہ نے ہی سنایا، وہ بھی آپ لوگوں کو سناتا ہوں۔ یہ واقعہ علامہ غازی عبدالرشید شہیدؒ کے متعلق ہے۔ مولانا سلمان جامعہ فریدیہ سے فارغ التحصیل تھے۔ غازی صاحب کے ساتھ ان کا بہت قریبی تعلق تھا کیونکہ مولانا مدرسے میں ایک کشمیری جہادی تحریک کے بہت فعال کارکن تھے۔ اور مولانا صاحب دعوت کے معاملے میں بہت متحرک تھے۔ یہ تو ممکن ہی نہیں تھا کہ مولانا کسی بندے کے ساتھ تھوڑا سا وقت گزاریں اور اسے جہاد کی دعوت نہ دیں۔ اس لیے غازی صاحب ان سے بہت محبت کرتے تھے اور ان کو غازی صاحب کی صحبت میں رہنے کا بہت موقع ملا۔

مولانا ایک دفعہ غازی صاحب کی سادگی اور زہد کا تذکرہ کر رہے تھے۔ کہنے لگے کہ ایک دن غازی صاحب کہیں کام کے لیے گئے ہوئے تھے، رات میں کافی دیر ہو گئی۔ جب واپس آئے تو مجھے بلایا اور کہا یار 'ڈیروی' کھانے کے لیے کچھ ہے؟...... میں نے کہا: استاد جی! میں مطبخ میں جا کے دیکھتا ہوں۔ کہنے لگے؛ چلیں میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ ہم دونوں گئے تو تھوڑے سے ٹھنڈے چاول اور خشک روٹی رکھی ہوئی تھی۔ میں نے کہا؛ استاد جی! رکیں میں باہر سے کچھ لے کے آتا ہوں، ادھر تو کچھ بھی نہیں ہے۔ غازی صاحب نے کہا؛ کیوں جی؟...... یہ کھانا ہے ناں۔ میں نے کہا: غازی صاحب! یہ تو کھانے کے قابل نہیں ہے، چلیں میں باورچی کو بلاتا ہوں، وہ کچھ بنا دے گا۔ غازی صاحب کیسے کسی کو تکلیف دے سکتے تھے...... کہنے لگے: نہیں ڈیروی! میں یہ کھا لوں گا۔ اور خود ہی چاول پلیٹ میں نکالے اور خشک روٹی کے ساتھ کھانے لگے۔ پھر مجھ سے کہنے لگے: مولانا! آپ بھی کھائیں، بہت مزے کا لگ رہا ہے۔ مولانا سلمان کہتے ہیں کہ میں نے مروت میں لقمہ منہ میں تو ڈال لیا لیکن نگلنا میرے لیے آزمائش بن گیا، خیر کسی طرح میں نے نگل ہی لیا لیکن غازی صاحب تو اس سادہ سے کھانے کو ایسے کھا رہے تھے جیسے اس کے عادی ہوں۔ یہ تو حقیقت ہے اللہ والوں کی نظریں اس دنیا کی پُر آسائش زندگی پر نہیں ہوتیں کیونکہ ان کی وسعتِ نظر ان کو اس دنیا میں دل نہیں لگانے دیتی۔ غازی صاحب اور مولانا سلمان ان شاءاللہ رب کی جنتوں میں خوش و خرم ہوں گے کیونکہ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بہترین نعمت شہادت سے نوازا اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے محبت کی وجہ سے مجھے بھی جنتوں میں ان سے دور نہیں کریں گے، آمین!

☆☆☆☆☆

قیمتی

حافظ صہیب غوری حفظہ اللہ

مضمون ہٰذا تین سال قبل کا تحریر کردہ ہے۔ (ادارہ)

آیئے! آج امتِ مسلمہ کے ایک ایسے بیٹے کی داستان پڑھتے ہیں کہ جس نے اپنی جوانی کو اس امت کی سربلندی کے لیے گھلا دیا۔ جس نے دنیا کی پستیوں کو ٹھکرایا اور آخرت کی بلندیوں کی تلاش میں جنگلوں، پہاڑوں اور دشتوں سے گزرتا ہوا بالآخر اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر گیا۔ ایک ایسے زمانے میں کہ جب اس کے ہم عمر نوجوان دنیاوی مستقبل کو حسین بنانے کے منصوبے بناتے ہیں، وہ اپنے حقیقی مستقبل، ابد الآباد کی زندگی کے کیریئر کی تعمیر میں مگن تھا۔ اسلام کی لیلیٰ کا حقیقی عاشق، جس نے دنیا کی لذتوں کو اپنے پاؤں کی ٹھوکر پر رکھا اور جفاکشی، سخت جانی اور اعلیٰ عزم کو اپنا شعار بنا کر موت کی وادیوں میں کود کود کر اپنی آتشِ عشق کو بڑھکاتا رہا۔ یہ ایک ایسے عاشق کی کہانی ہے کہ جسے اپنے رب کو راضی کرنے کا عشق تھا، اپنے دین کو غالب کرنے کے لیے مچلتا تھا اور اس راہ میں اپنا سب کچھ قربان کرنے پر ہر دم تیار رہتا تھا۔ اس نوجوان کے کردار میں جوانی کی دہلیز میں قدم رکھنے والے ہر لڑکے کے لیے اسوہ ہے کہ آیا وہ دنیا کی ریل پیل اور چمک دمک کو اپنا ہدف و مقصد بنائے اور 'ٹین ایج' کے ہلوں گلوں میں اپنی جوانی گزار ڈالے یا پھر اپنے جواں عزم و ہمت کو امتِ مسلمہ کو عروج دلانے اور اپنے لیے آخرت کی رفعتوں اور عزتوں کی تلاش میں کھپا ڈالے۔

خالد سے تعارف

یہ سن ۲۰۱۴ء کے موسمِ بہار کا ذکر ہے۔ ابھی پاکستانی فوج نے وزیرستان کے ظالمانہ آپریشن کا باقاعدہ آغاز نہیں کیا تھا۔ میران شاہ میں امیر المجاہدین مولانا عاصم عمر نے مجھے حکم دیا کہ میں ایک بھائی سے ملاقات کروں جس کا نام خالد ہے۔ امیر محترم نے بتایا کہ یہ نوجوان مجاہد سمجھدار اور باہمت ہے اور انٹرنیٹ اور رابطہ کاری کے دیگر وسائل کے استعمال میں بھی آپ کی مدد کر سکے گا۔ تعمیلِ حکم میں میران شاہ کے قصبے ڈانڈے درپہ خیل کی ایک چھوٹی سی مسجد میں میری خالد سے ملاقات ہوئی۔ میرے تصور میں ایک چھوٹے سے نوجوان کا نقشہ تھا کہ جسے ابھی جہاد فی سبیل اللہ کے تفصیلی موضوعات کو سمجھانا ہو گا اور کام کرنے کے لیے اس کی ہمت بڑھانی ہو گی۔ ملاقات میں، خالد کی سنجیدگی سے میں بہت متاثر ہوا اور اس کے حوصلے اور پختہ عزم سے بھی۔

ملاقات سے قبل اس کے ذہن میں تھا کہ شاید اسے اپنے گھر بھجوایا جائے کیونکہ ایک تو اس کے گھر میں اس کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور دوسرا یہ کہ اسے گھر سے آئے ہوئے کافی عرصہ بھی ہو گیا تھا۔ میں نے بھی اس سے کہا کہ گھر کا چکر لگانا ہے تو لگا لو کیونکہ ایک دفعہ جب کام شروع ہو گیا تو کام کی نزاکتوں اور ضروریات کی وجہ سے شہروں کی طرف جانا مشکل ہو جائے گا۔ مگر خالد نے پختہ لہجے میں کہا کہ نہیں ابھی کام کی ضرورت ہے اور میں جہاد کی ضرورت کو ہر حال میں ترجیح دوں گا۔

یہ خالد سے میری پہلی ملاقات تھی۔ اس کے بعد سے لے کر ۲۰۱۷ء کے موسمِ بہار تک، مستقل تین سال تک اللہ نے مجھے سفر و حضر میں، قتال و رباط میں، روز و شب اپنے اس ولی کی رفاقت کا شرف بخشا۔ اس چھوٹے سے نوجوان نے اس عرصے میں مجھے اپنے اعلیٰ اخلاق، اپنی اجلی سیرت و کردار، اپنی اولو العزمی، اپنی شجاعت، اپنی زندہ دلی اور اپنی انتھک محنت سے ایسا متاثر کیا کہ اس کی شہادت کے بعد لگتا ہے کہ جیسے:

ع وہ ایک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

اس کی رفاقت و صحبت ہر مرکز اور ہر محاذ پر اپنا اثر ڈالتی۔ وہ جہاں ہوتا اخلاص و اصلاح کا پیکر ہوتا، سراپا خیر ہوتا، نیکیوں کو پھیلاتا اور خرابی کو مٹا ڈالتا۔ آج اس کو ہم سے بچھڑے پورے پانچ سال بیت چکے ہیں، مگر آج بھی جب کوئی مشکل پیش آتی ہے تو خالد کی یاد آتی ہے اور دل سے آہ نکلتی ہے کہ 'إنّا علی فراقک یا خالد! لمحزونون' کہ "اے خالد! ہم تیرے فراق پر بڑے غمگین ہیں"۔ امت کا یہ 'قیمتی' ہیرا ۲۰۱۷ء کے موسمِ بہار میں محاذِ جنگ کی طرف بڑھتے ہوئے امریکیوں کے ایک ڈرون حملے میں اپنی مراد کو پا گیا، دینِ حق پر قربان ہو گیا، اسلام پر کٹ کر ہمیشہ کے لیے امر ہو گیا۔ نحسبه كذالك ولا نزكي على الله احدا۔ خالد ایسی حالت میں شہید ہوا کہ اس کی سواری بھی جل کر راکھ ہو گئی اور اس کے جسم کے بھی ٹکڑے میدان میں بکھر گئے۔ حدیث کے مطابق وہ شہید افضل شہید ہے کہ جو خود بھی کٹ جائے اور اس کی سواری بھی ختم ہو جائے۔ اللہ خالد سے راضی ہو اور اسے جنت الفردوس میں انبیاء کرام علیہم السلام کا ساتھی بنائے، آمین۔

حقیقی مجاہد کے اوصاف

اس سے پہلے کہ خالد کی باتیں کریں، پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو احادیث کو پڑھتے ہیں جن میں ان مجاہدین کی صفات بیان کی گئی ہیں جن سے اللہ راضی ہوتا ہے اور جن کا جہاد قبول ہوتا ہے۔ یہ دونوں احادیث ایک مجاہد کے لیے راہِ عمل ہوتی ہیں اور ان میں بتائے گئے اعمال کو بجالانے کی اور روکے گئے ہر عمل سے بچنے کی ہر حقیقی مجاہد کوشش کرتا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”جہاد دو طرح کا ہے۔ ایک وہ جہاد ہے جو رضائے الٰہی کی خاطر کیا جاتا ہے اور اس میں امام کی فرمانبرداری کی جاتی ہے اور بہتر سے بہتر مال اس میں خرچ کیا جاتا ہے، ساتھی کے ساتھ نرمی برتی جاتی ہے اور فساد سے پرہیز کیا جاتا ہے۔ پس ایسے جہاد میں تو سونا اور جاگنا بھی عبادت ہے۔ دوسرا جہاد وہ ہے جس میں فخر شامل ہو اور جود کھانے اور سنانے کی غرض سے کیا جاتا ہے جس میں امام کی نافرمانی ہو اور زمین میں فساد مطلوب ہو۔ ایسے جہاد کا کوئی اجر نہیں۔“[1]

دوسری حدیث میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”لوگوں میں سب سے اچھی زندگی والا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے اس کی پشت پر اڑ رہا ہو، اور جہاں دشمن کی آواز سنے یا مقابلے کا وقت آئے تو فوراً مقابلہ کے لیے اس جانب رخ کرتا ہو، اور موت یا قتل کی جگہیں تلاش کرتا پھرتا ہو۔“[2]

ان دونوں احادیث میں جو حقیقی مجاہد کی صفات بیان کی گئی ہیں، ان پر اگر میں نظر دوڑاؤں اور خالد کے کردار کو دیکھتا جاؤں تو وہ مجھے ان تمام صفات میں بہت ممتاز نظر آتا ہے۔ درج بالا احادیث کے مطابق ایک حقیقی مجاہد فی سبیل اللہ میں یہ صفات ہونی چاہیے:

1. اخلاص ہونا، ریاکاری اور شرکِ خفی سے بچنا اور ہر عمل محض اللہ کی رضا کے لیے کرنا۔
2. اطاعتِ امیر کرنا، خواہ حکم پسند ہو یا ناپسند ہو۔
3. اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔
4. ساتھیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا اور بدسلوکی اور جھگڑے سے بچنا۔
5. فتنے فساد سے دور رہنا۔
6. ہر وقت جنگ پر جانے کے لیے تیار رہنا۔
7. جہاں اسلام کو کوئی خطرہ ہو وہاں لپک کر پہنچنا۔
8. اپنی شہادت اور دشمن کی تباہی کی تلاش میں رہنا۔

وہ کون تھا؟

اس کا حقیقی نام ’یاسر‘ تھا۔ مغل خاندان سے تعلق کی وجہ سے اس کے نام کے ساتھ ’مرزا‘ بھی لگتا تھا۔ یوں اس کا نام ’یاسر مرزا‘ بنتا تھا۔ اس کا آبائی تعلق ضلع چکوال سے تھا مگر اس کا گھرانہ راولپنڈی میں مقیم تھا جبکہ اس کے بچپن کا بڑا عرصہ سعودی عرب میں گزرا۔ جہاد میں جب آیا تو وہ ’خالد‘ کہلایا اور اسی لیے ہم اسے اس مضمون میں ’خالد‘ ہی کہیں گے۔ خالد ابھی سترہ سال کا ہی تھا کہ قافلۂ حق میں شمولیت کے شوق میں وزیرستان ہجرت کر کے آگیا۔ پھر اٹھارہ سال کا ہو گا کہ اس سے میری شناخت ہوئی اور اکیس برس کو پہنچا تو سفر آخرت کی طرف روانہ ہوا۔ مگر اس مختصر سی عمر میں اپنے کمالات اور اعلیٰ صفات کی وجہ سے وہ اپنے سے عمر اور تجربے میں فوقیت رکھنے والوں کے لیے بھی نمونہ بنتا رہا۔ ذلک فضل الله يؤتيه من يشاء، یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے وہ دیتا ہے۔

’قیمتی‘

مجاہدین میں رواج ہے کہ ایک دوسرے کی پہچان کے لیے اور مخابروں[3] پر گفتگو کے لیے مختلف رمزی نام استعمال کرتے ہیں جنہیں ’تخلص‘ کہا جاتا ہے۔ وزیرستان میں تو یہ تخلصات بڑے دلچسپ اور انوکھے اپنانے کا رواج ہوتا تھا۔ انقلابی، سبحانی، ابدالی، تلوار، عزیزی، سیلاب، طوفان اور نہ جانے کیا کیا تخلص رکھے جاتے تھے۔ خالد چونکہ اپنی ہر صفت میں انوکھا تھا تو اس نے خود ہی مخابرے پر گفتگو کرنے کے لیے اپنا تخلص ’قیمتی‘ رکھ لیا۔ شروع میں تو سب یہ سن کر ہنسے کہ یہ بھی کوئی تخلص ہوا؟ کسی نے کہا کہ ’بھائی کس کے لیے قیمتی ہو؟‘ کسی نے کہا ’ہو گا اپنے ماں باپ کا قیمتی!‘۔ الغرض شروع میں تو یہ تخلص بڑا عجیب لگا مگر بعد میں خالد کے نام کا حصہ اور پہچان ہی بن گیا۔ کہنے کو تو یہ محض اس کا ایک تخلص تھا مگر حقیقت میں اس کی بہت پیاری صفت تھی۔ یقیناً خالد بہت ہی قیمتی تھا۔

موسیقی کی کلاس سے انکار

خالد ابھی چھوٹا ہی تھا تو گھریلو تربیت کی وجہ سے گناہوں سے نفرت اس کے مزاج میں بسی ہوئی تھی۔ وہ راولپنڈی کے ایک ایسے مشہور پرائیویٹ سکول میں پڑھتا تھا کہ جس کے ماحول میں بے دینی اور سیکولر نظریات چھائے ہوئے تھے۔ مگر خالد شروع سے ہی اپنے عزم میں پکا تھا اور اس کے مزاج میں کسی ناحق کے آگے جھکنا تو تھا ہی نہیں۔ خالد نے ہمیں خود بتایا کہ ابھی وہ تیسری جماعت میں تھا اور اس کی عمر محض آٹھ سال ہو گی کہ سکول میں موسیقی سیکھنے کے باقاعدہ پیریڈ کا آغاز ہوا۔ جب موسیقی کی کلاس کا وقت ہوا تو خالد نے صاف انکار کر دیا کہ میں موسیقی کی کلاس میں نہیں بیٹھوں گا۔ اس کی استانیوں نے پوچھا کہ کیوں نہیں بیٹھو گے؟ تو خالد نے معصومیت سے کہا کہ یہ ہمارے دین میں حرام ہے۔ جس پر اس کی استانی نے اسے بہت ڈانٹا اور ’مولویانہ ذہنیت‘ اور ’تنگ نظری‘ کی مذمت میں اس کو بہت سخت کوسا۔ مگر خالد اپنی بات پر ڈٹا رہا البتہ میڈم کی شدید ڈانٹ کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ رونا شروع

---

[1] سنن ابی داؤد

[2] سنن ابن ماجہ

[3] وائرلیس سیٹ

ہو گیا۔ خالد نے بتایا کہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ میری مسلمان میڈم تو مجھے ڈانٹتی رہیں اور میوزک کی کلاس میں شرکت کرنے پر مجبور کرتی رہیں مگر ایک عیسائی استانی کا دل خالد کی اس استقامت سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے خالد کی جان چھڑائی اور مسلمان استانی کو برا بھلا کہا کہ جب یہ بچہ اپنے دین پر عمل کرنا چاہتا ہے اور اس کے دین میں موسیقی سیکھنا حرام ہے تو پھر تم کیوں اسے اس کے دین کی مخالفت پر مجبور کرتی ہو۔ اس طرح خالد کی خلاصی ہوئی اور آٹھ سال کی عمر میں اس نے عیسائی خاتون کے دل میں اپنے عزم اور استقامت سے اسلام کا احترام ڈال دیا۔

مسلمانوں کے قاتلوں کو سلام نہیں کر سکتا

خالد کی جرأت و حوصلے اور اپنے دین پر اعتماد کا ایک اور واقعہ اس کی شہادت کے بعد علم میں آیا۔ خالد گیارہ بارہ برس کا تھا کہ ایک دعوت میں اس کے ایک عزیز نے جو کہ ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں کام کرتے تھے اپنے امریکی افسر سے خالد کا تعارف کراتے ہوئے خالد سے کہا کہ خالد! اِن سے ہاتھ ملاؤ۔ مگر خالد، جس میں بچپن ہی سے جہاد کا شوق اور مظلوم امتِ مسلمہ کا غم بسا ہوا تھا، نے بھری محفل میں صاف انکار کر دیا اور کہا کہ ''میں مسلمانوں کے قاتلوں کو سلام نہیں کر سکتا''۔

فیلڈ کا انتخاب

خالد، عمر میں تو چھوٹا تھا مگر ذہنی پختگی اس میں بہت زیادہ تھی۔ اس نے جہادِ فی سبیل اللہ کے مقاصد کو بہت اچھی طرح سمجھا ہوا تھا۔ وہ شریعت کے اس متفقہ مسئلہ کو سمجھ کر آیا تھا کہ جب کفار مسلمانوں کی سرزمینوں پر حملہ آور ہو جائیں تو پھر مسلمانوں کے لیے جہاد سے دور رہنا جائز نہیں بلکہ ایسی حالت میں اپنی تمام صلاحیتوں اور طاقتوں کو کفار کے خلاف جہاد میں لگانا ایک مسلمان پر فرض ہو جاتا ہے۔ خالد نے اعلیٰ نمبروں سے 'اے لیولز'[1] کا امتحان پاس کیا اور اس کے پاس یونیورسٹیوں میں داخلے کے امکانات بہت روشن تھے۔ بعض احباب کی خواہش تھی کہ خالد میڈیکل کی فیلڈ میں جائے اور ڈاکٹر بنے اور پھر اس طرح اسلام اور مجاہدین کی خدمت کرے، کیونکہ یہ تو حقیقت ہے کہ محاذِ جنگ پر ڈاکٹروں کی ضرورت تو ہوتی ہی ہے۔ مگر خالد کی خواہش تھی کہ ایک دفعہ مجاہدین کی صف میں شامل ہو جاؤں، امرائے جہاد کے ہاتھوں میں ہاتھ دے دوں اور اپنی زندگی جہاد کے لیے وقف کر دوں، پھر اس کے بعد امراء مجھے جس کام کے لیے بھی بھیجیں میں اس کے لیے تیار رہوں گا۔ خالد کی ذہانت اور اعلیٰ صلاحیتوں کو دیکھ کر بعض مجاہدین کی بھی خواہش تھی کہ خالد کو ڈاکٹر بنانے کے لیے شہروں میں واپس بھیجنا چاہیے۔

مگر خالد کی خوبیوں اور اعلیٰ صفات پر غور کر کے امرائے جہاد نے یہی فیصلہ کیا کہ اسے میدانِ جہاد میں ہی رہ کر جہاد کو مزید سیکھنا چاہیے اور مجاہدین کے مختلف کاموں کو سنبھالنا چاہیے۔

یہاں مجھے خالد کے قریبی عزیز عمران بھائی شہید رحمۃ اللہ علیہ[2] کا مشورہ یاد آتا ہے کہ جن کے مشورے نے خالد کے مستقبل کے بارے میں فیصلے کو آسان کر دیا جو کہ انہوں نے مجھے خالد کے بارے میں دیا۔ عمران بھائی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے کہا کہ ''خالد میرے بیٹوں کی طرح ہے اور اس سے مجھے ایسی محبت ہے کہ جیسے ایک باپ کو بیٹے سے ہوتی ہے، میرے لیے خالد کا ایمان سب سے اہم ہے لہٰذا اس کے بارے میں وہی فیصلہ کرنا چاہیے کہ جو اس کے ایمان اور اس کی آخرت کے لیے بہتر ہو۔ میرے نزدیک یہ اہم نہیں کہ خالد کوئی بڑا کام کر پائے یا نہیں، بلکہ یہ اہم ہے کہ خالد کا اللہ سے تعلق کیسا ہے، اس کی نمازیں کیسی ہیں، اس کی تلاوت کیسی ہے، وغیرہ وغیرہ۔ پس جو فیلڈ خالد کی آخرت کے بارے میں زیادہ مفید اور محفوظ ہے اسی کو اختیار کرنا چاہیے۔''۔

توپ خانے کا استاد

خالد کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے امراء نے اس کا انتخاب بھاری اسلحے کے ایک تفصیلی اور خصوصی دورے[3] کے لیے کیا۔ اس کلاس کے استاد روس کے ایک مجاہد تھے۔ یہ روسی استاد ایک زمانے میں روس کی فوج میں توپ خانے کے شعبے سے منسلک رہے تھے، جس کی وجہ سے وہ توپ خانے میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ بعد میں ان استاد نے توبہ کر کے جہاد میں شمولیت اختیار کر لی اور روس اور پھر امریکہ دونوں طواغیت کے خلاف جہاد میں کردار ادا کیا۔

وزیرستان میں جمع ہو کر امتِ مسلمہ کے ایک ہونے کا احساس بہت بڑھ جاتا تھا۔ مسلمانوں کے مختلف خطوں سے آئے ہوئے مجاہدین کی قربت سے جہاں دنیا بھر میں مسلمانوں کے حالات و مشکلات کو جاننے کا موقع ملتا تھا، وہیں پوری دنیا میں جہاد کرنے اور کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کو غالب کرنے کا جذبہ بھی بڑھتا تھا۔ اس ایمانی ماحول میں کتنی دفعہ ایسا ہوتا کہ کسی کلاس میں ورزش کا استاد تُرک ہوتا اور اسلحے کا حجازی، بارود کا استاد شامی ہوتا تو برقیات کا پاکستانی۔ الغرض حرم کی پاسبانی کے لیے مسلمانوں کے ایک ہونے کا یہ منظر کتنا ایمان افروز ہوتا تھا اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے کہ جس نے اس حسین ماحول کی مہک سونگھی ہو۔

---

[1] A Levels: برطانوی تعلیمی درجہ جو کہ پاکستان میں بارہویں جماعت کے برابر شمار کیا جاتا ہے۔

[2] شہید عادل عبد القدوس جو کہ 'عمران بھائی' کے نام سے مجاہدین میں جانے جاتے تھے، پاکستانی فوج کے سابقہ میجر تھے۔ سن ۲۰۰۳ء میں عرب مجاہدین کی مدد کرنے کے الزام میں آپ کا کورٹ مارشل ہوا۔ ۲۰۰۹ء میں آپ چھ سال کی قید کاٹ کر رہا ہوئے اور پھر وزیرستان کی طرف ہجرت کر گئے۔ ۲۰۱۴ء میں پاکستانی فوج کے وحشیانہ آپریشن کے بعد آپ افغانستان کی سرحد پر موجود ایک بستی میں منتقل ہوئے جہاں پر امریکی چھاپے میں آپ شہید ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ خلوص و وفا، تعلق باللہ اور لازوال استقامت کی تصویر تھے۔ اللہ آپ سے راضی ہو۔ آمین!

[3] کلاس

خیر، خالد نے تفصیلی دورے میں شرکت کی۔ حساب کے پیچیدہ فارمولے تو اس کے لیے زیادہ مشکل نہیں تھے مگر مختلف زاویوں سے توپوں کو نصب کرنے کا عمل بہت ہی باریکی، صفائی اور محنت طلب کام ہوتا تھا۔ خالد نے بہت محنت سے اس دورے میں شرکت کی اور سیکھنے میں کافی نمایاں رہا، حالانکہ وہ شرکاء میں سب سے کم عمر تھا۔ دورے کے بعد تو خالد مجاہدین میں توپ خانے کے ماہر کے طور پر جانا جانے لگا۔ جہاں مجاہدین کو ضرورت ہوتی وہ وہاں پر پہنچ جاتا، مجاہدین کو توپ خانے کا استعمال سکھاتا اور عام طور پر کی جانے والی غلطیوں کی اصلاح کرتا۔ خالد اس بات پر بہت کڑھتا تھا کہ توپ خانے کو سیکھے بغیر چلانے سے بیت المال کے گولوں کا بھی ضیاع ہوتا ہے اور دشمن کو ہنسنے کا موقع بھی ملتا ہے۔ پس وہ ہر جگہ مجاہدین کو توجہ دلاتا کہ وہ توپ خانے کا تفصیلی دورہ کریں اور اس کی مشق کریں۔ خالد نے مجاہدین کی راہنمائی کے لیے توپ چلانے کے لیے بنائے گئے جدول[1] کی بھی اصلاح کی اور توپوں کے حساب کتاب کے پیچیدہ نظام کو آسان اور عام فہم بنانے کے لیے نئے نئے کلیے اور طریقے ایجاد کیے۔

انتھک محنت

جہاد میں اپنی جان کو گھلانے کا سبق میں نے خالد سے سیکھا۔ خالد کبھی جہاد کے کاموں سے نہیں تھکتا تھا۔ اس کے ذمے مجاہدین کے لیے رابطہ کاری کا کام لگایا گیا۔ اس مقصد کے لیے اسے پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھنا پڑتا اور کبھی دشمن کے علاقے کے بہت قریب جانا پڑتا۔ مگر خالد کسی کام سے نہ جھجکتا اور نہ ہی انکار کرتا۔ شدید ترین سردی میں اور برفباری میں بھی اس کے قدم نہ رکتے اور وہ منہ پر مفلر باندھ کر اور کندھے پر کلاشن کوف اور گلے میں اپنا تھیلا لٹکا کر پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف روانہ ہوجاتا تھا۔ تھکنا یا مایوس ہوجانا تو جیسے اس کو آتا ہی نہ تھا۔ خالد بہت ہی ناز و نعم میں پلا بڑھا بچہ تھا۔ مگر اپنے ایمان اور نظریے کی مضبوطی نے اسے چٹانوں سے زیادہ سخت بنادیا تھا۔ اس کے کام کی نوعیت کے لحاظ سے اکثر اسے سفر کرنے ہوتے تھے اور وہ بھی موٹر سائیکل پر۔ پہاڑوں پر مستقل موٹر سائیکل چلانا اچھے اچھے سورماؤں کو تھکا ڈالتا ہے۔ مگر جہادی کام کرنے کے لیے خالد کے کبھی ماتھے پر شکن بھی نہیں پڑتی اور وہ ''مشکل نہیں ہے'' کہہ کر اگلے سفر پر روانہ ہوجاتا تھا۔

خالد نہ ہی تھکتا تھا اور نہ ہی پریشان ہوتا۔ چھوٹی سی عمر میں اتنے لمبے لمبے سفر اور ویران دشتوں اور پہاڑوں پر تنہا راتوں میں بھی سفر کرنا مقامی افراد کو بھی حیرت میں ڈال دیتا تھا۔ صوبہ غزنی میں شدید سردیوں میں خالد مغرب کے وقت ہماری رہبری کرتے ہوئے ہمیں لے کر ایک انصار کے گھر پہنچا۔ غزنی کی سردی کی شدت کو لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ مغرب کی نماز کے بعد خالد نے کہا کہ میں واپس دو گھنٹے کے فاصلے پر اکیلا ہی پکتیکا جاتا ہوں، کیونکہ وہاں ایک مسجد میں ایک بھائی میرے انتظار میں ہوگا۔ سب نے اسے منع کیا مگر اس کا تو تکیہ کلام ہی ''مشکل نہیں ہے'' تھا۔ اتنی شدید سردی میں رات کو موٹر سائیکل پر سفر کرنا، وہ بھی اکیلے اور ایسے ویران دشتوں میں کہ جہاں سے گزرتے وقت دن میں بھی لوگ ڈرتے ہوں۔ خالد کے اس جذبے اور جرأت نے مقامی افغانیوں کو بھی ورطۂ حیرت میں ڈال دیا کہ کیسے یہ مجاہد اپنے ساتھی کا خیال رکھنے کے لیے اس سردی اور اندھیری رات میں اکیلے ہی اس مشکل سفر پر روانہ ہو رہا ہے۔

میں نے خالد کی اس صفت پر بہت غور کیا۔ کاموں کی کثرت سے ہر انسان تھک جاتا ہے۔ پھر تھکاوٹ کے اثرات کبھی کبھار چڑچڑاہٹ کی شکل میں ظاہر بھی ہوجاتے ہیں۔ ایسے میں اپنے مقصد سے شدید لگاؤ اور اللہ سے اجر کی امید انسان کو ثابت قدم اور مضبوط بنادیتی ہے۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ خالد اپنی نیت کی پاکیزگی میں بہت آگے تھا۔ دین کو غالب کرنے کی تڑپ اسے بیٹھنے نہیں دیتی تھی اور فرض کی ادائیگی کا احساس اسے مضبوط کردیتا تھا۔

فراغت شیوۂ مومن نہیں

خالد کو اس سے بہت چڑ ہوتی تھی کہ کوئی مجاہد فارغ بیٹھ کر اپنا وقت ضائع کرے۔ میں نے اس پورے عرصے میں کبھی اسے فارغ یا بیکار بیٹھے نہیں دیکھا۔ ایسا نہیں کہ سارا وقت ہی وہ سفر میں رہتا تھا۔ بعض اوقات حالات اور برفباری کی وجہ سے کئی ہفتے ایک جگہ پر ٹکنے کے بھی مل جاتے تھے۔ جب کبھی خالد کو فارغ وقت ملتا، وہ تلاوت کرتا، اذکار کرتا اور پھر اپنے مطالعے میں غرق ہوجاتا۔ مطالعے میں بھی یا تو عسکری فنون کے بارے میں پڑھتا اور اس حوالے سے مجاہدین کے لیے رہنمائی کے امور ڈھونڈتا یا پھر کسی تفسیر یا مسائل شرعیہ کی کتاب کا مطالعہ کرتا۔ شرعی مسائل جو پڑھتا تو اسے لکھ کر رکھ لیتا اور عمل کی باتیں نوٹ کرتا جاتا۔ پھر عربی زبان سیکھنے میں مصروف ہوجاتا، عربی سے فارغ ہوتا تو پشتو زبان کے اسباق شروع کردیتا۔ مطالعے سے فارغ ہوتا تو اپنے ہاتھ سے کسی اسلحے کی مرمت یا کسی لباس کی گانٹھ میں مصروف ہوجاتا۔ اس سے فارغ ہوتا تو لکڑی کاٹنے یا کسی تعمیراتی کام میں مصروف ہوجاتا۔ ہاں کبھی کبھار کچھ دیر وہ کسی گہری سوچ میں غرق رہتا اور جب اس سوچ و فکر سے نکلتا تو جہاد کو آگے بڑھانے کا ایک نیا منصوبہ اس نے سوچا ہوا ہوتا اور وہ اپنے ذمہ داروں کے سامنے پیش کرتا۔ بے کار بیٹھنا اور فارغ اپنا وقت ضائع کرنا اس کو نہ آتا تھا اور نہ ہی کسی ساتھی کو ایسا کرنے دیتا تھا۔ وہ ساتھیوں کو نصیحت کرتا تھا کہ اپنا وقت قیمتی بنائیں اور کچھ نہ کچھ سیکھتے رہیں کہ جو دین کے کام آسکے۔

سخت جان بلند ہمت

مجاہدین فی سبیل اللہ کی صف میں شمولیت خالد کا بچپن سے ہی ارمان تھا۔ اس مقصد کے لیے اس نے اپنے آپ کو سخت جان بنانے اور محنت و مشقت کا عادی بنانے کا کام اس وقت سے ہی

[1] Tables

شروع کر دیا تھا کہ جب وہ گھر میں تھا۔ اللہ نے اسے جسمانی طور پر مضبوط تو بنایا ہی تھا مگر اپنی محنت اور لگن سے اس نے اپنی جسمانی قوت پر اتنی توجہ دی تھی کہ دیہات اور پہاڑوں کی سخت زندگی گزارنے والے ساتھی بھی اس کا محنت و مشقت میں مقابلہ نہیں کر پاتے تھے۔

ابھی اس سے ابتدائی شناسائی ہی ہوئی تھی کہ ہمیں ایک جگہ مرکز بنانے کی ضرورت پڑی۔ میں نے خالد سے کہا کہ چھت بنانے اور بیت الخلاء وغیرہ کی تعمیر کے لیے کسی مستری کا بندوبست کرو۔ خالد کہنے لگا مشکل نہیں، یہ میں کرلوں گا۔ میں حیرت سے اس کا منہ تکنے لگا کہ یہ لڑکا ابھی شہروں کی نزاکتوں والی زندگی چھوڑ کر آیا ہے، یہ ریت اور گارے کا کام کیا جانے۔ مگر اس نے کہا کہ میں نے ایک اور مرکز میں بھی بیت الخلاء کی تعمیر کا کام کیا ہے اور مجھے سیمنٹ کرنا بھی آتا ہے۔ الغرض اس نے خود ہی سے کچھ اور بھائیوں کو جمع کرکے سارا تعمیراتی کام کرڈالا۔ اس کے بعد تو ہم جہاں گئے کہیں بھی مراکز میں تعمیراتی کام کرنا ہوتا، کمروں کی چھتیں ڈالنی ہوتیں، دیواریں کھڑی کرنی ہوتیں یا فرش پر سیمنٹ ڈالنا ہوتا، خالد ان کاموں میں سب سے آگے ہوتا۔

پامردیٔ مومن

اس کی محنت و مشقت کی انتہا تو اس وقت نظر آئی کہ جب اس نے خندقوں کی تعمیرات شروع کیں۔ خندق میں کدال چلانے کا کام سب سے مشکل کام ہوتا ہے جس کے لیے مضبوط جسم والا ساتھی درکار ہوتا ہے۔ خالد بڑے عزم اور جذبے سے خندقوں کو کھودا کرتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ مجاہدین کی حفاظت کے لیے ہمیں ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے اور اس میں تھکنا نہیں چاہیے۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں بھی وہ طویل خندقوں کی کھدائی میں مشغول تھا۔ مٹی میں اٹا ہوا وہ اس کام میں منہمک رہتا تھا اور کوئی ساتھ دے یا نہ دے وہ بیلچہ اور کدال پکڑ کر سخت پہاڑوں کو تراشنا شروع کر دیتا تھا۔ اسی دوران وہ ساتھیوں کے ساتھ دل لگی اور ہنسی مذاق بھی کرتا تاکہ یہ مشکل کام خوش گواری کی وجہ سے آسان نظر آئے۔ خندق کی تعمیر کے آخری دنوں میں ایک دفعہ کدال کی چوٹ لگنے سے ایک پتھر اچھل کر اس کے پاؤں پر لگا جس سے اس کا پاؤں کافی زخمی ہوگیا۔ پاؤں کے زخم کی وجہ سے جب اسے امیر کی طرف سے آرام کرنے کا کہا گیا تو اس نے ضد کرکے ساتھیوں کی خدمت اپنے ذمہ لے لی۔ علی الصبح اٹھ کر وہ آٹا گوندھتا، ساتھیوں کے لیے پراٹھے بناتا، خندق میں کام کرنے والوں کے لیے شربت اور چائے فراہم کرتا رہتا اور ان کے لیے مزیدار کھانے بناتا۔

مزیدار کھانے بنانے سے یاد آیا کہ خالد جب ساتھیوں کے لیے کھانا بناتا تو بہت ہی محنت اور توجہ سے بناتا، ویسے بھی جہاں خالد ہوتا بالعموم وہاں پر کھانا وہی بناتا۔ ساتھیوں کا خیال رکھنے اور ان کو خوشی دینے کا جذبہ کھانا بناتے وقت اس پر سوار ہوتا۔ خالد اتنے مزے دار کھانے بناتا کہ ایک بھائی نے کہا کہ میں نے دنیا کے کئی ملکوں میں کھانا کھایا ہے لیکن جتنا لذیذ کھانا خالد بناتا ہے ویسا کہیں نہیں کھایا۔

محاذوں کے لیے مچلنے والا

خالد کی صفتِ شجاعت بہت متاثر کن تھی۔ خوف اور گھبراہٹ کا اثر اس پر نظر نہیں آتا تھا۔ میدانِ جنگ سے اس کے لگاؤ کے لیے محض لفظِ 'محبت' کافی نہیں۔ جب اسے علم ہوتا کہ کہیں مجاہدین جنگ کے لیے جا رہے ہیں تو وہ مچلنا شروع ہو جاتا۔ اس پر ایسی کیفیت طاری ہو جاتی کہ جیسے وہ نشے میں ہے اور اپنے قابو سے باہر ہے۔ جانے کی اتنی ضد کرتا کہ جنگ سے روکنا اسے مشکل ہو جاتا۔

یہ ۲۰۱۵ء کی بات ہے۔ صوبہ پکتیا کے فلک بوس پہاڑوں میں سے گزرتے ہوئے ایک سہ پہر ہم 'دریائے منگل' کے کنارے ایک بستی میں پہنچے۔ ہمارا سفر طویل تھا اور ہمیں یہاں سے گاڑی کا بندوبست کرکے اگلے صوبے کی طرف جانا تھا۔ گاڑی کے انتظار میں ہم ایک حجرے میں جا بیٹھے۔ اچانک ہمیں قریب سے گولہ باری اور فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ معلومات کرنے پر پتہ چلا کہ قریب میں مجاہدین نے دشمن کے قلعوں پر حملہ کیا ہوا ہے۔ یہ سننا تھا کہ خالد مچلنا شروع ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں نے بھی اس جنگ میں جانا ہے، کیا پتہ طالبان کو ہماری مدد کی ضرورت ہو۔ ہم نے سمجھایا کہ بھائی! ہم تو سفر پر جا رہے ہیں اور ہم تو یہاں صرف گاڑی کے انتظار میں ٹھہرے ہیں۔ مگر جس کا دل محاذ پر جانے کے لیے تڑپ رہا ہو اسے روکنا بہت ہی مشکل کام ہوتا ہے۔ خالد نے کہا کہ یہاں گاڑی کے انتظار میں رات گزارنی ہی ہے تو میں رات میں جنگ پر چلا جاتا ہوں اور اگر زندگی رہی تو صبح آجاؤں گا۔ ابھی یہ بحث جاری تھی کہ کارروائی میں شریک طالبان مجاہدین ہانپتے ہوئے آئے اور انہوں نے کہا کہ دشمن کے قلعے کے دروازے پر کچھ مجاہدین شہید ہوگئے ہیں اور کچھ زخمی ہیں اور دشمن نے انہیں گھیر لیا ہے، اب انہیں گھیرے سے نکالنے کی اس کے علاوہ کوئی سبیل سمجھ نہیں آتی کہ کوئی ماہر توپچی مارٹر توپ سے دشمن کے قلعے پر گولے برسائے جس کی وجہ سے دشمن اپنے مورچوں میں دبکنے پر مجبور ہو جائے اور مجاہدین اپنے شہداء کی لاشیں اور گھیرے میں پھنسے ہوئے ساتھیوں کو نکال سکیں۔ خالد کی تو سمجھیں دل کی آرزو پوری ہوگئی۔ اس کی تو بنیادی صفت ہی یہ تھی کہ جہاں بھی کہیں اسلام اور مسلمانوں کو ضرورت پڑی، اس کا بس چلے تو اڑ کر وہاں پہنچ جائے۔ خالد نے جلدی جلدی اپنا سامان سمیٹا اور ہماری نظروں کے سامنے دوڑتا ہوا اس پہاڑ پر چڑھتا گیا کہ جس پر مجاہدین برسرِ پیکار تھے۔ پھر اس نے مارٹر کے کچھ گولے ہی فائر کیے تھے تو اللہ کی نصرت آئی اور مجاہدین حصار میں پھنسے اپنے ساتھیوں کو نکالنے میں کامیاب ہوگئے۔

اسی طرح پکتیکا میں قیام کے دوران ایک دن خبر آئی کہ مجاہدین کے گاؤں کے قریب دشمن کی افواج نے پیش قدمی کی ہے۔ اس خبر کا سننا تھا کہ خالد کچھ ساتھیوں کے ساتھ موٹر سائیکلوں پر

نکلا اور دشمن کے علاقے کی طرف دیوانہ وار بڑھتا گیا۔ مجاہدین کی آمد کا سن کر دشمن نے پلٹ جانے میں ہی عافیت جانی۔

پکتیکا ہی میں دشمن نے طالبان پر رعب ڈالنے کے لیے اور محاصرے میں گھرے اپنے کیمپوں کو رسد پہنچانے کے ایک بڑے کانوائے[1] کو تیار کیا اور اسّی کے لگ بھگ ٹینکوں کا قافلہ لے کر اپنے کیمپوں کی طرف روانہ ہوا۔ مجاہدین کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے قلتِ وسائل کے باوجود ابرہہ کے اس لشکر کو روکنے کی ٹھانی۔ 'ہندی' نامی دشوار گزار پہاڑی سلسلے میں چند مجاہدین اپنے محدود اسلحے کے ساتھ دشمن کے لیے گھات میں بیٹھے۔ خالد بھی ان مجاہدین میں شامل تھا۔ اس کارروائی میں اللہ نے مجاہدین کو فتح دی، دشمن کے کئی ٹینک تباہ ہوئے اور پچاس کے قریب دشمن کے فوجی مارے گئے۔ خالد بہت جوش کے ساتھ اس کارروائی میں شریک ہوا اور تاک تاک کر دشمن کا نشانہ لے کر ان کا شکار کرتا رہا۔ کارروائی کے بعد خالد ملا تو خوشی سے اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ کہنے لگا کہ اپنے بھائیوں کا انتقام لے کر دل ٹھنڈا ہو گیا ہے۔ یاد رہے کہ اس کارروائی سے کچھ عرصے قبل ہی قندھار کے ضلع شوراَبک میں القاعدہ برصغیر اور طالبان مجاہدین کے مراکز پر امریکیوں نے حملہ کیا تھا، جس کے نتیجے میں سو سے زائد مجاہدین شہید ہوئے تھے۔ اس اندوہناک واقعے کے کچھ ہی عرصے بعد 'ہندی' کی اس کارروائی نے دوبارہ سے مجاہدین کے حوصلے مضبوط کر دیے۔

اسی طرح جب ۲۰۱۶ء میں طالبان نے افغانستان کے صوبہ ارزگان کے صدر مقام ترین کوٹ شہر پر دھاوا بولا اور ایمان و کفر کا ایک بڑا معرکہ برپا ہوا تو خالد اس میں بھی پیچھے نہ رہا۔ عین جنگ کے بیچ میں وہ محاذ پر دیگر بھائیوں کے ساتھ پہنچا اور سنائپر گن اور گرنیڈ لانچر کا دشمن کے خلاف استعمال کیا۔ پھر اللہ نے اس کو ترین کوٹ کی تاریخی فتح میں شرکت کی توفیق بھی بخشی کہ جب صلیبیوں کی چھاؤنی جو کہ 'نظم عامہ' کے نام سے مشہور تھی، فتح ہوئی اور طالبان کو بیسیوں ٹینکوں اور گاڑیوں سمیت کروڑوں کا سامان غنیمت میں وصول ہوا۔

اسی طرح پکتیکا کے ضلع 'اومنہ' پر جب طالبان نے حملہ کیا اور اسے فتح کیا تو اس فاتح لشکر کے سب سے اگلے دستے میں خالد موجود تھا۔ رات کی تاریکی میں خالد اپنی نائٹ وژن والی بندوق کے ساتھ دشمن کی پوسٹوں کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔ مگر دشمن پر اللہ نے رعب ڈالا اور وہ رات کی تاریکی میں شرمناک شکست کھا کر اپنے کیمپوں اور پوسٹوں کو چھوڑ کر فرار ہوا۔

ننھا سا خالد قتال فی سبیل اللہ کا عاشق تھا۔ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ وہ کسی کارروائی سے پیچھے رہ جائے اور اگر ایسا ہو جاتا تو اس کا غم کے مارے برا حال ہو تا۔ بعض ساتھی اس پر اعتراض کرتے کہ خالد کیوں ہر جنگ میں چلا جاتا ہے، تو خالد کہتا کہ بھائی تم بھی کوشش کر لو اور شوق کا اظہار کرو، امیر جنگ کے لیے اسی ساتھی کو لے جانے میں ترجیح دیتا ہے کہ جو اپنے جذبے اور شوق کا اظہار کرتا ہے۔ وہ محاذ پر جانے کے لیے ضد بھی اسی لیے کرتا تھا کہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ بھی نوجوان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اصرار کیا کرتے تھے کہ ہمیں ضرور جنگ میں جانے کا موقع دیں۔ بلکہ جس طرح ایک نوجوان صحابی رضی اللہ عنہ کو رسول پاک ﷺ نے ان کی نوعمری کی وجہ سے غزوے سے واپس بھیجنا چاہا تو انہوں نے مچل کر کہا کہ آپ کشتی کروا کر میری قوت کا اندازہ کر لیں کہ کیا میں جنگ میں جا سکتا ہوں یا نہیں؟۔ بالکل اسی طرح جب بھی کبھی ہم نے خالد کو کسی کارروائی سے روکنے کی کوشش کی تو اس نے فوراً اس کارروائی میں استعمال ہونے والے اسلحے اور دوسری ضروریات سے اپنی واقفیت بتا کر کارروائی میں شرکت کی ضد کی۔ یاد رہے کہ یہ ضد کسی تمغے کے حصول یا غنیمت کی چاہت میں نہیں ہوتی تھی بلکہ یہ تو موت کے منہ میں اور گولوں اور میزائلوں کی بارش میں جانے کی ضد ہوتی تھی۔ خالد جانتا تھا کہ محاذوں پر جانا جنت کے درجات کی بلندی کا باعث بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قربت کی سب سے اہم گھڑی وہ ہوتی ہے کہ جب اسلام اور کفر کا لشکر ٹکراتا ہے۔ محاذِ جنگ میں قیام کی ایک گھڑی اگلے اور پچھلے گناہ معاف کرا دیتی اور اللہ کی رضا دلاتی ہے۔

خالد نے محاذوں میں اپنے دل کی کیفیات ایک عزیز کے نام خط میں اس طرح بیان کیں:

> ”پچھلے دنوں رمضان میں کچھ کاموں[2] کا موقع بھی ملا۔ بہت مزہ بھی آیا۔ ہمارے کاموں کا تو عجیب نشہ ہوتا ہے۔ ابھی کام کے دوران گرج اور گونج سب سے محبوب آواز ہوتی ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہم سے اپنے دین کا کام لے لے۔ اپنے دشمن کو ذلیل کرے اور اپنے دوستوں کو فتح یاب کرے، آمین۔“

خالد پر محاذ پر جانے کی لگن اس طرح سوار ہوتی تھی کہ بعض اوقات کسی دوسرے کام کے لیے جاتے ہوئے اگر موقع مل جائے تو وہ جنگ پر جانے کے لیے کوئی بہانہ ڈھونڈ ہی لیتا تھا۔ ایک دن مجھے کہنے لگا کہ جہاں بھی ساتھی کارروائی کے لیے جائیں وہاں مجھے ضرور بھیجیے گا۔ میں نے کہا کہ بھئی کیوں؟ کہنے لگا کہ دراصل پچھلی دفعہ ایک کارروائی میں مجھے ڈر لگ رہا تھا۔ اب آپ کو چاہیے کہ میری تربیت کرنے کے لیے اور مجھ میں بہادری پیدا کرنے کے لیے مجھے بار بار کارروائی میں بھیجیں۔ میں اس کی دلیل اور شرکت کے بہانے کا سوچ کر مسکرا کر رہ گیا۔

اسی طرح ۲۰۱۴ء میں اسے افغانستان کے صوبہ ننگرہار کی طرف مجاہدین کے مواصلاتی کاموں کے لیے بھیجا گیا۔ ننگرہار کے جس گاؤں میں اس کا قیام تھا وہاں کے طالبان منظم نہیں تھے اور جہادی کاموں میں بھی سستی کرتے تھے۔ خالد گیا تو وہاں کسی اور کام سے تھا مگر جا کر ان کو ابھارنے لگا کہ تم کیوں اپنے علاقے میں مائن کاری نہیں کرتے اور کیوں کاموں میں سستی کرتے ہو۔ یوں اس نے طالبان کے ساتھ مائن کاری کی کارروائیوں میں شرکت شروع کر دی

---

[1] Convoy

[2] یعنی کارروائیوں

اور مجاہدین کا حوصلہ بڑھانا شروع کر دیا۔ بالکل اسی طرح ایک دفعہ اسے کابل کے قریب ایک علاقے میں کسی کام سے جانا پڑا۔ وہاں سے واپس آیا تو اپنے ذمے کا کام تو کر ہی آیا مگر ساتھ ساتھ اس علاقے میں دشمن کے کیمپ پر حملے کا منصوبہ بھی بنا آیا اور اس میں سب سے پہلے اپنا نام بھی لکھوا آیا۔

خالد کی بہادری، جنگ سے اس کی لگن، محاذوں سے اس کا عشق اور شہادت کی تمنا دوسرے ساتھیوں کے اندر بھی ایمانی آگ کو بھڑکاتی اور وہ جس مرکز میں جاتا وہاں آگے بڑھنے اور کبھی نہ تھکنے کا سبق چھوڑ کر آتا۔

خالد کی سیرت کے اس پہلو میں خالد کے ہم عمر امتِ مسلمہ کے اُن نوجوانوں کے لیے بڑا سبق ہے کہ جن کی زندگیوں کے قیمتی اوقات ویڈیو گیم کھیلنے، انٹرنیٹ کی تفریحوں اور لہو لعب میں صَرف ہوتے ہیں۔ خالد نے اس عمر میں اپنا شوق اور محبوب مشغلہ اپنے رب کی رضا کو پانے کے لیے میدانِ جنگ میں جانے کو بنایا اور بالآخر اپنی مراد کو پا گیا۔ خالد بالکل ان مجاہدینِ اسلام کی طرح تھا کہ جو اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہر اس مقام کی طرف اڑے جاتے ہیں جہاں پر اسلام کو ان کی ضرورت ہو۔

حسنِ خُلق کا پیکر

خالد کی شجاعت و بہادری کے بعد دوسری ممتاز ترین صفت اس کے اعلیٰ اخلاق تھے۔ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کامل اہلِ ایمان وہ ہیں جو کہ اعلیٰ اخلاق والے ہیں[1]۔ یہ بھی گزر چکا ہے کہ مجاہدین کا آپس میں حسنِ سلوک کا رویہ رکھنا جہاد کی قبولیت کی شرائط میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خالد کو اعلیٰ اخلاق کا پیکر بنایا تھا۔ دوسروں کا خیال رکھنے میں بہت منفرد تھا۔ کسی ساتھی کی تکلیف پر وہ تڑپ اٹھتا تھا اور اس وقت تک بے چین رہتا تھا جب تک اپنے بھائی کی مدد نہ کرلے۔ اپنے معصومیت بھرے انداز میں مجاہدین کے ہر خاندان کی خدمت کو اپنے لیے سعادت سمجھتا اور دوڑ دوڑ کر کرتا۔ کسی ساتھی کے گھر جائے تو وہاں پر اپنی خوشی سے کنویں سے پانی نکالتا اور لکڑیاں کاٹ کر دیتا۔ اور یہ سب کام کسی حکم کی تعمیل میں نہیں بلکہ محض مسلمان بھائی سے حسنِ سلوک کی نیت سے ہوتا تھا۔ ایک دفعہ مجھ سے کہنے لگا کہ مجھے بہت افسوس ہوتا ہے کہ بعض بھائی ایک دوسرے کی خدمت کو عار سمجھتے ہیں اور مجاہدین کے گھرانوں کے چھوٹے چھوٹے کاموں کو بوجھ سمجھتے ہیں، ہمیں چاہیے کہ ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں اور ہر بھائی کی مدد کریں، بالخصوص وہ مجاہد جو کہ کمزور ہوں، یا بیمار و زخمی ہوں یا پھر سفر پر ہوں وغیرہ، ان کے گھروں کے کاموں کو تو ہمیں جہاد سمجھ کر کرنا چاہیے۔

[1] سنن ابی داؤد

خالد کی نیک سیرتی پر ہم حیران رہ جاتے تھے۔ حالانکہ وہ عمر میں اکثر ساتھیوں سے چھوٹا تھا مگر جب کسی کے گھر جاتا تو گھر والوں کے لیے کچھ ہدیہ تحفہ لے کر جاتا۔ ایک جگہ پر مجاہدین کے تین گھرانے اکٹھے رہتے تھے اور اس جگہ پر اکثر خالد بھی رات گزارنے آتا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ خالد جب بھی آتا تو ایک بڑے سائز کا تربوز یا کوئی موسمی پھل خرید کر لاتا۔ پھر اس پھل کے چار حصے کرتا اور تین حصوں کو برابر برابر ہر گھرانے کو ہدیہ کرتا اور چوتھا حصہ خود بیٹھ کر کھاتا۔ اسی طرح افغانستان کے بعض دشوار گزار علاقوں میں بالعموم سبزیاں نہیں مل پاتی تھیں۔ وہیں بعض پہاڑوں پر موسمِ بہار میں ساگ نما سبزیاں اگتی تھیں جو پک کر بہت خوش ذائقہ ہوتی تھیں۔ خالد کو ساتھیوں کی سہولت کا اتنا احساس ہوتا تھا کہ اس موسم میں جب کسی ساتھی کے گھر جاتا تو پہلے کچھ دیر پہاڑوں پر گھوم کر وہ ساگ جمع کرتا اور پھر اپنی چادر میں اس ساگ کی ایک گٹھری باندھ کر لاتا اور پھر ساتھیوں کو اپنی طرف سے ہدیے میں پیش کرتا۔

خالد کے اعلیٰ اخلاق کا ایک اور واقعہ بھولے نہیں دیتا۔ ایک دفعہ ہمارے پاس آیا تو اس کے پاس ایک بہت ہی خوبصورت سی سفید رنگ کی دیسی مرغی تھی۔ کہنے لگا کہ یہ میری مرغی ہے اور یہ میری ذاتی ہے اور آپ لوگ اس کو ذبح نہیں کرسکتے۔ ہاں اگر انڈے دینے لگے تو پھر انڈے آپ لوگ کھا لیجیے گا۔ ہمارے لیے خالد کا یہ رویہ حیران کن تھا مگر پھر بھی مرغی رکھ لی۔ ہماری قسمت کہ اس مرغی نے نہ انڈہ دینا تھا اور نہ دیا۔ خالد اکثر اس مرغی کے انڈے دینے کے بارے میں دریافت کرتا رہتا۔ پھر جب کافی عرصے تک اس نے انڈے نہ دیے تو ایک دن آکر کہنے لگا کہ بھائی! یہ تو انڈے نہیں دیتی آپ اس کو ذبح کیوں نہیں کر دیتے! ہم نے کہا کہ یہ تو تمہارا ہی سخت آرڈر تھا کہ یہ میری ذاتی ہے اور اسے کوئی ذبح نہ کرے، اس لیے ہم سب اسے ذبح کرنے سے ڈرتے ہیں۔ اس پر خالد نے جو بات بتائی وہ بہت ہی عجیب تھی۔ خالد کہنے لگا کہ بھائی! آپ لوگوں کے گھر میں مرغی بچتی نہیں ہے اور اکثر ہی کسی نہ کسی بہانے سے ذبح ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے آپ کے بچے انڈے نہیں کھا پاتے، تو میں نے سوچا کہ میں ایک مرغی لیتا ہوں اور اسے اپنے نام کرلیتا ہوں، تاکہ آپ اس کو ذبح نہ کرسکیں اور یوں آپ کے بچوں کو انڈے ملتے رہیں۔ اللہ اس سے راضی ہو، آمین۔

خالد کے حسنِ خلق کا ایک اور واقعہ یاد آتا ہے تو لبوں سے بے ساختہ نکلتا ہے کہ خالد! اللہ تم سے راضی ہوجائے۔ ہوا یوں کہ پاکستان افغانستان کے سرحدی علاقے انگور اڈہ میں شدید سردی کی وجہ سے میں سینے کی تکلیف اور انفیکشن کا شکار ہو کر بخار میں مبتلا ہو گیا۔ ہر قسم کی دوا استعمال کی مگر افاقہ نہ ہوا۔ شہد کی افادیت اور اس میں شفا ہونے پر ایمان تو الحمد للہ تھا ہی مگر اپنے معدے کے مزاج کی وجہ سے مجھ سے شہد نہیں کھایا جاتا تھا بلکہ شہد کو سونگھنے سے ہی جی متلانے لگتا تھا۔ خیر خالد اور دیگر ساتھیوں کے اصرار پر ایک دفعہ چائے میں شہد ڈال کر پیا تو وہی ہوا کہ جی متلانے لگا اور میں نے سختی سے خالد کو کہا کہ آئندہ مجھے شہد نہیں کھلانا۔ شام کو چائے ہمیشہ خالد ہی بناتا تھا۔ ایک دن مجھے چائے پیتے ہوئے شک ہوا تو میں نے پوچھا کہ خالد تم

نے چائے میں شہد تو نہیں ملایا؟ جس پر اس نے بات کو گھما کر اس طرح جواب دیا کہ ''کس نے کہاہے کہ میں نے چائے میں شہد ملایا ہے؟''۔ خیر وقت گزر تا گیا اور آہستہ آہستہ میں شفایاب ہو تا گیا۔ پندرہ بیس دن بعد جب میری طبیعت مکمل بحال ہوئی تو خالد از راہِ مزاح کہنے لگا کہ بھائی شکر ہے کہ اب آپ بالکل ٹھیک ہو گئے ہیں اور آپ تو چائے میں شہد ملا کر بھی پی سکتے ہیں۔ میں نے انکار کیا اور کہا کہ بالکل بھی نہیں پی سکتا۔ اس پر خالد کہنے لگا کہ یہ جو اتنے عرصے سے روزانہ آپ چائے پیتے ہیں اس میں میں خود شہد ملاتا ہوں مگر آپ کو بتاتا نہیں تاکہ آپ انجانے میں پی جائیں اور آپ کو اس کا فائدہ بھی ہو اور شہد پینے سے حساسیت بھی ختم ہو جائے۔

ایک دفعہ ہمارے ایک ساتھی کے گھر میں بیماری تھی۔ خالد اپنے بھولے پن اور معصومیت کی وجہ سے ایسے سوال کر لیتا تھا کہ جسے دوسرے نہیں کر پاتے تھے۔ خالد نے ساتھی سے پوچھا کہ گھر والوں کی کیسی بیماری ہے؟ اس ساتھی نے بتایا کہ بس کمر میں تکلیف رہتی ہے اور کام کاج میں مشکل ہوتی ہے۔ خالد نے کہیں سن رکھا تھا کہ خواتین کو فولک ایسڈ کی گولیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ کچھ دن بعد ہماری ملاقات مجاہدین کے ایک ڈاکٹر صاحب سے ہوئی۔ خالد ان سے پوچھنے لگا کہ اگر خواتین کو فولک ایسڈ کی گولیاں دی جائیں تو اس کا کوئی سائیڈ افیکٹ تو نہیں ہوتا اور خواتین کو جو کمزوری اور کمر میں تکلیف ہوتی ہے اس کے لیے فولک ایسڈ کی گولیاں دینا کیسا ہے؟ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ ہاں! خواتین کو یہ گولیاں کھانی چاہیے اور ان کا ان شاء اللہ سائیڈ افیکٹ نہیں ہوتا۔ میں قریب ہی بیٹھا خالد کی گفتگو سن رہا تھا۔ میں نے خالد کو ٹوکا کہ یہ کیا تم الٹے سوالات کرتے ہو اور جس کو گولی چاہیے ہو گی وہ خود لے آئے گا، تمہارا کیا کام خواتین کی بیماریوں سے؟ اس پر خالد گویا ہوا کہ بھائی! مجھے پتہ ہے کہ خواتین میں اکثر کمزوری آئرن کی کمی کی وجہ سے ہوتی ہے، یہ گولی بہت اچھی ہوتی ہے، میرا دل کرتا ہے کہ میں اس بھائی کو یہ ضرور دوں۔ پھر خالد بازار گیا، فولک ایسڈ کی گولیاں خریدیں اور پھر لا کر اس بھائی کو دیں بھی اور اس گولی کی افادیت بھی بتائی۔ وہ بھائی کہنے لگا خالد تم تو بچے نہیں بلکہ 'بزرگ' ہو۔ اس کے بعد اکثر ہم خالد کو از راہِ مذاق 'بزرگ' کہا کرتے تھے۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہمیں ننگرہار میں پیش آیا۔ ہم ایک انصار کے ساتھ رہتے تھے۔ ایک دن علم ہوا کہ انصار کی اہلیہ بیمار ہیں۔ خیر کھانا وغیرہ تو ہمسائے کے دوسرے گھر سے آ گیا۔ دن میں جب ہمارا انصار ساتھی ہمارے پاس آیا تو خالد اس کو سائیڈ پر لے گیا اور اس سے کہا کہ بھائی! آپ کا جو بچہ ہے اس کے جتنے بھی میلے کپڑے ہوں وہ لا دیں۔ اس پر اس مقامی انصار نے حیرت سے پوچھا کہ تم نے کیا کرنا ہے؟ خالد بولا کہ دراصل آپ کی اہلیہ بیمار ہیں تو میں نے سوچا کہ میں آپ کے بچے کے کپڑے دھو دیتا ہوں۔ وہ انصار تو انکار کرتا اور شرماتا ہوا رخصت ہو گیا مگر قریب کھڑے ساتھیوں نے خالد کی یہ ساری گفتگو سن لی تھی۔ بس انہوں نے تو خالد کو آڑے ہاتھ لیا اور سخت سنایا کہ یہ بھی کوئی کرنے والی بات تھی، مقامی افغانیوں کے لیے تو یہ بڑے عیب کی بات ہے کہ وہ اپنے بچے کے کپڑے کسی اور کو دیں، وغیرہ وغیرہ۔ خیر شام کو مجھ سے خالد ملا تو بہت پریشان تھا، میں نے پوچھا تو روہانسا ہو گیا اور کہنے لگا کہ پتہ نہیں بھائی اس بات کو برا کیوں سمجھ رہے تھے۔ میں تو سوچتا تھا کہ یہ انصار ہماری اتنی خدمت کرتے ہیں تو کیا ہوا کہ ایک دن میں بھی ان کے گھر کا کچھ کام کر دوں۔

اسی پر بس نہیں، خالد کا ہر انصار سے خصوصی تعلق ہوتا تھا۔ وہ ان کے معاملات میں دلچسپی لیتا، ان کی ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کرتا اور ہر ممکن طریقے سے ان کی مدد کرتا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ ہم ایک مقامی افغانی انصار کی طرف گئے تو ان کے بوڑھے والد صاحب کے پاس سردی سے بچاؤ کے لیے کوٹ یا جیکٹ وغیرہ کا انتظام نہیں تھا۔ خالد نے جب یہ دیکھا تو ان کو اپنی جیکٹ دے دی۔ اور بس یہی نہیں جب بھی کبھی ان کو کوئی ضرورت پیش آتی خالد ان کی حاجت پوری کرتا۔

اللہ نے خالد کو فطری طور پر غیر معمولی ذہانت سے نوازا تھا۔ اب انصار سے تعلق کی وجہ سے وہ نا صرف یہ کہ افغانستان کی زبانوں کے مقامی لہجے سے واقف ہوتا تھا بلکہ وہ علاقے کے رواج و عادات اور قبیلوں کی تقسیم سے بھی واقف ہوتا تھا۔ وہ انصار کے بزرگوں کے ساتھ ایسے اخلاق سے پیش آتا کہ بعض ایسے حضرات جو کہ پاکستانی مجاہدین سے کفار کے پیدا کردہ علاقائی تعصب کی وجہ سے ناخوش رہتے تھے، جب خالد ان سے ملتا اور گفتگو کرتا اور ان کے دلچسپی کے امور میں دلچسپی لیتا تو وہی حضرات ہمارے پاکستانی ساتھیوں کے انصار بن جاتے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ صوبہ غزنی میں پیش آیا جہاں پر ایک محلے کے ایک بزرگ ہمارے ساتھیوں کے ساتھ مناسب رویہ نہیں رکھتے تھے۔ مسجد میں ان سے سامنا ہوتا تو بس بے دلی سے سلام کرتے اور بعض طنزیہ جملے بول کر رخصت ہو جاتے تھے۔ پھر ایک دن اتفاق سے خالد کا اس علاقے میں جانا ہوا۔ نماز کے بعد خالد ان بزرگ سے بڑی خندہ پیشانی سے ملا اور مسجد سے ملحقہ حجرے میں ان سے بیٹھنے کی درخواست کی۔ وہ بزرگ بادل نخواستہ بیٹھ گئے۔ پھر خالد نے ان سے ان کے علاقائی موضوعات پر بات چیت شروع کی، پشتو زبان کی تاریخ اور افغانستان کی تاریخی جنگوں کے قصے ان سے سنانے کی درخواست کی۔ ساتھ ساتھ خالد انہیں پنجاب کی صورتِ حال اور وہاں پر غلبۂ اسلام کی کوششوں سے بھی مطلع کرتا رہا، اور نظامِ پاکستان کی اسلام دشمنی اور ظلم و وحشت سے آگاہ کرتا رہا۔ مغرب سے عشاء کے درمیان چلنے والی اس نشست سے وہ بزرگ اتنے متاثر ہوئے کہ اس کے بعد وہ اس علاقے میں ہمارے سب سے زیادہ مدد و نصرت کرنے والے انصار بن گئے۔ اپنے حجرے کو انہوں نے ہمارے لیے وقف کر دیا، سخت ترین حالات اور امریکی چھاپوں میں بھی وہ مہاجر مجاہدین کی مدد سے پیچھے نہ ہٹے اور خالد کے اخلاق سے اتنا متاثر ہوئے کہ وہ اس کے بعد کہتے تھے کہ حقیقی مجاہد تو بس یہی لوگ ہیں۔ اسی طرح ایک افغانی انصار نے مجھ سے کہا کہ خالد کے اخلاق و کردار اور اس کی سیرت کو دیکھتے ہیں تو بالکل صحابیٔ رسول سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شخصیت یاد آتی ہے۔ اللہ اس سے راضی ہو۔

حساس دل

خالد کی شخصیت ساتھیوں میں محبتیں بکھیرنے والی تھی۔ اسے لڑائی جھگڑے سے بہت کوفت ہوتی تھی اور جہاں کہیں کوئی اختلاف یا جھگڑا ہوتا تو وہ اس کے حل پر کمربستہ ہو جاتا۔ خالد کی صحبت کا ساتھیوں پر اتنا اثر ہوتا کہ اس کی موجودگی میں غیبت کرنے اور فتنہ انگیز گفتگو کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہوتی۔ اس کی بڑی کوشش ہوتی کہ کسی طرح ناراض دلوں کو جوڑ دے اور غلط فہمیوں کو دور کروائے۔ حقیقت میں اکثر و بیشتر جھگڑوں کی بنیاد غلط فہمی اور بدگمانی ہی ہوتی ہے۔ خالد کا یہ کمال ہوتا کہ وہ غلط فہمیوں کو دور کرتا اور ناراض ساتھی کے دل کو دوسرے ساتھی کے بارے میں صاف کرتا۔ اسی طرح خالد مرکز میں رہتے ہوئے بڑی حکمت اور محبت کے ساتھ ساتھیوں کے اخلاق وعادات کی اصلاح کی کوشش کرتا اور خالد کی موجودگی کا نمایاں اثر مراکز میں دیکھنے کو ملتا۔

اس سے اگر کوئی ناراض ہو جائے یا ناراضگی کا امکان بھی ہو جائے تو بہت پریشان ہو جاتا اور ناراضگی پیدا کرنے والے سبب کی تلافی کی ہر ممکن کوشش کرتا۔ ایک دفعہ اس کی تشکیل خطۂ محسود کے دشوار گزار درّے میں تھی۔ مجاہدین وہاں پر اپنی عسکری مشقیں بھی کرتے اور وہاں دین دشمن پاکستانی فوج کے خلاف دفاعی محاذ پر بھی رہتے تھے۔ اسی دوران میران شاہ میں اسے ایک انتہائی ضروری ذاتی کام پڑ گیا جس کے لیے بڑے امراء نے اس کو میران شاہ کی طرف بلا لیا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ محاذ کے ذمہ دار کو نہ ہی خالد کے ذاتی کام کی اہمیت کا اندازہ تھا اور نہ ہی خالد رازداری کی وجہ سے انہیں یہ کام بتا سکتا تھا۔ اس کے پاس جانے کے لیے یہ عذر موجود تھا کہ بڑے امراء نے مجھے بلایا ہے۔ مگر خالد اس بات پر بہت پریشان تھا کہ میرے اس طرح جانے سے محاذ کے امیر کا دل دکھے گا اور اسے افسوس ہو گا۔ پس اس احساس سے خالد نے نہ جانے کا فیصلہ کیا۔ بعد میں جب میں نے اس سے پوچھا کہ جب وہ اپنے ذاتی کام کی شدید اہمیت سے واقف تھا اور بڑے امیر کی اجازت تھی تو کیوں نہیں گیا تو وہ کہنے لگا کہ میرے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ میں کسی بھائی کا دل توڑوں اور اسے ناراض کروں۔

اپنی اصلاح کی فکر کرنا

خالد کو اپنی اصلاح کی بہت فکر ہوتی تھی اور اسی طرح ہر دینی، شرعی اور اخلاقی معاملے میں اپنے آپ کو مزید بہتر کرنے کے لیے وہ ساتھیوں سے پوچھا کرتا کہ مجھ میں کوئی غلطی ہو تو مجھے بتائیں۔ اور اپنی کسی غلطی کا اگر علم ہو جائے تو فوراً اصلاح کرنے پر کمربستہ ہو جاتا۔ خالد کے مزاج میں بے تکلفی بھی تھی اور معصومیت بھی، اور اسے اپنے اعلیٰ اخلاق کی وجہ سے اچھے طریقے سے بات کرنی بھی آتی تھی۔ لہٰذا اگر اسے احساس ہوتا کہ میں نے کوئی غلطی کی ہے تو فوراً اس کی تلافی کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اپنی شہادت سے چند دن قبل مجھ سے کہنے لگا کہ ''آپ نے چند سال پہلے مجھے کچھ نصیحتیں کی تھیں، کیا آپ کو یاد ہیں؟''۔ میں تو وہ واقعہ بھلا چکا تھا۔ پھر مجھے یاد کرا کے کہنے لگا کہ بھائی جب میں نے فلاں غلطی کی تھی اور آپ نے مجھے اس حوالے سے نصیحت کی تھی۔ مجھے واقعہ یاد آیا تو کہنے لگا کہ کیا آپ نے مجھ میں کوئی تبدیلی دیکھی ہے؟ کیا میں اب بھی ویسا ہوں یا میں نے اپنے آپ کو تبدیل کر لیا ہے؟، میرے اخلاق کیسے ہیں؟ اور آپ مجھے پھر نصیحت کریں کہ مجھے کیسا بننا چاہیے اور مجھ میں کیا کیا غلطیاں اور کمزوریاں ہیں۔ اللہ اس کو جنتوں کا سردار بنائے، آمین۔

دعوتی خطوط

خالد کے دل میں جہاد کی دعوت اور محاذوں کی تازہ صورتِ حال دیگر مسلمانوں تک پہنچانے کی بہت تڑپ تھی۔ اس کا دل مچلتا تھا کہ کسی طرح اپنے دیگر مسلمان عزیزوں، دوستوں اور رشتہ داروں تک اپنے دل کی تڑپ اور امت کا غم منتقل ہو جائے۔ خالد کو جب بھی فارغ وقت ملتا تو وہ اپنے جاننے والوں کو خطوط لکھتا اور اس میں جہاد کی دعوت ضرور دیتا اور جہاد کے بارے میں جو شبہات لوگوں کے دلوں میں ہوتے ہیں ان کو رد کرتا۔ مجھ سے پوچھتا کہ میں کیسے ایک اچھا دعوتی خط لکھ سکتا ہوں۔ پھر کتابوں کا مطالعہ کرتا اور بعض اوقات جہاد کی کتابوں میں سے اقتباسات بھی اپنے خطوط میں لکھتا۔ اس مقصد کے لیے اس نے بہت توجہ سے شیخ عبد اللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''ایمان کے بعد اہم ترین فرضِ عین'' کا مطالعہ کیا اور اہم باتوں اور جملوں کو نوٹ کیا۔ محبت بھرے انداز سے جہاد کی دعوت اپنے جاننے والوں تک پہنچاتا اور مخاطب کے ساتھ ادب اور احترام کا رویہ رکھتا۔ جہادی محاذوں کی خبریں سناتا اور جہاد میں شمولیت کے لیے ابھارتا۔

خالد انتہائی محبت اور احترام سے اپنے بڑوں کو مخاطب کرتا اور سادہ اور معصومانہ طریقے سے جہاد کی محبت ان کے دل میں ڈالتا۔ اپنی والدہ کو لکھے گئے ایک خط میں کہ جس میں وہ فدائی حملہ کرنے کی اجازت ان سے مانگتا ہے، لکھتا ہے کہ:

> ''اماں جان! اصحاب الاخدود کا قصہ بھی تو آپ ہی سنایا کرتی تھیں ناں۔ اللہ کہتا ہے کہ وہ کامیاب ہو گئے تھے۔ علماء کہتے ہیں کہ جو اپنی زبان سے اپنے آپ کو شہید کروائے یا ہاتھ سے برابر ہے۔ اُن حضرات نے بھی تو بادشاہِ وقت کو اپنی موت کا طریقہ خود سکھایا تھا ناں......... اللہ کا نام لے کر مجھ پر تیر چلاؤ میں شہید ہو جاؤں گا۔ اماں! جو لوگ اس آیت کو کہ 'اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو' کو اِس 'عمل'[1] پر فِٹ کرتے ہیں، اس آیت کی تفسیر تو بالکل الٹ ہے۔ یہ آیت تو تب آئی کہ جب بعض لوگ خود دنیا میں لگ گئے تھے اور جہاد سے غفلت کر رہے تھے تو نازل ہوا کہ اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ ڈالو۔ یعنی جہاد چھوڑ دینا ہی اصل میں ہلاکت ہے۔ اور دلیل یہ بھی تو ہے ناں کہ اللہ تعالیٰ تو خود دوسری جگہ

[1] یعنی فدائی حملہ کرنے کا عمل

اس کو کامیابی کہہ رہے ہیں۔ دنیا ابدی نہیں ہے، سب نے فنا ہو جانا ہے۔ جب موت لکھی ہو گی تو خود ہی مر جاؤں گا اور اگر نہ آنی ہو تو فدائی کے ارادے سے بھی نہ آئے گی۔ میرے لیے شہادت کی دعا کریں۔"

اسی طرح خالد کے ایک محبوب دوست نے محض ایک سال کے لیے جہاد میں آنے کا ارادہ ظاہر کیا تو خالد نے اس کو خط میں کچھ یوں لکھا:

"جب میں جہاد میں آیا تو میں نے بھی ایک شرط رکھی تھی گو کہ میری نیت تو صرف یہ تھی کہ اتنے عرصہ میں اپنے گروپ کے معاملات دیکھوں گا اور پھر فیصلہ کروں گا کہ اگر یہ حق پر دکھے تو میں دائمی ان کے ساتھ ہوں اور اگر نہیں تو راستہ کھلا رکھوں۔ چنانچہ میں نے فاروق بھائی[1] سے جہاد میں ایک سال رہنے کی شرط رکھی۔ تو جواب کیا آیا؟ فاروق بھائی نے فقط یہ کہا کہ 'پیارے! جہاد تو ایک سال کے لیے نہیں ہوتا۔ جہاد تو فرض ہے، فرض کو مکمل کرنا پڑے گا۔ جہاد تو اس وقت ہی مکمل ہو گا کہ جب اللہ پاک خود ہی اپنی جنتوں کے لیے چن لے'۔ بھائی! جہاد تو اللہ کے لیے ہے تو اللہ پر شرطیں نہ ڈالیں۔"

خالد کو اس بات کا بہت شوق تھا کہ اپنے اقرباء اور دوستوں کو جہادی میدان کی تازہ صورتِ حال اور خوشخبریاں سناتا رہے۔ وہ ان کو عسکری کارروائیوں کی تفاصیل لکھتا اور مجاہدین کی فتوحات اور راہِ جہاد میں آنے والی آزمائشوں اور ان آزمائشوں کے باوجود سکون و اطمینان کی کیفیات لکھتا۔ اپنے ایسی ہی ایک خط میں وہ اپنے اقربا کو افغانستان میں مختلف محاذوں کی کارگزاری کچھ ایسے بیان کرتا ہے۔

"عید کے آگے پیچھے گیارہ ساتھی شہید اور زخمی ہوئے۔ ان میں سے دو اسلام آباد کے، ایک کراچی کے، ایک کشمیر کے، ایک برما کے اور باقیوں کا مجھے نہیں پتہ۔ میرے استاد قتادہ بھائی اور امجد بھائی[2] بھی شہید ہو گئے۔ پکتیکا کا ضلع جانی خیل فتح ہوا، اس فتح میں ہمارے دو ساتھی ایک کراچی اور دوسرے پنڈی کے شہید ہوئے۔ ننگرہار کا ضلع حیسارک فتح ہوا اور اس فتح میں پانچ ساتھی ہمارے شہید اور دو زخمی ہوئے۔ باقی قندھار اور ہلمند میں بھی فتوحات ہوئیں۔

عید سے دو تین دن پہلے ہم پکتیکا کے ضلع اومنہ گئے ہوئے تھے۔ ولسوالی[3] فتح ہوئی اور ایک مجاہد شہید ہوا۔ پہلے دن میں تعارض[4] میں نہیں تھا البتہ ہمارے اور ساتھی تھے۔ عبد الشہید بھائی رحمہ اللہ کا چھوٹا بھائی اور ایک اور ساتھی اور کچھ طالبان Humvee (بکتر بند) گاڑی میں بیٹھ کر رات کو پوسٹ کی طرف جارہے تھے کہ دشمن نے ان پر ۳۰ کے قریب راکٹ کے گولے مارے جن میں سے تین گولے پوسٹ سے ۱۰۰ میٹر دور بکتر بند گاڑی کو لگ گئے۔ بہر حال ساتھی باہر کودے اور واپس ہوئے۔ اس واپسی میں کچھ ساتھی زخمی ہوئے اور ان زخمیوں میں سے ہی ایک بعد میں شہید ہو گیا۔ البتہ جب یہ واپس ہوئے تو حملہ کرنے والی دوسری پارٹی کُودی اور پھر اس پوسٹ کو دشمن سے چھین لیا۔ اس حملے میں دشمن کا بڑا 'خونمیر' نام کا مارا گیا۔

دو دن بعد ولسوالی اور باقی پوسٹوں پر بڑا حملہ تھا۔ ہم پوسٹ کی طرف تھے۔ میرے پاس نائٹ وژن اور نائٹ لیزر تھی اور میں دوئم تعارضیوں[5] میں سے تھا۔ جبکہ اول تعارضیوں میں ہمارے تین ساتھی تھے۔ محمد عسکری رحمہ اللہ کا بھائی بھی تھا۔ بہر حال رات کو دشمن کے قریب ہوتے گئے۔ شروع میں پوسٹ اور ولسوالی سے روشنی کے گولے اور فائر بھی آیا مگر جب ہم دشمن کے قریب پہنچے تو کوئی جواب نہیں آیا۔ تھوڑی بہت فائرنگ کرتے ہوئے اول تعارضی جب پوسٹ پر پہنچے تو پتہ چلا کہ پوسٹ میں کتوں کے علاوہ کوئی نہیں۔ ولسوالی میں بھی جب مجاہدین گھسے تو وہاں سے بھی دشمن بھاگ چکا تھا۔ بہر حال اس کارروائی میں دو رینجر ڈبل کیبن، ایک ہائیلکس، کلاشن کوفیں، ۳۰ گولے راکٹ، ۶۰ ہزار گولیاں کلاشن کوف، اتنی ہی پیکا کی گولیاں، وردیاں، ٹی وی، جنریٹر، ٹیبلیں، موٹر سائیکل، کباڑ وغیرہ ملا۔ ابھی تک فقط گولیوں کی غنیمت بٹی ہے جس میں ایک مجاہد کے حصے میں ۵۳۰۰ روپے آئے ہیں۔ باقی ابھی بٹے گی۔

باقی ارزگان میں جنگ جاری ہے۔ صوبائی مرکز پکڑنے کا ارادہ ہے۔ دو تین دنوں میں میں بھی جاؤں گا۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ خصوصاً شہادت اور فتح کی۔ سب کو عید مبارک۔"

اسی طرح خالد کو اللہ نے موقع دیا کہ ایک ساتھی کے ساتھ مل کر اس نے شیخ عبد اللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ کی سورۃ توبہ کی معرکۃ الآراء تفسیری دروس کا مطالعہ کیا۔ خالد ان دروس سے بہت متاثر ہوا۔ جہاں اس تفسیر میں جہاد کی دعوت ہے وہیں پر جہاد پر اٹھنے والے اعتراضات کا رد، دنیا کی حقیقت اور اس کے فتنوں کا رد، اور منافقین کی علامتوں کا بیان ہے۔ ساتھ ساتھ مجاہدین کی تربیت اور ان کو افراط و تفریط سے بچانے کے لیے بھی بڑا مفید مواد ہے۔ بالخصوص غلو و تشدد اور مسلکی تعصبات کی اصلاح میں تو یہ کتاب بہت ہی نافع ہے۔ اس مقصد کے لیے خالد یہ سمجھتا

---

[1] استاد احمد فاروق رحمہ اللہ

[2] قاری انجینئر اسامہ ابراہیم غوری رحمہ اللہ

[3] ضلعی ہیڈ کوارٹر

[4] دھاوا بولنا

[5] دوسرے مرحلے پر دھاوا بولنے والی ٹیم

کہ اس کتاب کا ہر مجاہد کو مطالعہ کرنا چاہیے اور خاص طور پر اسے تو ضرور کرنا چاہیے کہ جو ہمارے دین کی جہادی فکر کو صحیح طرح نہ سمجھا ہو۔ اسی لیے اس نے اپنے ایک بہت ہی محبوب دوست کے لیے یہ کتاب بھجوائی جو جہاد سے محبت تو کرتا تھا مگر مجاہدین سے براہِ راست رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کے افکار میں اہلِ غلو کے افکار کی آمیزش کا خطرہ تھا۔

اہلِ غلو کے سدباب کی کوششیں

خالد کو جب ۲۰۱۵ء میں مجاہدین کے مواصلاتی نظام کے سلسلے میں افغانستان کے صوبہ ننگرہار میں قیام کا موقع ملا تو وہاں پر اسے اہلِ غلو و فساد کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ افغانستان میں دولتِ اسلامیہ (داعش) نامی گروہ نے سر اٹھایا تھا اور اس گروہ کا مرکز و منبع بھی صوبہ ننگرہار ہی تھا۔ یہاں قیام کے دوران خالد نے نہ صرف اس گروہ کے افکار و نظریات کو تفصیل سے جانا بلکہ ان کے کردار و عمل کا بھی قریب سے مشاہدہ کیا۔ بظاہر شریعت اور خلافت کے نام پر اٹھنے والے گروہ نے اپنی اٹھان کے ساتھ ہی اہلِ ایمان سے جنگ شروع کی، مسلمانوں کو معمولی باتوں پر کافر قرار دینے کو اپنا شعار بنایا، امارتِ اسلامیہ کی مدد کرنے کے الزام میں مجاہدین کے انصاروں کے ٹکڑے ٹکڑے کیے اور ارد گرد سے بری شہرت رکھنے والے اور مجرمانہ کردار کے حاملین افراد اس گروہ میں شامل ہونے لگے۔ خالد نے کئی ایسے افراد سے جو داعش کے گمراہ کن نظریات سے متاثر تھے، گفتگو کی۔ ان سے بحث مباحثہ کیا اور اس کی کوششوں کی وجہ سے بہت سے افراد دوبارہ سے امارتِ اسلامیہ سے جڑے۔ ننگرہار کے اس تجربے کے بعد خالد کی بڑی کوشش ہوتی کہ تمام مجاہدین اور ان کے احباب کو اس فتنے کے خد و خال سے آگاہ کرے اور اس کی گمراہی کو واضح کرے۔ اس سلسلے میں وہ اپنے خطوط میں بھی اپنے عزیزوں کو راہنمائی دیتا اور مطالعے کے لیے مواد بھجواتا۔ خالد کہتا تھا کہ فکری طور پر اس حوالے سے مضبوطی کے لیے بھی مجددِ جہاد شیخ عبد اللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ کی تحریرات بہت نافع ہیں۔ اپنے ایک عزیز کو لکھے گئے ایک خط میں داعش کے فتنے کے حوالے سے تحریر کرتا ہے:

> ”آپ نے داعش کے بارے میں پوچھا تھا۔ علماء اور بڑوں سے کچھ سنا اور ان لوگوں کو خود کچھ دیکھا ہے، اپنی کم فہمی کے باوجود چند باتیں عرض کرتا ہوں۔ سب سے پہلے تو یہ ہے کہ عرب کے بہت مشہور جہادی علماء نے ان کو خوارج کہا ہے کیونکہ یہ داعشی اپنے ہر مخالف کی تکفیر کرتے ہیں اور اس کو بہت ثواب کا کام سمجھتے ہیں۔ ایک عالم کہتے ہیں کہ پہلے زمانے کے خوارج ان سے اچھے تھے کہ جو کم از کم گناہِ کبیرہ کرنے پر تکفیر کرتے تھے۔ یہ داعشی تو ان کی تکفیر کرتے ہیں جو جہاد کرتے ہیں اور محض اس بات پر کہ ان کی بیعت نہیں کرتے (ان تکفیر کرتے ہیں)۔ ظالموں نے ہزاروں مجاہدین کا شام و افغانستان میں لہو بہایا۔ یہاں تک کہ شیخ اسامہ رحمہ اللہ کے قریبی دوست شیخ خالد سوری پر بھی خود کش حملہ کر کے شہید کیا، حالانکہ خالد سوری رحمہ اللہ تو معاملہ حل کرنے کے لیے ثالث بن کر گئے تھے۔ یہ امارتِ اسلامیہ کی تکفیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سب مشرک ہیں۔ ان کا ایک مفتی جو کہ تیونس کا ہے اس نے ملا عبد السلام ضعیف کی تکفیر کی کیونکہ وہ (اس کے مطابق) اقوام متحدہ میں طالبان کے سفیر تھے (اس کو یہ نہیں پتہ کہ وہ تو پاکستان میں طالبان کے سفیر تھے)۔ اور اس نے امیر المومنین ملا عمر رحمہ اللہ کی تکفیر کی کیونکہ وہ ان کے امیر تھے (یعنی ملا عبد السلام ضعیف کے)۔ اور شیخ اسامہ رحمہ اللہ ان کے مطابق اس لیے کافر ہوئے کہ انہوں نے ایک کافر[1] کی بیعت کی۔ ان کے علاقوں میں مسلمان بہت مشکل میں ہیں۔ مجاہدین اور ان کے حامیوں کو مائنوں پر بٹھا بٹھا کر شہید کیا۔ کچھ کو درختوں کی شاخوں کے بیچ میں ان کی گردن رکھ کر کلہاڑا مار کر شہید کیا۔ بہر حال ان ظالموں لٹیروں نے مجاہدین، اسلام اور خلافت کے نام کو بہت بدنام کیا ہے۔ الحمد للہ افغانستان میں ان کی کوئی خاص جگہ نہیں بن سکی اور انہوں نے اپنے آپ کو خود ہی بدنام کر دیا ہے۔ تفصیل کے لیے پھر لکھوں گا۔ اللہ ہمیں ان سے نجات دلائے، آمین۔“

میرے وطن میں بھی یہ نور پھیل جائے گا

خالد کو پنجاب میں دعوت دینے اور پنجاب کے مقتدر طبقوں کو دین سے جوڑنے کا بڑا شوق تھا۔ خالد منصوبے بناتا تھا کہ ہم پنجاب میں جہاد کریں گے اور وہاں کے جنگلات و بیابانوں میں اپنے ٹھکانے بنائیں گے۔ اس طرح ایک تو دین دشمنوں کی سرکوبی آسان ہو گی اور دوسرا یہ کہ ہم کھل کر عام مسلمانانِ پنجاب کو دعوت دے سکیں گے۔ خالد کا آبائی علاقہ ضلع چکوال تھا۔ ضلع چکوال ان اضلاع میں سے ایک ہے جو پاکستانی فوج کو سب سے زیادہ افرادی قوت فراہم کرتے ہیں۔ مگر خالد کو اپنی سرزمین سے بہت محبت تھی۔ وہ کہتا کہ آپ دیکھیں گے ایک وقت آئے گا کہ چکوال میں جہاد کھڑا ہو گا اور ہم وہاں بیٹھ کر دشمنانِ اسلام کے خلاف منصوبے بنائیں گے۔ وہ چکوال کا اتنا ذکر کرتا کہ ساتھیوں نے اس کی چھیڑ ہی چکوال بنا دی تھی۔ ساتھی چڑ کر کہتے کہ بھائی! چکوال کی یا تو صرف ریوڑی مشہور ہے یا پھر ظالم فوجی۔ اس پر خالد بہت تلملاتا اور کہتا کہ دیکھنا! جس طرح چکوال والے فوج میں سب سے آگے ہیں، جب ان میں دعوت پھیلے گی تو یہ جہاد میں بھی سب سے آگے ہوں گے۔ پھر کہتا کہ چکوال میں جہاد کی دعوت پھیلانے کا فائدہ یہ ہو گا کہ اس طرح ہم فوجیوں کے گھروں میں دین کی دعوت پھیلا دیں گے اور ان کے بچوں کو اسلام کا حقیقی سپاہی بنا دیں گے، پس ہمیں وہاں دعوت کو ترجیح میں رکھنا چاہیے۔ جہاں کہیں افغانستان میں طالبان کی فتوحات کی خبر ملتی یا اس میں شرکت ہوتی تو خالد ضرور کہتا کہ ایک دن ہمارا چکوال بھی اسی طرح فتح ہو گا اور اسلام کے شیر اس میں بھی ٹینکوں

[1] شیخ اسامہ رحمہ اللہ کی جانب سے امیر المومنین ملا عمر رحمہ اللہ کی بیعت کی طرف اشارہ ہے۔

پر بیٹھ کر داخل ہوں گے۔ خیر، ساتھیوں میں خوش طبعی کے لیے برادرانہ نوک جھونک تو چلتی رہتی تھی مگر خالد بہت سنجیدگی سے اور پرعزم ہو کر پنجاب میں دعوتی کام منظم طریقے پر کھڑا کرنے اور عسکری ٹھکانے بنانے کے منصوبے بناتا۔

خالد مجھ سے کہتا کہ ہم کیسے اپنے شہداء کا بدلہ لے سکتے ہیں اور کیسے اپنے قیدیوں کو رہا کروا سکتے ہیں۔ سوچتا رہتا اور پھر کہتا کہ چکوال میں اس کے بڑے مواقع بن سکتے ہیں۔ وہ فکر مند رہتا کہ جس فوج نے سینکڑوں مسلمانوں کو شہید کر کے پنجاب کی سڑکوں پر جا پھینکا ہے، اس سے کیونکر انتقام نہ لیا جائے۔ یہ اس کی بڑی پختہ فکر تھی۔ ایک دن مجھ سے بحث کرنے لگا کہ بھائی! جب ہمارے ساتھی شہید ہوتے ہیں تو ان کا غم نہیں کرنا چاہیے اور تعزیت کے بجائے انتقام کی بات کرنی چاہیے۔ میں نے کہا کہ غم ہو گا تو ہم ان کو یاد رکھیں گے اور انتقام لینا نہیں بھولیں گے۔ کہنے لگا کہ آپ کی بات درست ہے مگر میں یہ سوچتا ہوں کہ ہر شہید کے بعد ہمیں آگے بڑھ کر اس کا بدلہ لینے اور دشمن کو مزید سبق سکھانے کی تیاری کرنی چاہیے، اس احساس سے دشمن پر کارروائی کرنے میں بڑا سکون ملتا ہے۔ کہنے لگا کہ جب قندھار کے امریکی چھاپے کے بعد ۲۰۱۶ء میں ہم نے پکتیکا میں صلیبی فوج کے قافلے کو نشانہ بنایا تو دل بہت ٹھنڈا ہوا اور مزید آگے بڑھنے کا عزم پیدا ہوا۔

آخری تشکیل

خالد کے اسی عزمِ پیہم اور بلند حوصلے کی وجہ سے بالآخر ۲۰۱۷ء کے موسمِ بہار میں اس کی تشکیل شمالی وزیرستان کے محاذ پر کر دی گئی۔ خالد اس تشکیل کے لیے بہت پرعزم تھا۔ اس نے اس کے لیے کافی تیاری کی۔ اپنے لیے نیا اسلحہ خریدا اور عسکری فنون کے علم کی دہرائی کر کے تازہ کیا۔ خالد ایک استاد کی حیثیت سے اس تشکیل میں جا رہا تھا۔ جہاں وہ نہ صرف مجاہدین کو اسلحہ سکھائے گا بلکہ ان میں جہاد کی لگن اور آگے بڑھنے کا حوصلہ بھی پیدا کرے گا۔ اس کا جو مزاج تھا اور جس طرح کی اس میں عادتیں تھیں وہ دیکھتے ہوئے اس کے ذمہ داروں کو یہ اعتماد تھا کہ خالد مشکل ترین حالات میں بھی کام جاری رکھ سکتا ہے۔ نہ برفباری اور سردی اس کی راہ میں مزاحم ہو گی اور نہ ہی ڈرون اور چھاپوں کو وہ خاطر میں لائے گا۔ الغرض خالد جب خندق کی تعمیر سے فارغ ہوا اور وزیرستان کے پہاڑوں پر موسمِ بہار کی آمد ہوئی تو خالد اپنی سنائپر اور نائٹ وژن دوربین سے لیس ہو کر محاذ پر جانے کے لیے تیار ہوا۔

یہ ایک مشکل اور خطرناک تشکیل تھی مگر خالد جیسے جو اس عزم اور مضبوط نوجوان ہی وہ ہوتے ہیں کہ جو اپنی جانوں کو سپر کر کے اسلام کا حقیقی دفاع کرتے ہیں۔ ایسے نوجوان کہ جن کا عقیدہ یہ ہو کہ ہماری جانوں کا تو بس سودا ہو چکا ہے۔ خریدار خالقِ سماوات ہے اور صلے میں جنت الفردوس ہے۔ یہ خالد جیسے نوجوان ہی ہوتے ہیں کہ جن کو دیکھ کر 'جان ہتھیلی پر رکھنے' کے محاورے کا حقیقی مطلب سمجھ میں آتا ہے۔ خالد کا جذبہ دیدنی تھا اور وہ جوش و خروش سے اس تشکیل کی تیاری میں منہمک تھا۔

مجھے جانا ہے بہت دور بہت دور تلک

خالد جب وزیرستان آیا تھا تو اس وقت اس کی نسبت اس کی ایک کزن سے طے پا چکی تھی۔ ۲۰۱۴ء میں وزیرستان آپریشن کے بعد جہادی کاموں کی صورتِ حال کچھ ایسی بنی کہ خالد کی شادی جلدی کروانا ممکن نہیں ہو سکا۔ خالد کہتا کہ مجھے جہاد میں ابھی بہت کام کرنے ہیں اور شادی کی مجھے کوئی جلدی نہیں ہے مگر چونکہ لڑکی والے پریشان ہوں گے اس لیے ان کو کوئی جواب دینا چاہیے۔ مگر حالات کی وجہ سے شادی کا معاملہ لٹکتا ہی رہا۔ بالآخر ۲۰۱۷ء کے موسمِ سرما میں اس کی شادی کرنا طے پایا اور خالد کو اس سے مطلع کیا۔

اس کے کچھ عرصے بعد مجھے خالد ملا تو اس نے مجھے بہت عجیب بات کہی۔ کہنے لگا کہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں شادی نہیں کروں گا۔ میں نے حیرت سے اس سے سبب پوچھا تو کہنے لگا کہ بات یہ ہے کہ یہ کام کا وقت ہے اور ویسے بھی سردیوں تک میں نے شہید ہو جانا ہے تو خوامخواہ شادی کر کے کسی کو کیوں تکلیف میں ڈالوں۔ میں نے غصے سے کہا کہ تمہیں کیسے پتہ کہ تم نے شہید ہو جانا ہے؟ کہنے لگا کہ مجھے ایسا ہی لگتا ہے لہٰذا میرا شادی نہ کرنا بہتر ہے۔

بچھڑ کے بھی ایک دوسرے کا خیال ہو گا یہ طے ہوا تھا

جس دن خالد اور دیگر ساتھیوں کی روانگی تھی، تمام مرکز میں گہما گہمی تھی۔ ساتھی اپنے محبوب بھائیوں کو الوداع کہنے کے لیے جمع تھے۔ اس موقع پر ساتھیوں کی خصوصی دعوت کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ ساتھیوں کی کیفیت خوشی اور غم میں ملی جلی تھی۔ خوشی اس بات کی کہ ہمارے بھائی محاذِ جنگ پر دین دشمنوں سے مقابلے کے لیے روانہ ہو رہے ہیں اور غم اس بات کا کہ اپنے پیارے بھائیوں سے جدائی کا وقت قریب آ رہا تھا۔ پھر جن بھائیوں کا نام محاذ پر جانے والے مجاہدین میں شامل نہیں تھا، ان کا پیچھے رہ جانے کا غم بھی نمایاں تھا۔ لبوں پر اپنے بھائیوں کے لیے دعائیں تھیں، فتح و نصرت کی اور دوبارہ ایمان و سلامتی کے ساتھ ملاقات کی۔

خالد اور دیگر بھائی نہا دھو کر تیار ہو کر آئے تو لگتا تھا کہ دولہے ہیں جو بارات کے ساتھ روانہ ہو رہے ہیں۔ میدانِ جنگ کے عاشق امت کے ان شیر صفت بیٹوں کے چہرے خوشی سے ایسے دمک رہے تھے کہ واقعتاً ناواقف شخص محفلِ عروسی کا گمان کر بیٹھے۔ خالد کی اس تشکیل کے امیر بنوں کے مجاہد، جرأت و اعلیٰ کردار کے پیکر کماندان ناصر قریشی تھے جو 'جانان' کے تخلص سے مجاہدین میں مشہور تھے۔ جانان کی خوشی کو دیکھ کر تو ایک بھائی نے بے ساختہ کہہ ہی دیا کہ جانان! لگتا ہے کہ اپنی شادی پر روانہ ہو رہے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے جہاد اور بالخصوص محاذِ جنگ پر جانے کی جو فضیلتیں بیان کیں ہیں، ان کو سوچنے سے

ہی دل خوشیوں سے بھر جاتا ہے۔ اس عظیم راہ میں شہید ہونے یا محض اپنے آپ کو غبار آلود ہی کروالینے سے اللہ کی رضا و محبت کا حصول، گناہوں کی معافی اور درجات کی بلندی کے حصول کے احساس سے ہی ایک مجاہد کو جسم و جان میں خوشی اور اطمینان نصیب ہو جاتا ہے۔ فرمانِ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہے کہ: ''جہاد کیا کرو کیونکہ یہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ غم و پریشانی کو دور کر دیتا ہے''۔[1]

مجاہدین ایک دوسروں کے لیے دعائیں، نصیحتیں اور نیک تمناؤں کا اظہار کر رہے تھے۔ کوئی اپنے بھائیوں کی تیاری کروا رہا تھا اور کوئی اپنی عزیز چیز اپنے کسی روانہ ہونے والے بھائی کو ہدیے میں پیش کر رہا تھا۔ ایک دوسروں کو نہ بھولنے، دعاؤں میں یاد رکھنے اور اگر شہادت ملی تو شفاعت کے وقت یاد رکھنے کے وعدے لے رہے تھے۔ دیگر مجاہدین دعوت کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ موقع کو غنیمت جان کر درختوں کے سائے میں ایک جگہ پا کر کچھ اہم الوداعی باتوں کے لیے میں اور خالد بیٹھ گئے۔ پہلے کی طرح پھر خالد نے نصیحت کرنے کا مطالبہ کیا۔ پھر اپنے عزائم پر گفتگو کرنے لگا۔ خاص طور پر اپنی نائٹ وژن دوربین کے واسطے سے اللہ کے دشمنوں کو نقصان پہنچانے کے حوالے سے مشورے دینے لگا۔ اس کا عمامہ چند دنوں سے میرے استعمال میں تھا۔ میں اتار کر اسے واپس کرنے لگا تو کہنے لگا کہ نہیں یہ آپ ہی رکھیں کیونکہ یہاں آپ کو اس کی ضرورت ہے جبکہ ہم جہاں جا رہے ہیں وہاں عمامہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔ پھر مجھے کچھ حوالوں سے نصیحتیں کیں، اپنی سابقہ تشکیلات کے مشاہدات اور تجربات بیان کیے اور پھر جب مجاہدین نے کھانے کی تیاری کا اعلان کیا تو ایک دوسرے کو دعادے کر ہماری یہ آخری دنیاوی ملاقات اختتام پر پہنچی۔ اللہ تعالیٰ جنت میں ایک دوسرے کا ساتھ نصیب فرمائے، آمین۔

شہید ہو کے ہاں مگر نشاط دل میں بھر گیا

مجاہدین دعوت سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ فضا میں ڈرون طیاروں نے منڈلانا شروع کر دیا۔ کسی بدبخت جاسوس نے امریکیوں کو مجاہدین کے جمع ہونے کی اطلاع دے دی تھی۔ لہٰذا ایسے میں جلدی جلدی خالد اور دیگر بھائی اپنی گاڑی پر سوار ہو کر وزیرستان کے سفر پر نکلے مگر یہ سفر ان کا آخری سفر ثابت ہوا۔ سفر مختصر تھا مگر ان کو بہت بلندی پر لے گیا۔ اتنی بلندی پر کہ جہاں انبیاء و رسل رہتے ہیں، جہاں حور و غلمان کی رونقیں ہیں، جہاں سلسبیل کا چشمہ ہے اور جہاں نہ کوئی خوف ہے اور نہ غم۔ گاڑی کو روانہ ہوئے ایک گھنٹہ ہی ہوا تھا کہ ڈرون طیارے نے ان پر وار کیا۔ گاڑی میں موجود تمام کے تمام چھ ساتھی شہید ہو گئے۔ خالد بھی شہداء میں شامل تھا۔ ان کے اجسام دشت میں بکھر گئے اور جہاں جہاں بکھرے وہاں وہاں مشک کی خوشبو بھی بکھر گئی۔ یہ واقعہ افغانستان کے صوبہ پکتیکا کے ضلع 'وازے خواہ' کا تھا اور امت کے ان قیمتی جگر پاروں کی قبریں وہیں بنیں۔ کئی ماہ بعد بھی اس علاقے سے شہداء کی خوشبو آتی تھی اور گاڑی کے جلے ہوئے ٹکڑوں سے مہکِ مشک پھوٹتی رہی۔ خالد کے اعلیٰ اخلاق کا آخری واقعہ اس کی شہادت سے محض دس منٹ پہلے کا ہے۔ شہادت سے کچھ دیر پہلے راستے میں ایک افغانی مجاہد ساتھیوں کو ملا۔ خالد نے اس مجاہد کو دیکھ کر اپنا گولیوں کا جعبہ[2] اس کو ہدیے میں دے دیا اور کہا کہ آپ کو اس کی ضرورت ہے اور میں جہاں جا رہا ہوں وہاں اور مل جائے گا۔ اللہ ہمارے ان محبوب بھائیوں سے راضی ہو جائے، ہمیں ان کا انتقام لینے کی توفیق دے اور امتِ مسلمہ کے تمام نوجوانوں کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ میں خالد کے کردار و سیرت پر غور کرتا ہوں تو علامہ اقبال مرحوم کے یہ اشعار یاد آتے ہیں کہ:

یہ غازی، یہ تیرے پراسرار بندے — جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دونیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا — سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو — عجب چیز ہے لذتِ آشنائی
شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن — نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقه محمد وعلی آله وصحبه وسلم

☆☆☆☆☆

بقیہ: سوشل میڈیا کی دنیا سے

کہنے لگے، اگر ہمارے مطالبات نہ مانے گئے تو ہم اصل مطالعہ پاکستان پڑھانا شروع کر دیں گے۔

☆☆☆☆☆

[1] مسند احمد

[2] Pouch

سحر ہونے کو ہے

بنتِ طبیب

عبادہ نے خطرات کی بنا پر خواتین کو ایک گھر میں شفٹ کر دیا۔ ابو بکر کو ان کی نگرانی کے لیے چھوڑا اور خود مصعب اور ارمغان کے ہمراہ دوبارہ سے کارروائی کی ترتیب بنانے اسلام آباد پہنچ گیا۔ ابو بکر کا ایک ہفتے بعد وہاں آنا طے پایا تھا، جب مصعب اس کو مناسب صورتحال کا اشارہ دے گا۔ ابو بکر کے جانے کی صورت میں علی اور منال نے آجانا تھا۔

نور حالات کا اندازہ نہ ہونے کے سبب جویریہ اور مومنہ کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع پاکر بہت خوش تھی۔ مصطفیٰ اور خدیجہ بھی اپنے علاوہ ایک اور بچے کو پاکر خوش ہو گئے تھے۔

عبادہ اور مصعب کو گئے ہوئے دو مہینے ہو گئے تھے مگر ان کی طرف سے کوئی اشارہ نہ آیا تھا۔ ابو بکر انجانے خدشات کی وجہ سے بے حد پریشان تھا۔ مگر اس نے مومنہ کے علاوہ اپنی پریشانی کا اظہار کسی اور کے ساتھ نہیں کیا تھا۔

انتظار کی تکلیف دہ کیفیت میں اس کے دن سولی پر گزر رہے تھے۔

☆☆☆☆☆

"مومنہ؟" ابو بکر نے اچانک کتاب سے سر اٹھایا۔ مومنہ کے کام کرتے ہاتھ رک گئے اور اس نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

"جی؟"

"اگر میں شہید ہو گیا تو تم کیا کرو گی؟" ابو بکر دھیرے سے اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ زخمی ہوتا نظر آیا۔

"پتہ نہیں!"

"پلیز! اس راستے سے ایک قدم پیچھے نہ ہٹنا!...... اور میری بیٹی کو بھی اسی راستے کا راہی بنانا!"

"ابو بکر! میں آپ کے ساتھ ہی شہید ہوں گی!" مومنہ اتنے پرزور انداز سے بولی کہ ابو بکر بے اختیار ہنس دیا۔

"میں فرانس میں شہید ہوں گا تو تم کیسے میرے ساتھ جاؤ گی؟"

"اللہ تعالیٰ کے لیے کیا مشکل ہے؟" مومنہ بے نیازی سے بولی اور جھاڑو لگانے لگی اور ابو بکر اپنی سوچوں میں گم ہو گیا۔

خدیجہ اور مصطفیٰ کے لڑتے جھگڑتے کمرے میں داخل ہونے پر وہ دونوں اپنی اپنی سوچوں سے باہر آئے۔ ابو بکر ان کی صلح صفائی کرانے لگا۔

☆☆☆☆☆

ڈرون کی آواز مسلسل فضا میں گونج رہی تھی۔ پچھلے ایک ہفتے سے ڈرون بہت عجیب و غریب انداز سے گھوم رہا تھا۔ اور سب کو روز بروز یقین ہوتا جا رہا تھا کہ اس کے ارادے ٹھیک نہیں ہیں۔

ابھی نور اذکار پڑھ کر اور پورے گھر اور تمام مجاہدین کو اللہ تعالیٰ کی امان میں دے کر لیٹی تھی کہ مومنہ نے اس کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ مصطفیٰ خوش ہو کر اٹھ گیا۔

"مومنہ خالہ! مومنہ خالہ!" وہ کہتا ہوا اس کی طرف بھاگنے لگا، نور نے بمشکل اس کو پکڑا اور دوبارہ بستر میں گھسا دیا۔

"نور! ڈرون بہت زیادہ ہے...... ابو بکر کہیں باہر جا رہے ہیں!...... میں تمہارے پاس آجاؤں؟"

"ہاں ہاں آجاؤ!" نور خوش ہو کر بولی۔

مومنہ خدیجہ کو گود میں لیے اندر آگئی۔

"اصل میں ابو بکر کا خیال ہے کہ اگر اللہ نہ کرے چھاپہ پڑتا ہے تو اگر خواتین زیادہ ہوں گی اور اکٹھی ہوں گی تو ان شاءاللہ فوجی کچھ نہیں کہیں گے!"

مومنہ بھی اس کے ساتھ بستر میں گھس گئی۔ مصطفیٰ خوش ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

"مومنہ خالہ؟...... ہمالے شاتھ؟"

"جی! آپ کے شاتھ!" مومنہ نے پیار سے اس کے پھولے پھولے گال کھینچے اور لیٹ گئی۔ مصطفیٰ بھی خوشی خوشی اس کی طرف کروٹ لے کر لیٹ گیا۔

☆☆☆☆☆

نور ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ فضا میں ہیلی کاپٹر اور سی ون تھرٹی کی دل دہلا دینے والی آوازیں سنائی دے رہی تھی۔

"مومنہ! مومنہ! چھاپہ پڑ گیا ہے!"

مومنہ بھی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ نور کا اندازہ درست تھا۔ ہیلی کاپٹر ان کے صحن میں لینڈ کر رہا تھا۔

''انااللہ واناالیہ راجعون!''نور کا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔

''نور! اب کیا ہو گا؟''مومنہ نے گھبرا کر کہا۔

''اللہ سے دعا کرو!''لرزتے ہونٹوں سے اس کے منہ سے صرف اتنا ہی نکل پایا۔

اس نے جلدی سے عائشہ کو کمبل میں لپیٹا۔ ہل چل کی وجہ سے مصطفیٰ اور خدیجہ بھی اٹھ گئے۔ مومنہ ان دونوں کو بستر کے اندر کرنے لگی۔

اچانک بہت سارے امریکی اور پاکستانی کمانڈوز دروازہ دھکیلتے ہوئے اندر داخل ہو گئے اور ان کو گن پوائنٹ پر ہاتھ کھڑے کرنے کا کہا۔ وہ دونوں ہاتھ اٹھائے بستروں سے باہر نکل آئیں۔

☆☆☆☆☆

ہیلی کاپٹر کو نیچے لینڈ کرتا دیکھ کر ابو بکر کا سانس اوپر کا اوپر رہ گیا۔ وہ اس وقت گھر کے بڑے سے صحن کے کونے میں گھنے سے درخت کی شاخوں میں چھپا ہوا تھا۔ آدھا گھنٹہ کمانڈوز پورے گھر کی تلاشی لیتے رہے، مگر کچھ بھی پانے میں ناکام رہے تو سب واپس جانے کی تیاری کرنے لگے۔ ابو بکر کی بھی جان میں جان آئی۔

اچانک کمانڈوز کے افسر کو نجانے کیا سوجھی۔ اس نے واپس مڑ کر اپنے ماتحتوں سے کچھ کہا۔ پانچ چھ فوجی دوبارہ گھر کے اندر چلے گئے اور چند منٹ بعد چاروں خواتین کو ہتھکڑیاں لگا کر باہر لے آئے۔ ابو بکر حیرت سے ان کو دیکھنے لگا۔ جتنی دیر میں ابو بکر بات سمجھا، وہ نور اور جویریہ کو ہیلی کاپٹر میں بٹھا چکے تھے اور مومنہ اور امینہ خالہ کو بٹھا رہے تھے۔ ابو بکر کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور وہ درخت سے نیچے کود گیا اور اندھا دھند فائرنگ کرتا ہوا ان کی طرف دوڑا۔ اس کے پاس صرف ایک کلاشنکوف تھی۔ آج وہ یا ان کو مار دے گا، یا خود مر جائے گا۔ کمانڈوز میں بھگدڑ مچ گئی، جس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے امینہ خالہ اور جویریہ نے گھر کی طرف بھاگنا چاہا مگر سفاک درندوں نے نازک صنف کا بھی لحاظ نہ کیا اور ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ مومنہ اور امینہ خالہ خون میں نہا گئیں اور زمین پر گر کر تڑپنے لگیں۔ ابو بکر سے یہ دیکھ کر برداشت نہ ہو سکا۔ اس نے جیبے میں پھنسے گرنیڈ نکالے اور فوجیوں کی طرف اچھالنے چاہے مگر اس سے پہلے ہی ڈرون نے تاک کر ایک میزائل مارا جو سیدھا نشانے پر لگا اور ابو بکر، مومنہ اور امینہ خالہ کے ساتھ اپنی مراد پا گیا۔

اس نے تکبیر کا نعرہ لگایا۔

''اے اللہ! تو گواہ رہنا! میں نے اپنا خون تیرے اور تیرے رسول کے تقدس پر آنچ آنے کے رد عمل میں بہا دیا ہے...... اے اللہ! تو گواہ رہنا!!!''

اس نے دھیرے سے سر اٹھا کر ویران آنکھوں سے اوپر آسمان کی طرف دیکھا اور پھر اس کی آنکھیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گئیں۔

☆☆☆☆☆

آج وہ منہ اندھیرے ہی چھت پر آ گیا تھا۔ اس کو دوبارہ دیکھنے کی خواہش، اس کو چین سے بیٹھنے نہ دے رہی تھی۔ کل کا سارا دن وہ اس کو نظر نہ آئی تھی۔ فجر کی اذان ہوئی مگر اس سے وہاں سے ہلا نہ گیا۔ ساتھی تو ویسے بھی سو رہے ہوں گے۔

اتنے اندھیرے میں اس کے باہر نکلنے کے آثار تو نہ تھے۔ مگر وہ پھر بھی نیچے جھکا ہوا تھا کہ اچانک نیچے کے گھر کا دروازہ کھلا اور وہ باہر آ گئی۔ اس کے پیچھے ہی ایک شخص اس کو بازو سے پکڑے ہوئے تھا۔ وہ لڑکھڑا کر چل رہی تھی۔ اس کے قریب ہی ایک اور شخص کھڑا گہری نظروں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس شخص پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس کا دماغ بری طرح کھولنے لگا۔ اس نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس شخص کا سر دیوار میں دے مارے یا کم از کم اس کا بھیجا ہی اڑا دے۔ وہ اس کا سب سے بڑا دشمن جنرل کالن پار کر تھا۔

وہ غصے سے نیچے ہی دیکھ رہا تھا کہ اپنے کندھے پر دباؤ محسوس ہونے پر چونک کر مڑا اور ساکت رہ گیا۔

''بھیا! میں کافی دنوں سے آپ کے چھت پر لگتے چکر نوٹ کر رہا ہوں!...... آپ ان خاتون میں کچھ دنوں سے غیر معمولی دلچسپی نہیں لے رہے؟'' مخاطب کا لہجہ اتنا سنجیدہ تھا کہ اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا اور اس سے چاہنے کے باوجود صحیح جواب ادا نہ ہو پا رہا تھا۔ اتنی اچانک افتاد نے اس کو گونگا ہی کر دیا تھا۔

امیر صاحب اس کو لے کر نیچے آ گئے۔ سب ساتھی نماز کی تیاریاں کر رہے تھے۔ نماز پڑھ کر سب نے ناشتہ کیا۔ ناشتے کے بعد سب ساتھی اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے تو امیر صاحب نے اس کو اپنے پاس بلا لیا۔

''بھیا! آپ ساتھ والے گھر میں اتنی دلچسپی لینے کی کیا وجہ بیان کریں گے؟'' امیر صاحب دھیرے سے بولے تو عبادہ کی آنکھیں گیلی ہونے لگیں۔

''احمد بھائی! وہ عورت میری بیوی تھی!...... ساتھ والے گھر میں میری بیوی اور بہن کی موجودگی!...... مجھے سمجھ نہیں آتا کہ وہ یہاں کیا کر رہی ہیں!...... پتہ نہیں...... شاید...... لگتا ہے کہ

وہ گرفتار ہو گئی ہیں!'' بے ربط سے جملے اس کی دلی کیفیت کی عکاسی کر رہے تھے۔ اب دھک سے رہ جانے کی باری امیر صاحب کی تھی۔ عبادہ کی آنکھ سے آنسو بہہ پڑے۔ عبادہ بہت مضبوط اعصاب رکھتا تھا مگر یہ آزمائش اچھے اچھوں کو توڑ کر رکھ دیتی ہے۔

اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور ارمغان اندر داخل ہوا۔ عبادہ نے اپنا گیلا چہرہ چھپانے کی کوشش میں چہرہ موڑ لیا مگر وہ دیکھ چکا تھا۔ وہ چونک پڑا۔

''عبادہ! کیا ہوا ہے؟ خیر ہے؟'' ارمغان نے اس کی طرف آتے ہوئے پوچھا۔ مگر عبادہ نے کچھ جواب نہ دیا اور منہ موڑے بیٹھا رہا۔ امیر صاحب نے اس کو 'بعد میں' کا اشارہ کیا تو وہ کمرے سے نکل گیا۔

''بھیا!...... آپ فکر نہ کریں! ہم کچھ کرتے ہیں!...... ان شاء اللہ!''

''مصعب کو پتہ نہ لگے تو بہتر ہے!...... وہ پہلے ہی اتنے ضروری کام میں پھنسا ہوا ہے...... ابو بکر بھی انتظار......'' عبادہ بولتے بولتے رک گیا۔ ''ابو بکر کہاں ہے؟...... اللہ نہ کرے، وہ بھی گرفتار نہ ہو؟''

امیر صاحب کے بھی ماتھے پر لکیریں ابھر آئیں اور وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

''بھیا! آپ پریشان نہ ہوں! اللہ تعالیٰ مدد کریں گے!...... ہم کچھ کرنے کی کوشش کرتے ہیں!''

عبادہ خاموش رہا۔ وہ اس وقت زیادہ سوچنے کی حالت میں نہ تھا۔

☆☆☆☆☆

''تم لوگوں نے مجھے کیوں نہیں بتایا تھا؟'' ارمغان غصے سے اپنے سامنے بیٹھے افسر کو دیکھ رہا تھا۔

''ہمیں منع تھا!'' وہ افسر بے نیازی سے بولا۔

''پھر بھگتو!...... کم از کم مجھے بتا دیا ہوتا کہ اس گھر میں رکھا ہوا ہے!...... اب تمام متعلقین کو پتہ چل چکا ہے...... اور جلد ہی عبادہ تک بھی بات پہنچ جائے گی!...... ان کو تو گھر کا بھی پتہ چل چکا ہے!'' ارمغان منہ بنا کر بولا۔ وہ افسر چونک کر سیدھا ہوا۔

''کیا واقعی؟...... تمہیں کیسے پتہ؟''

''آج کل پورے مجموعے میں ہاٹ ترین موضوع بنا ہوا کہ ان کو کیسے چھڑوایا جائے!''

وہ افسر سوچ میں پڑ گیا۔ ارمغان ابھی بھی منہ بنا کر بیٹھا تھا۔ اس کو یوں اپنا آپ نظر انداز کیا جانا اچھا نہیں لگا تھا۔

''ایک کام تم کر سکتے ہو؟''

''ہوں! بولو!''

''تم عبادہ تک کسی طرح رسائی حاصل کر کے اس کو سرینڈر کرنے کی ترغیب دلاؤ!'' افسر کے چہرے پر ایک مکروہ مسکراہٹ ناچنے لگی۔ ارمغان سوچ میں پڑ گیا۔

''ہوں!...... مگر مشکل ہے...... کیونکہ سب کا شک مجھ پر جائے گا!''

''ہوں!'' افسر نے بغور اس کی جانب دیکھا۔ ''پے (تنخواہ) کی تم پرواہ نہ کرو!...... اگر تم نے اس کو سرینڈر کرنے پر مجبور کر دیا...... تو تمہاری پے کو مستقل طور پر ڈبل کر دیا جائے گا!...... اور ہاں! یہ سو (۱۰۰) ڈالر تم پیشگی طور پر رکھ لو!''

ارمغان کی آنکھوں میں چمک آگئی۔ پھر ذرا سنبھل کر بولا۔

''ٹھیک ہے...... مگر یہ ہو گا کافی مشکل!...... میں اپنی زندگی خطرے میں ڈال رہا ہوں تم لوگوں کی خاطر!...... یہ بات ذہن میں رکھنا!'' وہ اس کو جتا کر اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے سے نکل گیا۔

افسر اپنی فتح کے خواب پورے ہونے کی امید پر مکروہ انداز سے مسکرا دیا۔ اس کی ترقی اب یقینی ہو گئی تھی۔

☆☆☆☆☆

نور اور جویریہ پیلے پڑتے چہروں کے ساتھ بے حس و حرکت بیٹھی تھیں۔ نور کمرے کے ایک کونے میں منہ ٹانگوں میں دبائے بیٹھی تھی جبکہ دوسرے کونے میں جویریہ چہرہ دوپٹے سے لپیٹے لیٹی ہوئی تھی۔ کبھی مصطفیٰ روتا، کبھی عائشہ رو پڑتی تو کبھی خدیجہ اپنے اماں بابا کو پکارنے لگتی...... مگر نور اور جویریہ کے کانوں پر جوں بھی نہ رینگتی۔ وہ خود ہی رو رو کر چپ ہو جاتے۔ پچھلے پانچ دنوں سے ان کی یہی حالت تھی۔ کھانا صبح شام آجاتا مگر وہ دونوں ایک لقمہ تک نہ چکھ سکی تھیں۔ گارڈز دن رات ان کو دھمکاتے رہتے۔ تفتیش کے لیے بھی لے جایا جاتا مگر وہ ایک لفظ بھی نہ بول پاتیں۔

آج ان کو چھٹا دن تھا اور تفتیشی کمانڈ کے حکم پر ان کو کھانا ملنا بند ہو گیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ جب بچے بھوک سے بلکیں گے تو مائیں خود ہی سکتے سے باہر آجائیں گی۔

اچانک دروازہ زوردار آواز سے بجا۔ ان دونوں میں سے کوئی نہ ہلا۔

''دروازہ کھولیں!'' ایک شناسا سی آواز سنائی دی، جس نے نور کو چونکنے پر مجبور کر دیا اور وہ ٹرانس کی کیفیت میں دروازے تک گئی اور دروازہ کھول دیا۔ دروازے میں ارمغان کو کھڑا دیکھ کر نور دھک سے رہ گئی۔

”السلام علیکم! نور!...... آپ بالکل فکر نہ کریں!...... آپ کو کوئی مسئلہ نہیں ہو گا! میں آپ کو چھڑوانے آیا ہوں!...... بس ایک آدھ دن لگ جائے گا! آپ......“ مگر اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی نور نے دھاڑ سے دروازہ بند کر دیا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے کو ہوا اور حیرت سے بند دروازے کو دیکھنے لگا۔ پاس کھڑے گارڈ اپنی ہنسی چھپانے کے لیے اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔

نور پیر پٹختی تیزی سے واپس مڑی اور واپس اپنی جگہ پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ وہ ان چھ دنوں میں پہلی دفعہ روئی تھی۔

”جیا؟“

جیا نے کچھ جواب نہ دیا اور منہ لپیٹے یوں ہی لیٹی رہی۔

”جیا!...... ارمغان آیا تھا دروازے پر!“

اب کی دفعہ جویریہ نے چونک کر دوپٹے میں سے سر باہر نکالا۔

”کیا؟...... ارمغان جاسوس ہے؟...... اسی نے ہماری جاسوسی کروائی ہے؟“ وہ پلکیں جھپکا کر بولی۔ سکتہ ٹوٹ گیا تھا اور وہ ان چھ دنوں میں پہلی دفعہ آپس میں بات کر رہی تھیں۔

”لگتا تو یہی ہے!...... ابھی بھی بڑا ہمدرد بن کر آیا تھا۔“ نور کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ ”میں عبادہ سے پہلے ہی کہتی تھی کہ اس کا اچانک سے آپ لوگوں کا ہمدرد بن جانا مشکوک لگتا ہے...... مگر میری بات کو کوئی سمجھتا ہی نہیں تھا!“

جویریہ خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔

☆☆☆☆☆

فجر سے پہلے کا وقت تھا۔ نور کافی دیر سے دروازہ دھڑ دھڑا رہی تھی۔ مگر کوئی بھی نہ سن رہا تھا۔ آخر آدھے گھنٹے کے بعد ایک شخص غصے سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور سامنے کھڑی نور کو زوردار دھکا دیا۔

”کیا مسئلہ ہو گیا ہے ذلیل!“ وہ غصے سے بولا۔ وہ دھکا کھا کر زمین پر گر گئی۔

”بچے کو باتھ روم لے کر جانا ہے! تم لوگ آ کیوں نہیں رہے تھے؟“ نور نے بھی جواباً غصے سے جواب دیا اور زمین سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”اوئے بکواس بند کر! تمیز سے بات کر!“ وہ سانپ کی طرح پھنکارا اور زناٹے دار تھپڑ اس کے چہرے پر رسید کیا۔ نور کا دماغ گھوم گیا۔ وہ ان لوگوں سے اتنی گراوٹ کی امید نہیں کر رہی تھی۔ یہ اس کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہوئی اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کو دیکھنے لگی۔

”بچے کو باتھ روم نہیں لے کر جاؤ گے تو تم لوگوں کا ہی کمرہ گندہ ہو گا!“ وہ بمشکل اپنی کیفیت چھپا کر بولی۔

وہ بکتا جھکتا کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے باہر نکلتے ہی نور کو اپنے اوپر قابو پانا مشکل ہو گیا اور وہ بلک بلک کر رونے لگی۔ جویریہ نے بے بسی سے اس کو اپنے ساتھ لگا لیا۔

آدھے گھنٹے کے مزید انتظار کے بعد وہ شخص دوبارہ آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں بیڑیاں تھیں۔ وہ اس نے نور کے پاؤں میں ڈال دیں۔ نور نے مصطفیٰ کو گود میں اٹھا لیا۔ دو مردوں نے اس کو دونوں بازوؤں سے پکڑ لیا۔

”بزدلو!...... کیا میں اس حالت میں کہیں بھاگ سکتی ہوں؟“ نور غصے سے بولی۔

”بکواس بند کرو! اور چلو!“ ان میں سے ایک نے اس کو زور سے ٹھوکا دیا۔ نور مجبوراً لڑکھڑاتے قدموں سے چلنے لگی۔ باتھ روم سے واپسی پر نجانے کیسے اس کو احساس ہوا تھا کہ ساتھ والے گھر کی چھت سے کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔ مگر جب اس نے سر اوپر اٹھایا تو وہاں کوئی نہ تھا۔ شاید اس کو وہم ہوا تھا۔

”اللہ کرے یہ وہم نہ ہو اور کسی نے مجھے دیکھ لیا ہو۔ شاید کہ بات باہر نکل جائے۔“

☆☆☆☆☆

عبادہ بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ گھر میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اس کے اپنے دل کی حالت بھی کچھ مختلف نہ تھی۔ وحشتوں نے اس کے دل میں بسیرا کر لیا تھا۔ وہ کیوں اتنا مجبور تھا کہ اپنی بیوی، بچوں اور بہن کو اپنی دسترس میں ہوتے ہوئے چھڑوا نہیں پا رہا تھا۔ اس کا دل گھبرانے لگا تو وہ دوسرے کمرے میں آ گیا۔

اس کو علی اور اس کے ایک اور ساتھی کا انتظار تھا۔ مقررہ وقت تو کب کا گزر چکا تھا مگر دونوں کے آنے کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ آخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور گھر کا دروازہ بجا۔ اسی کے ساتھ عبادہ کا دل بھی دھڑکا۔ علی کا مخصوص طے شدہ انداز تھا اس لیے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ علی اور ایک اور مجاہد کسی شخص کو بے ہوش حالت میں اٹھائے اندر داخل ہوئے۔

عبادہ نے جلدی سے جگہ بنائی اور اس شخص کو بستر پر ڈال دیا گیا۔ وہ کوئی امریکی فوجی تھا۔

”کیا رینک ہے اس کا؟“

”کرنل ہے سی آئی اے کا!“ علی نے کپڑے جھاڑتے ہوئے کہا۔

’’اچھا!...... چلو اس کو ہوش میں لاتے ہیں...... پھر کچھ سوچتے ہیں!‘‘عبادہ نے کہا تو وہ تینوں اس کو ہوش میں لانے میں جت گئے۔

☆☆☆☆☆

’’مگر ان کو لینے کے لیے تمہیں جانا پڑے گا!...... وہ یوں نہیں مان رہے!‘‘ ارمغان عبادہ کی طرف پریشان نگاہوں سے دیکھ کر بولا۔

’’ارمغان!...... مگر میرے جانے پر وہ مجھے گرفتار کرلیں گے اور ان دونوں کو بھی نہیں چھوڑیں گے!‘‘

’’ہوں!...... اس بات کی ضمانت تو میں خود نہیں دے سکتا!...... میں جا کر افسر سے دوبارہ بات کرتا ہوں اور تمہارے خدشات بیان کرتا ہوں!‘‘

’’ارمغان! تمہارے تو ان سے پرانے تعلقات بھی ہیں!...... ان کو کم از کم تمہارا تو لحاظ کرنا چاہیے!‘‘

’’ہاں! عبادہ میں کوشش کرتا ہوں!...... ان شاءاللہ کچھ کرتے ہیں...... اگر وہ ضمانت دے دیں کہ تمہیں گرفتار نہیں کیا جائے گا تو پھر یہ صحیح رہے گا!‘‘ ارمغان سوچتے ہوئے بولا۔

عبادہ نے کچھ جواب نہ دیا۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔ ارمغان جواب نہ پا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆☆☆

’’نان سینس! نہیں! یہ نہیں ہو سکتا!...... ہم ان کے علاقے میں کیسے جا سکتے ہیں؟...... وہ ہمیں مار دیں گے!‘‘ جنرل کارٹر کافی کا کپ زور سے میز پر رکھ کر بولا۔

’’سر! وہ بھی اس بات کا خطرہ محسوس کر رہے ہیں کہ ہم لوگ ان کو گرفتار نہ کرلیں!...... سر آپ لوگ مجھے ان کی نظروں میں مشکوک بنا رہے ہیں!‘‘ ارمغان بے بسی سے بولا۔ ’’اور اگر ہم نے زیادہ دیر کی تو وہ کرنل ران کو مار بھی سکتے ہیں...... انہوں نے اگلے مہینے تک کا الٹی میٹم دیا ہے!‘‘

’’ایک آئیڈیا ہے!‘‘ جنرل یکدم خوش ہو کر بولا۔ ’’تم چلے جاؤ ان کو لے کر!‘‘

جنرل کی بات سن کر ارمغان کا چہرہ زرد پڑ گیا۔

’’سر! آپ مجھے پھنسوانا چاہتے ہیں ان کے علاقے میں بھیج کر؟‘‘ وہ کرسی پر ذرا آگے ہو کر بولا۔

’’اگر تم یہ کام کرلو...... اور ساتھ میں عبادہ کو پکڑنے میں کامیاب ہو جاؤ تو تمہیں ترقی مل سکتی ہے!‘‘

’’اور اگر میں واپس نہ آ پایا؟...... انہوں نے مجھے مار دیا تو؟...... کیونکہ وہ میرے معاملے میں شک کرنے لگے ہیں!...... اور نور اور جویریہ اب مجھے دیکھ بھی چکی ہیں۔‘‘

’’گدھے ہو تم!...... کیوں ان کے سامنے گئے تھے؟‘‘ جنرل غصے سے دھاڑا۔

’’وہ میں دیکھنے گیا تھا کہ ان کے ساتھ زیادہ سختی تو نہیں ہو رہی!‘‘

’’تمہیں ان سے کیا ہمدردی؟...... جیسے بھی رہتیں...... تمہیں کیا؟‘‘ جنرل نے مشکوک نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔ پھر اپنی میز کی دراز کھولی اور اس میں سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر ارمغان کی طرف اچھال دی۔

’’ایڈوانس رکھ لو اور کام کر کے لاؤ!‘‘

ارمغان کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ جنرل نے نفرت سے اس کے لالچی چہرے پر ایک نظر ڈالی۔

’’اوکے سر!...... مگر اگر میں پکڑا گیا تو آپ لوگوں نے میری رہائی کی ضرور کوشش کرنی ہے!‘‘ یکدم ہی اس کا انداز بدل گیا تھا۔

’’اوکے! اوکے!‘‘ جنرل نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا۔

ارمغان اس کا اشارہ پا کر اٹھ گیا اور احتیاط سے نوٹوں کی گڈی اپنی جیب میں رکھ کر کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆☆☆

عبادہ اور مصعب گاڑی سے اترے۔ عبادہ نے ایک نظر اِدھر اُدھر دوڑائی۔ اس کے تمام ساتھی اپنی اپنی جگہیں سنبھال چکے تھے۔ اچانک ملٹری کی ایک گاڑی آ کر رکی۔ ان دونوں کے دل بری طرح دھڑکنے لگے اور دونوں نے اپنی گنیں لوڈ کرلیں۔ گاڑی کا دروازہ کھلا اور ارمغان کو اترتا دیکھ کر وہ دونوں دھک سے رہ گئے۔ وہ آخری شخص تھا جس کے آنے کی وہ امید کر سکتے تھے۔ اسی لمحے دو برقعہ پوش خواتین اپنے تین بچوں کے ساتھ گاڑی سے نکل آئیں۔ ان پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھیں ڈبڈبانے لگیں۔ دل پر گویا ٹھنڈے پانی کی آبشار گری ہو، دل کو سکون آیا...... جو کہ پچھلے دو ماہ سے ندارد تھا۔

فضا تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھی۔ نور اور جویریہ بے تحاشہ رو رہی تھیں۔ عبادہ اور مصعب کی اپنی بھی حالت غیر ہو رہی تھی۔ انہوں نے ان دونوں کو سنبھالا اور گاڑی میں لا کر بٹھا دیا۔

کرنل ران کو ملٹری کے حوالے کر دیا گیا۔ وہ گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔ ارمغان بھی موقع غنیمت جان کر گاڑی میں بیٹھنے لگا تھا کہ ایک مجاہد نے اس کے سر پر گن تان لی۔

’’بھائی صاحب! آپ نہیں جاسکتے!‘‘ عبادہ نے ارمغان کی طرف دیکھتے ہوئے سختی سے کہا پھر گاڑی میں بیٹھے فوجیوں کی طرف دیکھا۔ ’’تم لوگ جاسکتے ہو اور اپنے جنرل کو کہہ دینا کہ ہم اس جاسوس کو ٹھکانے لگانے لگے ہیں...... اگر وہ اس کی خیر چاہتا ہو تو ۱۹ تاریخ کو اس کے موبائل پر فون کر لے!‘‘

گاڑی والوں نے کوئی مزاحمت نہ کی اور بھاگ جانے میں ہی عافیت جانی۔

☆☆☆☆☆

عبادہ زمین پر بیٹھا بے آواز آنسو بہا رہا تھا۔ نور اس کو دلاسہ دینے کی کوشش کرتے ناکام ہو چکی تھی۔ مصعب اور جویریہ بھی چہرہ جھکائے کسی گہری سوچ میں گم تھے۔

’’بھیا! بس کرو!...... تم تو اتنے صابر تھے!...... تم کیوں اس طرح رو رہے ہو؟‘‘ آخر کافی دیر کے بعد جویریہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

’’جیا!...... میں سمجھا تھا کہ ماما بھی تمہارے ساتھ ہوں گی!‘‘ عبادہ آنسو صاف کرتے ہوئے بولا مگر آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ ’’اب اتنا صدمہ ہونا تو فطری بات ہے ناں!‘‘

’’بھیا!......‘‘ جویریہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ پائی۔ اس کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔

پھر وہ عبادہ کے سینے سے لگ کر رونے لگی۔ نور اور مصعب خشک آنکھوں سے دونوں کو دیکھے گئے۔ وہ پہلے ہی بہت رو چکے تھے۔ اب چاہنے کے باوجود آنسو سوکھ گئے تھے۔

’’ابو بکر ہمیں بچانے آیا تھا!...... مگر‘‘ عبادہ کے سنبھلنے کے بعد نور نے کہانی دوبارہ شروع کی۔ ’’ہمیں تو بس فائرنگ کی آواز آئی تھی...... ہمیں پکڑنے والوں کی بدحواسی سے فائدہ اٹھا کر ہم نے نیچے جھانکا تو...... ایک طرف ابو بکر خون میں لت پت پڑا تھا......‘‘ نور کی آواز بھر آئی۔ ’’اس کا چہرہ آسمان کی طرف تھا...... اور شہادت کی انگلی بھی آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھی...... اور میرے کمرے کے دروازے کے قریب...... مومنہ اور امینہ خالہ اپنی آخری سانسیں......‘‘

نور کی آواز بند ہو گئی اور وہ رونے لگی۔ باقی تینوں کے بھی آنسو بہنے لگے۔ کافی دیر کے بوجھل لمحات کے بعد کہیں جا کر ان سب کو قرار آیا۔

’’اس بچی کا کیا کریں گے؟‘‘ آخر کافی دیر کے بعد عبادہ کو خدیجہ کا خیال آیا جو حالات سے بے خبر مصطفیٰ کے ساتھ زمین پر قلابازیاں لگا رہی تھی۔

’’یہ میری بیٹی ہے!‘‘ مصعب نے محبت سے اس کی جانب دیکھا۔ ’’ہم ویسے بھی اولاد کی نعمت سے محروم ہیں!...... اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے ہماری کمی دور کر دے گا!‘‘

نور نے غمگین نگاہوں سے خدیجہ کی طرف دیکھا۔ ’’معصوم سی کلی! یتیمی کی مہر لگی ہوئی معصوم جان!‘‘

☆☆☆☆☆

ارمغان عبادہ کی بیٹھک میں رہ رہا تھا۔ ۱۹ تاریخ گزر جانے کے باوجود کسی نے رابطہ نہیں کیا تھا۔ نور اب اس کو مجاہدین کے ہاتھوں میں دیکھ کر پر سکون ہو گئی تھی۔ شکر ہے اب مزید تو وہ کسی کو دھوکہ نہیں دے سکے گا!

مگر اس کی مایوسی کی انتہا نہ رہی جب ایک ماہ بعد ارمغان کو چھوڑ دیا گیا۔

’’عبادہ! کیا ہو گیا ہے آپ لوگوں کو؟...... کیوں چھوڑ رہے ہیں اس کو؟‘‘ وہ غصے میں لگ رہی تھی۔ عبادہ اس کو دیکھ کر بے نیازی سے مسکرا دیا۔ اس کی مسکراہٹ دیکھ کر اس کو مزید غصہ چڑھ گیا۔

’’عبادہ!...... آپ کو یاد نہیں کہ ابو بکر کی جاسوسی بھی اسی نے کروائی تھی!...... اور وہ آپ کو پکڑنے کی نیت سے بھی آیا تھا!‘‘

’’نور! تم جہادی معاملات کو نہیں سمجھ سکتی!‘‘ عبادہ منہ بنا کر بولا۔ نور بے چینی سے پہلو بدلنے لگی۔ عبادہ کچھ دیر گہری نگاہوں سے اس کو دیکھے گیا۔ ’’ہم نے بلاوجہ اس کو نہیں چھوڑا بلکہ مجاہدین کی گرفتار خواتین کے تبادلے میں چھوڑا ہے!...... تم بلاوجہ پریشان نہ ہو!‘‘

’’مگر عبادہ!...... وہ دوبارہ بھی تو کسی کو دھوکہ دے سکتا ہے!‘‘

اس کی بات سن کر عبادہ معنی خیز انداز سے مسکرا دیا۔

’’تم سمجھتی ہو کہ ہم نے کچی گولیاں کھیلی ہیں؟...... ہم نے اس کا پورا بندوبست کر دیا ہے...... ان شاء اللہ اب وہ دوبارہ اس زمین پر نہیں نظر آئے گا!...... ان شاء اللہ!‘‘

عبادہ مسکرا دیا اور اس کے الفاظ کی گہرائی کو سمجھتے ہوئے نور کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔

☆☆☆☆☆

دن چیونٹی کی رفتار سے گزر رہے تھے۔ مجاہدین کے لیے بہت نازک صورتحال تھی۔ تقریباً ۹۰ فیصد علاقے پر مجاہدین کا قبضہ ہو چکا تھا۔ پڑوسی ملک بھی بس فتح ہونے کے قریب تھا۔ دونوں خطوں کے مسلمان ایک وسیع رقبے پر قائم اسلامی مملکت کا خواب دیکھنے لگے۔ مجاہدین کی تمام تر توجہ آج کل اسلام آباد اور راولپنڈی پر مرکوز تھی۔ اور اس میں موجود پاکستانی اور امریکی کیمپوں کی حالت محاصرے میں آئی فوج سے کم نہ تھی۔ امریکہ اپنی تمام تر فوجی صلاحیت خرچ کر رہا تھا۔

ایسے میں امریکہ کے پاکستان میں تعینات چیف آف آپریشنز کی موت نے مجاہدین کی جنگ میں ایک نئی روح پھونک دی اور اسلام آباد اور راولپنڈی کے فوجی کیمپوں اور صدارتی عمارتوں پر شریعت کا مطالبہ کرنے والے کالے جھنڈے لہرانے لگے۔ ایک دن بھی مزید نہ لگا اور پورے ملک میں فتح کا اعلان ہو گیا۔

☆☆☆☆☆

ریڈیو کی شاں شاں پورے کمرے میں گونج رہی تھی۔ نور مصطفیٰ کو کوئی کہانی سنانے کی کوشش کر رہی تھی کہ اچانک عبادہ نے تکبیر کا نعرہ لگایا۔ نور فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی۔ مصطفیٰ بھی اپنے بابا کو جوش میں دیکھ کر تکبیر کے نعرے لگانے لگا۔ عائشہ ان دونوں کو دیکھ کر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"کیا ہوا عبادہ؟"

"امریکہ کا چیف آف آپریشنز جنرل کالن پار کر مارا گیا!...... اللہ اکبر! اسلام آباد مجاہدین کے ہاتھوں میں آ گیا ہے!" عبادہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اور پھر سجدے میں گر کر زار و قطار رونے لگا۔ نور بھی اس کے پہلو میں ہی سجدہ ریز ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی قربانیاں قبول کر لی تھیں۔

سجدے سے سر اٹھا کر عبادہ نے چہرہ اس کی جانب موڑ کر عجیب نظروں سے اس کو دیکھا۔

"کیا ہوا؟ ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟"

عبادہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ بہت مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ نور نے بہت کم مواقع پر اس کو روتے دیکھا تھا۔ مگر اب وہ بہت جلدی ہی رو پڑتا تھا۔

"نور! تمہیں پتہ ہے یہ فدائی ہمارے ایک بہت پیارے اور عزیز ساتھی نے کیا ہے...... جانتی ہو وہ کون تھا؟"

نور نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔ وہ اتنا جذباتی کیوں ہو رہا تھا۔

"کون تھا؟"

"ارمغان!"

عبادہ کی بات اس پر بم بن کر گری۔ وہ حیرت سے گنگ رہ گئی۔ اور ٹکر ٹکر اسے دیکھے گئی۔

"تمہیں یقین نہیں آتا تھاناں کہ وہ میرا ہمدرد کیسے بن گیا...... وہ ڈبل ایجنٹ کا کردار ادا کر رہا تھا...... اس کی وجہ سے مجاہدین کو بہت سے فائدے ہوئے...... وہ بہت عجیب کھیل کھیلتا تھا اور نجانے کیسے ایسی اداکاری کرتا تھا کہ ان کو آخر تک شک ہی نہ ہوا......" جذبات کی وجہ سے عبادہ کی آواز بھاری ہونے لگی۔ "وہ بہت عظیم بندہ تھا!...... بہت نیک بندہ تھا!...... میں نے کبھی تمہیں بھی اسی لیے نہیں بتایا تھا کہ بات باہر نہ نکلے اور دشمن کو شک نہ ہو جائے!...... وہ ہماری کچھ باتیں جن سے نقصان کا اندیشہ نہیں ہوتا تھا، ہماری اجازت سے ان تک پہنچاتا تھا...... مثال کے طور پر جب عادل بھائی گرفتار ہوئے اور ہم لوگ وہاں سے بھاگ کر واپس آ گئے تو اس نے مخبری کی جس کی بنیاد پر انہوں نے چھاپہ بھی مارا مگر ان کے ہاتھ کچھ نہ آیا!...... وہ کافی عرصے سے میرے پیچھے پڑا ہوا تھا کہ میں نے فدائی کرنا ہے...... مگر میں کسی بڑے ہدف کے انتظار میں تھا جو کہ آج الحمدللہ کام آ گیا!...... اور مجاہدین کی جنگ کا پلڑا بھاری کر گیا!" عبادہ ایک ہی سانس میں ساری بات کر گیا۔ نور بس پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کو دیکھے گئی۔ حیرت کے مارے اس کی زبان نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اور وہ اتنے بڑے انکشاف پر کچھ بھی نہ بول پائی تھی۔

☆☆☆☆☆

"فرانس میں گستاخانہ خاکے چھاپنے والے اخبار پر گزشتہ ماہ ہونے والے حملے میں ملوث شدت پسندوں کی تلاش ابھی تک جاری ہے...... تمام بیرونی راستے بند کر دیے گئے ہیں...... تاہم سکیورٹی اہلکاروں کا کہنا ہے کہ اگر حملہ آور پہلے ہی فرار ہو گئے ہوں تو اب ان کو پکڑا نہیں جا سکتا!...... یاد رہے کہ یہ حملہ فرانس کی تاریخ کا سب سے زیادہ خطرناک دہشت گردانہ حملہ تھا...... جس میں سو کے قریب ہلاکتیں ہوئی تھیں...... اور پانچ کارٹونسٹ ہلاک ہوئے تھے...... فرانس کے وزیر اعظم کا کہنا ہے کہ ایسے حملوں سے اظہار رائے کی آزادی کو خطرہ لاحق ہے!"

"نور! تمہارے بھائی بہت عظیم ہیں!" خبر سن کر عبادہ بے دھیانی میں بول گیا۔ نور نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

"کیا مطلب؟" اس نے حیرت سے پوچھا تو وہ گڑبڑا گیا۔

"وہ...... یہ...... حملہ پہلے ابو بکر نے کرنا تھاناں!"

نور کے چہرے پر ایک حیران اور اداس مسکراہٹ چھا گئی۔ اس کو تو یہ بات ابھی تک نہیں معلوم تھی۔

دوسری طرف اسی محلے میں...... ان کے گھر سے دو گھر کے فاصلے پر مصعب اپنے گھر کا دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔ جویریہ نے دروازہ کھولا تو اس کو زندہ سلامت دیکھ کر حیران رہ گئی۔ خبر سن کر تو وہ اس کو شہید ہی کر وا چکی تھی۔ مصعب اس کو دیکھ کر مسکرا دیا اور اندر داخل ہو کر احتیاط سے دروازہ بند کر کے اس کی طرف مڑا اور اپنا ہاتھ اس کے سامنے لہرایا۔ اس کے ہاتھ میں خود آلود اخبار کا ایک ٹکڑا تھا۔ جویریہ نے اس کے ہاتھ سے وہ جھپٹ لیا۔ وہ گستاخانہ خاکے شائع کرنے والے اخبار کا پھٹا ہوا ٹکڑا تھا۔ مصعب اپنی کارروائی کی نشانی ساتھ لایا تھا۔

(باقی صفحہ نمبر 93 پر)

سُلطانئ جمہور

علی بن منصور

یوں تو اپریل بھی کچھ کم گرم نہ تھا، لیکن مئی اور جون تو آگ برساتے، جھلتے، جھلساتے ہوئے گزرے۔ ماڈل ٹاؤن، اے بلاک میں واقع مکان نمبر ۴۳۴، ہاشمی ہاؤس پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو وہ اپنی جگہ گرمی کی شدت سے مرجھایا ہوا کھڑا نظر آتا۔ بیرونی دیوار پر جھولتی سدا بہار بیل گرد و غبار سے اٹی ہوئی، جھاڑ جھنکار کی سی شکل اختیار کر گئی تھی۔ گملوں اور کیاریوں میں لگے پھول اور لان کی ہری بھری، سرسبز گھاس، سب ہی دھوپ کی شدت سے جل گئے تھے۔ دیواروں کا رنگ اڑا اڑا سا نظر آتا اور گیٹ کے باہر دیوار کے اس حصّے کا تو اب پلستر بھی اکھڑنا شروع ہو گیا تھا جسے دھوپ سے بیزار، پسینے میں نہائے ہوئے گھر آنے والے موٹر سائیکل سواروں نے گیٹ کھلنے کے انتظار میں ٹکریں مار مار کے زخمی کر دیا تھا۔

اندر کی جانب چلیں تو صحن کا فرش دھول مٹی، گریس اور پٹرول کے داغ دھبوں سے اٹ کر اپنی اصل شکل کھو چکا تھا۔ برآمدے کی سیڑھیوں کا ٹوٹا، اکھڑا ہوا پتھر اب کئی جگہوں سے اکھڑ چکا تھا، اور اندر سے جھانکتا سیمنٹ گویا اپنی برہنگی پر شرمارہا تھا۔ مزید آگے بڑھیں تو ہاشمی ہاؤس کا یہ برآمدہ جو گھر کے دونوں حصّوں کو جوڑتا تھا، اور کبھی اہلِ خانہ کے لیے مل بیٹھنے کے لیے ایک آرامدہ اور پرلطف جگہ فراہم کرتا تھا، آج کسی سیاسی گیلری سے کم نہیں تھا۔ یہ برآمدہ اب تک متعدد احتجاجی مظاہروں کا سٹیج بن چکا تھا، اور ہر مظاہرہ در و دیوار پر، فرش تا بام اپنے یادگار نقش و نگار چھوڑتا گیا تھا۔

دیواریں احتجاجی نعروں اور جملوں سے بھری ہوئی تھیں۔ جگہ جگہ پمفلٹ اور پوسٹر ز چسپاں تھے۔ موجودہ حکومت کے خلاف سڑانڈ زدہ، گویا ابلتے گٹر سے نکلے ہوئے مذمتی جملے جگہ جگہ نمایاں نظر آرہے تھے۔ مگر ساتھ ساتھ پسند کے لیڈر کے حق میں لکھے نعروں کی بھی کمی نہ تھی، مطالبات، گھر کے مختلف افراد کے مزاحیہ خاکے اور کارٹون...... غرض زبان و بیان کی شعلہ افشانیوں سے لے کر قلم و تصور کی ندرت و مہارت کے بہترین نمونے اس دیوار پر جلوہ گر تھے۔ دیوار کے ایک بلند کونے میں البتہ نجانے کس ستم ظریف نے جلی حروف میں لکھ دیا تھا: 'حسنِ جمہوریت: آزادئ اظہارِ رائے!'' بلاشبہ برآمدے کی دیواریں اور ستون جمہور کے اظہارِ رائے کی بہترین عکاس تھیں، مگر اس میں حسن و جمال تلاشنے کے لیے غیر معمولی بصارت و بصیرت درکار تھی۔

☆☆☆☆☆

آج پھر ان کے سر میں درد تھا۔ کچن سے پیناڈول کی دو گولیاں پانی کے ساتھ پھانکتے ہوئے صولت بیگم سوچ رہی تھیں کہ جلدی سے جا کر لیٹ جائیں، اس سے پہلے کہ درد شدت اختیار کرے۔ یہ سر درد بھی...... جگر کے درد کی طرح ان کا مستقل ساتھی بنتا جارہا تھا۔

کمرے میں آکر انہوں نے دوپٹہ بیڈ پر ڈال دیا اور خود بیت الخلاء کا رخ کیا۔ سر درد کے باوجود انہیں اپنے معمولات پورے کیے بغیر نیند کہاں آنی تھی۔ بستر پر لیٹ کر کروٹیں بدلنے سے بہتر تھا چند رکعت نفل پڑھ کر اپنے لیے اور گھر والوں کے لیے دعا ہی کر لیں۔ آخر مجبور عوام کا دعا کے علاوہ بس چلتا ہی کس چیز پر ہے...... نل کھولنے کے لیے ٹونٹی گھمائی تو پانی ندارد......وہ یکدم گھبرا گئیں...... یا اللہ! آج پھر پانی ختم نہ ہو گیا ہو۔ مزید کھولنے کے لیے گھمائی...... ٹونٹی گھماتے گھماتے، جتنا گھوم سکتی تھی، اب گھوم چکی تھی...... ہلکی سی گڑگڑاہٹ کی آواز ابھری، پھر ایک...... اور دو ننھے منّے پانی کے قطرے نل کے نیچے رکھے ان کے منتظر ہاتھ میں جا ٹپکے...... پھر باریک سی دھار...... صولت بیگم نے جلدی سے اس دھار کو ہاتھوں پر مَلا... ان کی پر امید نظریں اس دھار پر جمی ہوئی تھیں...... یا اللہ! پانی آجائے!...... پانی بھیج دیں...... بس ذرا سا پانی کہ وضو ہو جائے......!

مگر دھار باریک سے باریک تر ہوتی جارہی تھی...... پھر دو...... ایک...... چند قطرے مزید ٹپکے ...... اور پانی ختم! انہوں نے غصّے سے نل پر ہاتھ مارا۔ ٹپ! کی آواز کے ساتھ ایک موٹا قطرہ ان کا منہ چڑاتا ہوا سِنک میں جا گرا...... پانی ختم ہو چکا تھا۔ نل کا منہ یوں سوکھا پڑا تھا جیسے پانی کی شکل بھی کبھی نہ دیکھی ہو۔ غصّے سے کچھ بڑبڑاتے ہوئے انہوں نے نل بند کیا اور باہر کا رخ کیا۔

بیت الخلاء سے نکل کر انہوں نے چٹکی سے بستر پر پڑا اپنا دوپٹہ اٹھا کر سر پہ ڈالا اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔ اب باری باری انہیں گھر کے تمام بیت الخلاء دیکھنے تھے، اللہ کرے کہیں پانی نصیب ہو جائے۔ بالآخر نبیلہ و فاطمہ کے کمرے کے بیت الخلاء میں بالٹی کی تہہ میں پڑا انہیں تھوڑا سا پانی مل گیا۔ نجانے پاک بھی ہے یا نہیں...... مگر کیا کرتیں، مجبوری تھی، انتہائی کفایت شعاری سے پانی استعمال کیا کہ صرف فرائض ادا کرنے ہی کی گنجائش تھی، وضو ہو گیا تو وہ قدرے مطمئن، قدرے غیر مطمئن سی باہر نکلیں۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر کتابوں کے شیلف سے اپنا قرآن مجید اٹھایا اور صوفے پر پاؤں اونچے کر کے بیٹھ گئیں۔ چشمہ درست کیا، بڑے اہتمام سے جہاں نشانی لگا رکھی تھی وہاں سے کھولا اور بسم اللہ پڑھ کر تلاوت شروع کی۔ ابھی پہلی آیت بھی مکمل نہ ہوئی تھی کہ یکدم کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔ بیڑا غرق!...... دماغ کے تمام تار جھنجھنا اٹھے، بجلی کو بھی اسی وقت جانا تھا، انہیں

سخت تاؤ آیا۔ قرآن مجید احتیاط سے صوفے کے ساتھ رکھی چھوٹی تپائی پر رکھا اور خود ٹٹولتے ٹٹولتے دروازے تک آئیں۔ یو پی ایس کیوں نہیں چل رہا، انہوں نے دروازے میں کھڑے کھڑے ہی اونچی آواز میں پوچھا۔ کوئی جواب نہ ملا۔

چند منٹ وہیں کھڑے کھڑے وہ باری باری اپنی تمام آل اولاد کو پکار چکی تھیں اور اب آگے بڑھ کر ان کے کمروں میں جھانکنے کا ارادہ ہی کر رہی تھیں کہ دور کہیں سے زین کی آواز میں جواب ملا: یو پی ایس بیٹری سے مناسب وولٹیج نہ ملنے کے باعث بند ہو گیا تھا، بجلی تو بہت دیر سے گئی ہوئی تھی۔ اگر انہیں ضرورت ہے تو انہیں اپنے موبائل کا ٹارچ جلا لینا چاہیے، ساتھ مشورہ مفت تھا۔

صولت بیگم کو اپنے سر کا درد دوچند ہوتا محسوس ہوا۔ وہ ٹارچ کی روشنی میں تلاوت نہیں کر سکتی تھیں۔ غصّے سے کھولتے ہوئے واپس کمرے میں آئیں۔ آنکھیں اب تک اندھیرے کی عادی ہو چکی تھیں اور مبہم مبہم ہیولے سے نظر آ رہے تھے۔ کھڑکی تک پہنچ کر انہوں نے پردے کھینچ کر پیچھے کیے تو سامنے ہی ہمسایوں کی کوٹھی بقعۂ نور بنی نظر آئی۔ جگمگاتی روشنیوں کی جھل مل سے ان کا کمرہ بھی مدھم سے روشن ہو گیا۔ کم از کم چیزیں نظر آنا شروع ہو گئیں۔ وہ سخت بیزاری محسوس کرتے ہوئے اپنے بستر پر آ کر لیٹ گئیں۔ اب نہ نیند آ رہی تھی، نہ سر کو آرام میسر تھا...... اور نہ دل کو چین۔

حسرت بھری نگاہیں سامنے والوں کی کوٹھی پر جمی تھیں۔ ایک وقت تھا جب ہاشمی ہاؤس بھی یونہی جگمگایا کرتا تھا۔ اور آج یہ حال تھا کہ وہ گھنٹہ گھنٹہ بھر بجلی کی سہولت میسر آنے پر خوشی سے نہال ہو جاتے کہ بجلی تو آئی۔ ہفتہ بھر پہلے عمیر نے نئی ہدایات پر مبنی ایک پرچہ جاری کیا تھا۔ اس میں تمام گھر والوں کو بحیثیت ایک جمہوری گھرانے کے ذمہ دار مکین ان کا یہ فرض یاد دلایا گیا تھا کہ گھر کی موجودہ کمزور معاشی صورتحال کا تدارک کرنے کے لیے ان سب کو اپنا اپنا حصّہ ڈالنے کی ضرورت تھی۔ لہٰذا انبیلہ نے وظیفوں میں جو کٹوتی کا سلسلہ شروع کیا تھا اور جسے عمیر نے برقرار رکھا تھا، اب اسے بڑھا کر پچاس فیصد تک کر دیا گیا تھا۔ دونوں پورشنز کے پانی، بجلی اور گیس کے میٹر الگ کر دیے گئے تھے اور ان سہولیات کے بل مناسب حدود میں لانے کے لیے ان کی بھی حدِ استعمال مقرر کر دی گئی تھی۔ جو پورشن بھی اپنے حصّے سے زیادہ بجلی، پانی وغیرہ استعمال کرتا، اس کی یہ سہولت خود بخود منقطع کر دی جاتی۔ سرکُلر میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ ان نئے قوانین سے گھر والوں کو کچھ زحمت پہنچنے کا احتمال ہے، مگر ان سب کو یاد رکھنا چاہیے کہ زندہ قومیں مشکل حالات کا مل جل کے صبر سے سامنا کرتی ہیں۔

ہاشمی ہاؤس کے مکین اب تک ان نئے قوانین کے عادی نہ ہو پائے تھے۔ اولین ردعمل تو یہ سامنے آیا کہ ایک بڑی ریلی کی صورت میں تمام گھر والوں نے برآمدے میں دھرنا دیا، اس سرکُلر کو احتجاجاً نذرِ آتش کیا گیا اور کہا گیا کہ یہ فیصلہ کسی کے لیے قابلِ قبول نہیں۔ ابا جی، جنہوں نے پہلی دفعہ ایسے کسی دھرنے میں شرکت کی تھی، نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ آج تم لوگوں نے گھر کے اخراجات علیحدہ کیے ہیں، کل کو گھر کے درمیان دیوار بھی کھڑی کر لو گے۔ مگر عمیر نے اس احتجاج کا بطورِ خاص نوٹس لیا، سب گھر والوں سے ایک نہایت دلسوز خطاب کیا، ان کے خدشات دور کیے اور انہیں یقین دلایا کہ یہ محض وقتی اقدامات ہیں، جیسے ہی گھر کے حالات کچھ بہتر ہوتے ہیں، وہ سب پرانی روٹین پر واپس آ جائیں گے۔ آخر میں سب سے یہ استدعا بھی کی کہ اس نازک مرحلے میں گھر والے اس کی مخالفت کر کے مشکلات پیدا کرنے کے بجائے اس کے ساتھ قدم ملا کر کھڑے ہوں، تقسیم و انتشار سے بچیں اور گھرانے کو بحران سے نکالنے میں اپنا اپنا کردار ادا کریں۔

اس کے بعد پُرامن احتجاج جاری رکھنے کے لیے اویس نے گھر میں ایک طلبہ تنظیم نما بنانے کی کوشش کی اور اس کے تحت ایک احتجاجی جلوس نکالا، کہ بہرحال ان نئے قوانین سے گھر کے وہ بچے جن کے امتحانات سر پر کھڑے تھے، سب سے زیادہ متاثر ہو رہے تھے۔ مگر اس کا جو نتیجہ نکلا وہ ان سب کے لیے نہ صرف غیر متوقع و حیرت انگیز، بلکہ سبق آموز بھی تھا۔ اویس برآمدے میں ایک کرسی پر کھڑا گھر کے طلبہ کو درپیش تعلیمی مسائل پر روشنی ڈال رہا تھا کہ نذیر اور امانت برآمدے میں نمودار ہوئے۔ ان کی آمد کا کا شاید ہی کسی نے کوئی نوٹس لیا ہو مگر اویس کے قریب پہنچتے ہی یکایک امانت نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کے کمر کے پیچھے کیے اور اسے کرسی سے صاف اٹھا لیا، جیسے کسی ننھے بچے کو اٹھاتے ہیں، اور اس سے پہلے کہ نور، جویریہ، ہادیہ، فاطمہ اور زین میں سے کوئی معاملہ سمجھ پاتا...... امانت اور نذیر بمع اویس گھر کے اندرونی حصّے میں غائب ہو چکے تھے۔

یہ سب اس قدر اچانک اور غیر متوقع تھا کہ جب تک اویس کے ہکّا بکّا مخاطبین معاملہ سمجھ کر اس کو بچانے کی خاطر اٹھے، زوار موقع پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے انتہائی سنجیدہ و سنگین انداز میں انہیں سمجھا دیا کہ گھریلو معاملات میں رخنہ ڈالنے کی کوئی کوشش اب مزید برداشت نہیں کی جائے گی۔ طلبہ کے لیے بہتر ہے کہ وہ سیاست کے بجائے اپنی تعلیم پر توجہ دیں۔ ہاں یہ مت سمجھا جائے کہ حکومت کو ان کی کوئی پروا نہیں۔ یہ ثابت کرنے کے لیے آخر میں اس نے ان سب کو ایک ایک خوبصورت سی ٹارچ دی، جس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس کے ایک سرے پر ایک چٹکی لگی تھی جو کسی بھی کتاب کی جلد سے جوڑی جا سکتی تھی۔ پھر ٹارچ کی ملائم گردن موڑ کر اپنی مرضی کے مطابق ڈھالا جا سکتا تھا۔ روشنی صفحات کو منور کر دیتی اور یوں طلبہ کی سب سے ہمدرد و غمگسار حکومت نے ان کا وہ مسئلہ حل کر دیا جس کے لیے وہ سڑکوں پر نکل کر اپنا قیمتی وقت برباد کرنے والے تھے۔

اپنے بستر پر لیٹی صولت بیگم کی آنکھوں سے نیند ایسے ہی غائب ہو گئی تھی جیسے ان کے گھر سے خوشیاں، زندگی سے چین و راحت اور دل سے سکون......

اور اب وہ اکیلی نہیں تھیں جو اکثر ہی یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتیں کہ ان کے گھرانے کی اس بربادی وبدحالی کا ذمہ دار کون تھا؟؟

آج چھوٹے بڑے بہت سے ذہنوں میں یہ سوال کلبلا رہا تھا کہ کیا واقعی جمہوریت میں ہی ان کے مسائل کا حل پنہاں تھا؟ کیا ایک شخص کی سربراہی...... جس کے فیصلوں میں دیگر اصحاب عقل و رائے کا مشورہ شامل ہو...... بہتر تھا یا ایک شخص کی سربراہی...... جس کے فیصلوں میں بظاہر پورے گھرانے کے چھوٹے بڑے تمام افراد کی حمایت شامل ہو...... بہتر تھا؟!

سب کی حکومت وہ سراب تھا جو آج اگر سب پر واضح نہیں تھا، تو بھی گھر کی اکثریت کسی نہ کسی درجے میں سمجھنا شروع ہو گئی تھی کہ اس خواب میں اتنی حقیقت نہیں جتنی وہ سمجھتے چلے آئے تھے۔ پھر بھی...... چاہے گھر کو چلانے میں ہر ایک کا ہاتھ شامل نہ بھی ہوتا، حکومت و سربراہی بعض مخصوص ہاتھوں میں ہی رہتی، اور دیگر افراد اپنی خاموش حمایت کے ساتھ ان ہاتھوں کو مضبوط کرتے، مگر گھر مجموعی طور پہ صحیح رخ پر چلتا رہتا...... تو کیا برا تھا؟! نظام کوئی بھی ہو، اس کو چلانے والا کیسا ہی کیوں نہ ہو، مگر نتائج کے اعتبار سے گھر اور افراد ترقی کریں، خوشحال ہوں، گھر کی گاڑی صحیح سمت میں چلتی رہے...... تو کیا فرق پڑتا ہے؟

صولت بیگم عثمان صاحب نہیں تھیں، جو کہتے تھے کہ گاڑی کا نظام اندر سے ہی مکمل گڑبڑ کا شکار ہو، گیئر باکس خراب ہو، بریکیں فیل ہوں...... تو جلد یا بدیر گاڑی حادثے کا ہی شکار ہو گی...... اور نہ ہی وہ ابو بکر صاحب تھیں جن کی خوش امیدی یہ کہتی تھی کہ گاڑی کا نظام ٹھیک ہے، ہاں ڈرائیور ٹھیک نہیں، جو گاڑی کے غلط راستے پر چلنے کا ذمہ دار ہے۔ وہ تو محض ایک عام سا فہم رکھنے والی سواری تھیں، معمولی ذہانت وبصیرت کی مالک...... مگر وہ سب جس تیزی سے تنزل کا سفر طے کر رہے تھے، یہ سمجھنا کسی کے لیے بھی مشکل نہ رہا تھا کہ کہیں کوئی بہت بڑی گڑبڑ موجود تھی۔

دن گزر رہے تھے، رستہ کٹ رہا تھا۔ وقت تو اچھا ہو یا برا، گزر ہی جاتا ہے۔ شاید یہی وقت کی اچھی بات ہے۔

☆☆☆☆☆

نسرین کے مقدمے کی پیشی تھی۔ شاید اہم ترین پیشی...... اسے خود بھی عبد اللہ کے ساتھ پیش ہونا تھا۔ اس کے ساتھ ابو بکر صاحب، عمیر، ولید اور صولت بیگم، سب ہی موجود تھے۔ اب ایک آدھ پیشی ہی میں اس کے مقدمے کا فیصلہ متوقع تھا۔ اور وہ خود اس پیشی سے گزرنے کے لیے کتنے دنوں سے اندر ہی اندر خود کو تیار کرنے میں مصروف تھی۔

مگر وہ کتنی ہی تیاری کر لیتی، کتنا ہی خود کو مضبوط کر لیتی، کچھ بھی اس کو ان نظروں کے لیے حتماً تیار نہ کر سکتا تھا جن کا لا محالہ اسے کورٹ میں سامنا کرنا تھا۔ ارشد کی وقتاً فوقتاً ان کی جانب اٹھتی غصّہ و رنج سے بھری، منتقم نگاہیں۔ رخشندہ بیگم کی بھیگی بھیگی، شکوہ کرتی نظریں...... اور پھر پیشی کے بعد جب وہ کمرۂ عدالت سے نکلی تو رخشندہ بیگم باہر ہی ان کی منتظر کھڑی تھیں۔ عبد اللہ کو دیکھ کر انہوں نے والہانہ انداز میں اپنے بازو پھیلا دیے اور ارد گرد موجود لوگوں کی پروا کیے بنا بے تابانہ اسے پکارنا شروع کر دیا۔ نسرین کی گرفت عبد اللہ کے ہاتھ پر مضبوط ہو گئی، وہ کسی صورت یہاں کمزوری دکھانے کی متحمل نہیں تھی۔ عبد اللہ بھی انجان ماحول اور ایک عرصے سے ددھیالی رشتوں سے دور رہنے کے باعث حیرت اور پریشانی سے رخشندہ بیگم کی طرف دیکھ رہا تھا، جو اب بآوازِ بلند رونے اور عبد اللہ کو آوازیں دینے کے ساتھ ساتھ نسرین کو بھی برا بھلا کہہ رہی تھیں۔ ان کے شور سے پریشان ہو کر وہ مزید ماں کے ساتھ چمٹ گیا۔

''تم ہم سے ہمارا بچہ چھین لو گی؟! کبھی اسے ہمارے پاس نہ آنے دو گی......؟''، وہ جذباتی انداز میں روتے اور چلّاتے ہوئے نسرین سے مخاطب تھیں۔

''کون کس سے کیا چھینے گا...... یہ تو وقت بتائے گا، ابھی عدالت کا فیصلہ نہیں آیا......''، ارشد تسلّی تو ماں کو دے رہا تھا، مگر نسرین کو لگا گویا اسے دھمکا رہا ہے۔ عبد اللہ اس کے پاس جانے کو بھی تیار نہیں تھا۔ ''تم میرے بیٹے کو میرے خلاف نہیں کر سکتیں......''، وہ خاموشی سے وہاں سے گزر جانا چاہتی تھی، جاتے جاتے یہ ارشد کا آخری جملہ تھا، جو اس کے کانوں نے سنا۔

رنج، دکھ اور زیاں کا ایک شدید احساس تھا، جس نے اسے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ آج عدالت میں پیشی کے تین دن بعد بھی اس کے دل کی کیفیت ایسی ہی تھی۔ وہ خود کہیں بھی نہیں تھی۔ اس کی ذات کے ساتھ روا رکھی گئی زیادتی پر کہیں کوئی پشیمانی، کوئی اظہارِ افسوس و ندامت، کوئی شرمندگی...... کچھ بھی تو نہ تھا۔ وہ فطرتاً صلح جو اور نرم مزاج کی مالک تھی، لڑائی جھگڑا اور منتقم مزاجی اس کی طبیعت اور مزاج کا حصّہ نہ تھا۔ اگر ایک بار بھی فریقِ مخالف ذرا سے اظہارِ شرمندگی کے ساتھ اسے اس کے جائز حقوق اور مقام دینے پر رضامندی کا اظہار کرتا، تو شاید وہ عبد اللہ کو باپ اور ددھیالی رشتوں سے یکسر محروم کرنے کی کوشش نہ کرتی۔ کیونکہ وہ محض ایک عورت نہیں تھی، بلکہ اس سے بڑھ کر ایک ماں بھی تھی۔

مگر یہ ارشد اور اس کے گھرانے کا انتہا پر مبنی معاندانہ رویہ تھا، وہ جانتی تھی کہ جب جب بھی وہ عبد اللہ سے ملاقات کرتے، یہ ممکن ہی نہ تھا کہ وہ اسے ماں کے خلاف بھڑکانے کی کوشش نہ کرتے۔ اور گھر ٹوٹنے کے بعد عبد اللہ کو کھونے کا خیال ہی اس کے لیے روح فرسا تھا۔ وہ عبد اللہ کو ہر قسم کے منفی تاثر و جذبے سے محفوظ رکھنا چاہتی تھی، یہی وہ خیال تھا جس نے ارشد اور اس کے گھرانے کا باب ہمیشہ کے لیے اپنی کتابِ زندگی سے خارج کر دینے کے فیصلے پر اسے ابھارا تھا۔

عبد اللہ...... گھوم پھر کر اس کی سوچوں کی ڈور اسی پر آ کر ٹوٹتی تھی۔ کونسی ماں ہے جو اپنے بچے کے لیے ایک ٹوٹا بکھرا ہوا گھر، اور باپ کی محبت و شفقت سے عاری زندگی پسند کرے گی؟ وہ

بھی ایسا نہیں چاہتی تھی، لیکن اگر اس کے بچے کی قسمت میں یہی لکھا تھا تو وہ کیا کر سکتی تھی۔ اس کی تو زندگی کا کل محور اس کا بیٹا تھا۔ اس کی ہر دلچسپی عبد اللہ کی ذات سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہو جاتی۔ ابھی تو وہ چھوٹا سا تھا، نہ بہت سمجھتا تھا نہ محسوس کرتا تھا، پھر بھی اس کی باتوں اور حرکتوں پر نسرین کی گہری نظر ہوتی۔ شاید وہ ضرورت سے زیادہ اس کے بارے میں حساس ہو گئی تھی۔

اس خیال کے ساتھ ہی اسے عبد اللہ کی غیر موجودگی ستانے لگی۔ نجانے کہاں تھا وہ، بہت دیر سے اسے دیکھا نہ تھا۔ وہ بھی آج کل بیٹھے بیٹھے خیالات کے تانے بانے بنتے دور نکل جاتی، اپنی غفلت پر حیران ہوتے ہوئے وہ عبد اللہ کو ڈھونڈنے اٹھ کھڑی ہوئی۔

اپنے پورشن کی اوپر نیچے دونوں منزلیں دیکھ ڈالیں اور کہیں بھی عبد اللہ نہ ملا تو وہ ہلکی سی تشویش محسوس کرتے ہوئے صولت بیگم کی طرف آئی۔ ”امّی......! عبد اللہ کو تو نہیں دیکھا آپ نے؟......بہت دیر سے کہیں نظر نہیں آ رہا“، دروازہ ہلکا سا بجا کر اندر جھانکتے ہوئے نسرین نے پوچھا۔ صولت بیگم اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھیں۔ سو تو نہیں رہی تھیں مگر شاید سونے کی کوشش کر رہی تھیں،

”عبد اللہ......؟“، انہوں نے دوپٹے سے باندھا ہوا سر اٹھایا، ”......نہیں ادھر تو نہیں آیا......میں تو خود اتنی دیر سے کمرہ بند کر کے پڑی ہوئی ہوں......فاطمہ سے پوچھو، ہو سکتا ہے اس کے پاس ہو......“۔

نسرین اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مڑ گئی، نجانے کیوں دل ایک دم پریشان سا ہو گیا تھا۔ فاطمہ اور نبیلہ کے کمرے میں جھانکا تو وہ دونوں اپنی اپنی ڈیوائسز کے ساتھ مصروف تھیں۔

”فاطمہ......تم نے عبد اللہ کو دیکھا ہے کہیں؟......مجھے کہیں مل نہیں رہا“، نسرین کو اپنی بات دو بار دہرانی پڑی۔ فاطمہ نے کانوں میں ٹھونسی کن ٹوٹیاں نکالیں اور آنکھیں جھپک جھپک کر نسرین کو دیکھنے لگی۔ ”......آں...ہاں!......شاید بتول کے ساتھ کھیل رہا تھا......“۔

وہ سر ہلاتی باہر کی جانب چل پڑی۔ اب بھلے سے وہ اپنے بیٹے کے بارے میں ضرورت سے زیادہ حساس اور کسی حد تک وہمی ہوتی جا رہی تھی، مگر عبد اللہ کو دیکھے بغیر اسے سکون نہ ملنے والا تھا۔ ساتھ والے پورشن کے لاؤنج کا دروازہ کھٹکھٹا کر اس نے کچھ دیر انتظار کیا، کوئی جواب نہ ملا تو خود ہی دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ سامنے ہی ایک صوفے پر نور سو رہی تھی۔ شاید پڑھتے پڑھتے سو گئی تھی، صوفے سے لٹکتے اس کے ہاتھ کے پاس ہی اس کی کتاب اوندھی پڑی تھی۔ عثمان صاحب کے بچوں میں سے ایک صہیب کے علاوہ باقی سب اپنے اپنے امتحانات کی تیاری میں مصروف تھے، سب کی پڑھائی زوروں پہ تھی۔

وہ لاؤنج میں کھڑی ہادیہ اور جویریہ کو آوازیں دے رہی تھی کہ فائزہ چچی کے کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ نمودار ہوئیں۔ ہاتھوں میں عثمان صاحب کے کھانے کی ٹرے اٹھائے وہ تھکی تھکی اور پریشان لگ رہی تھیں۔ ”نسرین......! کیسی ہو؟ کیسے آنا ہوا؟......لڑکیاں تو اکیڈمی گئی ہوئی ہیں، تمہیں ان سے کوئی کام ہے؟......“، اسے دیکھ کر وہ رسماً مسکرائیں۔

”......عبد اللہ کو ڈھونڈ رہی ہوں چچی......کہیں مل نہیں رہا، پتہ نہیں کہاں جا کر بیٹھ گیا ہے۔ فاطمہ کہہ رہی تھی کہ بتول کے ساتھ کھیل رہا تھا......اسی کو دیکھنے آئی تھی“۔

”......بتول کے ساتھ......ہاں، اوپر ہو گا پھر تو......“، فائزہ چچی کی مسکراہٹ سمٹی، پیشانی پر شکنوں کا جال بچھ گیا تھا، ”......میں نے تو بتول کو اور نہ اس کی ماں کو......کسی کو نہیں دیکھا کئی دنوں سے۔ ہاں بھئی! ہم سے تھوڑا کوئی تعلق ہے جو ہم سے ملیں یا کوئی بات کریں......“، وہ بڑبڑاتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئیں۔

نسرین ایک گہری سانس لے کر سیڑھیوں کی طرف چل دی۔ ان کے گھر کا نیا مسئلہ جس پر آج کل پارلیمان میں گرما گرم بحث جاری تھی۔ بینش کا کہنا تھا کہ صولت بیگم اور ان کا گھرانے کو گھر کے آدھے حصّے پر تصرف حاصل ہے۔ بقیہ آدھے حصے کی نچلی منزل تقریباً تمام فائزہ بیگم کے بچوں کے تصرف میں تھی، ماسوائے بینش اور جاوید کے کمرے کے۔ جبکہ اوپر والی منزل پر کمرے خالی پڑے تھے، یہ کمرے یا تو مہمانوں کے کام آتے یا بچے ہی بعض اوقات سکون سے پڑھائی کرنے کے لیے اوپر کسی کمرے میں جا بیٹھتے۔ اب بینش کا مطالبہ یہ تھا کہ جبکہ اوپر والی منزل پر ایک عدد کچن بھی موجود ہے تو وہ پوری منزل اصولاً اس کی فیملی کو ملنی چاہیے۔

اور اسی پر گھر میں مسئلہ کھڑا ہو گیا تھا۔ زوار نے نکتہ اٹھایا کہ اگر اسی طرح ہر فیملی کو علیحدہ پورشن اور کچن دیا جانے لگے، تو عنقریب عمیر کو بھی شادی کے بعد بیڈ روم اور کچن پر مبنی پورے پورشن کی ضرورت پڑ جائے گی۔ اور پھر کچھ عرصے بعد ولید اور خود اس کو بھی۔ لہٰذا فیمیلیز کو پورشنز نہیں، بلکہ بیڈ رومز ہی فراہم کیے جا سکتے ہیں، اور انہیں انہی پر قناعت کرنی چاہیے۔ یہی اصولی بات ہے۔

اویس نے انتہائی بدمزاجی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا شکوہ سب کے سامنے رکھا کہ بجلی، پانی اور گیس تو پہلے ہی نہیں، ایک کمرے کا سکون جو میسر تھا، وہ بھی ان سے چھینا جا رہا ہے۔ ان کی پڑھائی اور تعلیم کی تو کسی کو پرواہ ہی نہ تھی۔ چند دنوں کی بات تھی، اس کے بعد شاید ہاشمی ہاؤس پر ان کا وجود بھی گراں گزرنے لگتا۔

ابّا جی کا کہنا تھا کہ ان بھائیوں نے اپنی اپنی بیویوں کو اس قدر سر چڑھا رکھا تھا کہ انہیں ڈر تھا کہ ان سب کا یہی وطیرہ رہا تو وہ اپنی زندگی میں ہی اولاد کا اتحاد پارہ پارہ ہوتے اور ان سب کو جدا ہوتے دیکھ لیں گے۔

ایسے میں ایک عثمان صاحب تھے، جو پارلیمانی کارروائی میں خود تو شریک نہ ہو رہے تھے، مگر انہوں نے ابو بکر و جاوید صاحب، فائزہ بیگم، ولید اور ہر اس شخص کے سامنے جو ان کی بات سننے میں دلچسپی ظاہر کرتا، اپنا یہ موقف رکھا تھا کہ بینش کا یہ مطالبہ بالکل درست اور مبنی بر حق ہے۔ عمیر تو بال بچوں والا نہیں تھا کہ اسے علیحدہ پورشن کی ضرورت پڑتی، مگر جاوید صاحب کی فیملی کو پورا حق حاصل تھا کہ انہیں بھی اپنا علیحدہ کچن، بیڈ روم اور رہنے کے لیے قدرے کشادہ نجی جگہ حاصل ہوتی، جس پر انہیں مکمل تصرف حاصل ہوتا۔ انہیں محض ایک بیڈ روم تک محدود کرنا کسی بھی طرح مناسب یا قرینِ انصاف نہیں تھا۔

عثمان صاحب کا یہ موقف بھی تنقید و تبصرے سے محفوظ نہ رہا تھا۔ فائزہ بیگم کو گو ان کی بات کچھ خاص پسند نہ آئی تھی، مگر وہ بہر حال خاموش رہی تھیں، البتہ نبیلہ نے ہنس کر اور کھل کر اپنی رائے کا اظہار کیا کہ "نو سو چوہے کھا کر بلّی حج کو چلی!!"۔

اور گو کہ اس معاملے کا حتمی فیصلہ ابھی عمیر کی جانب سے سامنے نہ آیا تھا، مگر وقتی طور پہ ابو بکر و عثمان صاحب کے کہنے پر اوپر والا پورا پورشن بینش کے استعمال کے لیے خالی کر دیا گیا تھا۔ بینش اس انتہائی خلافِ توقع اقدام پر حیران تو ہوئی مگر خاموش رہی۔ نچلی منزل پر موجود اپنا کمرہ اس نے سلمیٰ اور لبنیٰ کی مدد سے بالائی منزل پر منتقل کر لیا اور اپنے جہیز میں لایا کچن کا سامان بھی۔ جلد ہی اس کا اپنا کچن اور پورشن فعال ہو گیا تھا۔ مگر وہ اب بھی پہلے کی طرح سب سے کھنچی کھنچی اور الگ تھلگ ہی رہ رہی تھی۔ نچلی منزل والوں کے ساتھ میل ملاقات بھی بدستور بند تھی اور بچوں کا آنا جانا بھی۔

وہ آخری سیڑھی چڑھ کر اوپر پہنچی تو لاؤنج سنسان پڑا تھا۔ ڈھلتی دوپہر کا وقت تھا، غالباً بینش بچوں سمیت کمرے میں ہو گی۔ تو کیا عبد اللہ بھی اندر کمرے میں تھا؟ سو تو نہیں رہا ہو گا، وہ نسرین کے بغیر کبھی کہیں نہیں سوتا تھا۔ تذبذب کے عالم میں نسرین نے بینش کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

چند منٹ بعد ہی دروازہ کھل گیا۔ مندی مندی آنکھیں لیے بینش اسے دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔ وہ زیادہ کہیں آتی جاتی بھی تو نہ تھی۔ "معذرت چچی...... آپ سو رہی تھیں!"، نسرین کو شرمندگی ہوئی۔

"...... نہیں، نہیں...... اب تو اٹھنے ہی والی تھی، عصر کا وقت ہونے والا ہے...... بہت اچھا کیا تم آ گئیں، آؤ ادھر لاؤنج میں بیٹھتے ہیں......"، بینش صوفوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی، وہ واقعی نسرین کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی۔ عرصے سے گھر والوں کے ساتھ معمول کی بول چال بند تھی، اور وہ تسلیم کرتی یا نہیں، مگر وہ اندر ہی اندر ان سب کو یاد کر رہی تھی۔

"نہیں چچی...... ابھی تو میں عبد اللہ کو ڈھونڈتے ہوئے ادھر آئی ہوں...... فاطمہ کہہ رہی تھی کہ وہ بتول کے ساتھ کھیل رہا تھا......؟"۔

"بتول کے ساتھ......؟"، بینش کو حیرت ہوئی، "مگر نسرین...... بتول تو آج سکول سے واپس ہی نہیں آئی، مہوش کی بیٹی وردہ کی سالگرہ ہے آج، وہ کہہ رہی تھی کہ بتول کو سکول سے وہیں اپنے گھر لے جائے گی، رات کو جاوید اسے لیتے ہوئے آئیں گے......"، بینش نے بہن اور بھانجی کا نام لیتے ہوئے اسے بتایا۔

"مگر...... پھر عبد اللہ کہاں ہے؟!...... پورا گھر دیکھ چکی ہوں، کہیں نظر نہیں آ رہا...... اور کسی نے اسے دیکھا بھی نہیں......!"، وہ یکدم بدحواس ہو کر بولی۔

☆☆☆☆☆

اگلے چند گھنٹوں میں ہاشمی ہاؤس تلپٹ ہو گیا تھا۔ اوپر سے نیچے تک پورا گھر بشمول ملازمین کے کوارٹر کھنگالے جا چکے تھے۔ نسرین نے بذاتِ خود ایک ایک کمرہ چھانا تھا۔ الماریوں کے اندر، بیڈز کے نیچے، سٹور رومز، ٹیرس، چھت، سیڑھیوں کے نیچے کی خالی جگہ، کچن، پینٹری...... وہ دونوں پورشنز کا ایک ایک کونہ دیکھ چکی تھی۔ اور اکیلی وہی نہیں، جیسے جیسے عبد اللہ کی گمشدگی کی خبر پھیلتی گئی، گھر کے تمام افراد اس کی تلاش کے کام میں شریک ہوتے گئے۔

ایک عثمان صاحب تھے جو اپنے بستر سے اٹھنے کی استطاعت نہ رکھتے تھے، اور دوسرے ابّا جی...... ورنہ ان دو کے علاوہ پورا گھر انہ دیوانہ وار عبد اللہ کو ڈھونڈ رہا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ نسرین کو تسلّی بھی دیتے جاتے، 'فکر نہ کرو...... بچہ ہے، کہیں کھیل کود میں چھپ گیا ہو گا، ضرور مل جائے گا ان شاء اللہ......'۔ نسرین بھی فکر مندی سے سر ہلاتی، بار بار آنکھوں میں امڈتے آنسو پیتی، تندہی سے عبد اللہ کی تلاش میں مشغول تھی۔ زین، اویس اور صہیب گھر سے باہر آس پاس کی گلیوں اور پارک میں عبد اللہ کو ڈھونڈنے نکلے ہوئے تھے۔ سلطان کو ارد گرد کے گھروں میں پوچھنے کا کام سونپا گیا تھا۔ گو کہ یہ امر نسرین کے لیے ناقابلِ یقین تھا کہ عبد اللہ اس کے بغیر ایک قدم اٹھانے کا بھی عادی نہیں تھا، کجا یہ کہ اکیلا گھر سے باہر نکل جائے...... مگر جب گھر میں کہیں اس کا نام و نشان نہ ملا تو تلاش کے اگلے مرحلے کے طور پر ارد گرد کا علاقہ دیکھنا ہی تھا۔

عجیب معاملہ یہ تھا کہ کسی نے بھی اسے دیکھا نہیں تھا۔ آخری بار غالباً صولت بیگم نے ہی اسے لاؤنج میں زین کے ساتھ ٹی وی دیکھتے دیکھا تھا، اور اس کے بعد وہ اپنے سر درد کی وجہ سے اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ مگر زین کا کہنا تھا کہ وہ زیادہ دیر ٹی وی کے سامنے نہیں بیٹھا، بلکہ کسی دوست کا فون آنے پر جلد ہی اٹھ کر گھر سے باہر نکل گیا تھا۔ اسے تو یہ بھی صحیح سے یاد نہ تھا کہ جب وہ لاؤنج سے اٹھا تو عبد اللہ وہاں موجود بھی تھا یا نہیں۔ گیٹ پر کھڑے امانت سے پوچھنا بھی بے سود نکلا، اس نے اپنے معمول کے اکھڑ وخشک انداز میں جواب دیا کہ اس نے تو بچے کو

باہر نکلتے نہیں دیکھا، یوں بھی اس کے ذمّے گھر کی بیرونی خطرات سے حفاظت تھی، اندرونی معاملات سے اسے کیا سروکار...... نذیر عمیر کے ڈرائیور کے طور پہ اس کے ساتھ گیا ہوا تھا جبکہ وزیر خان چھٹی پر تھا۔

دو، تین گھنٹے کی تلاش بھی بیکار نکلی تو تھک ہار کر صولت بیگم نے نسرین کو عمیر اور ابو بکر صاحب کو مطلع کرنے کو کہا۔ اب تک اس امید پر گھر کے مردوں کو پریشان نہیں کیا گیا تھا کہ یقیناً عبداللہ جلد ہی مل جائے گا، مگر اب تشویش بڑھتی جارہی تھی۔ باوجود کوشش کے عمیر سے رابطہ نہ ہو پارہا تھا، اس کا فون مسلسل مصروف تھا۔ ولید اور زوار اطلاع ملتے ہی گھر کے لیے روانہ ہو چکے تھے اور ابو بکر و جاوید صاحب بھی ان سب کو تسلّی و دلاسہ دیتے ہوئے جلد از جلد گھر پہنچنے کی کوشش کررہے تھے۔

مغرب کی اذانیں ختم ہو چکی تھیں اور باہر اندھیرا گہرا ہو رہا تھا جب پہلے زین، اویس اور صہیب، اور پھر آگے پیچھے ولید اور زوار گھر میں داخل ہوئے۔ کب سے نہیں مل رہا عبداللہ؟ آخری بار اسے کس نے کب اور کہاں دیکھا تھا؟ کہاں کہاں ڈھونڈ لیا ہے؟ ہمسایوں کے ہاں پتہ کیا ہے کہ نہیں؟ ولید نے آتے ہی اب تک کی تمام کارکردگی کی تفصیل معلوم کرنا شروع کی۔ صولت بیگم سر کا درد بھلائے اس قت نسرین کا ہاتھ تھامے صوفے پر بیٹھی تھیں۔ نسرین گو خاموش تھی، لیکن اس کے چہرے کی فق رنگت، خشک آنکھوں سے جھلکتی وحشت و پریشانی اور سوکھے ہونٹ اس کی اندرونی حالت کا پتہ دے رہے تھے۔

"کسی نے کیمروں کی ہسٹری چیک کی ہے اب تک یا نہیں؟!"، زوار کے سوال پر سب ہی چونک اٹھے، یہ خیال تو انہیں آیا ہی نہیں تھا۔ نسرین کے چہرے پر امید کی کرن چمکی، وہ تیزی سے سیدھی ہو کر بیٹھی، ہاں کیمرے بھی تو لگے ہوئے تھے ان کے گھر میں...... ان سے ضرور عبداللہ کا کچھ اتہ پتہ مل جائے گا۔

"...... نہیں......... ظاہر ہے! یہ کام تو تم ہی کر سکتے ہو......"، زین نے جواب دیا۔ زوار مزید کچھ بھی کہے سنے بغیر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔ آدھ گھنٹے کے جان لیوا انتظار کے بعد وہ واپس آیا تو اس کا چہرہ بجھا ہوا تھا۔ سب کی سوالیہ نظریں اس پر مرکوز تھیں، ان نظروں میں مچلتے سوال کو ولید نے آواز کے قالب میں ڈھالا، "کچھ پتہ چلا......؟"

"...... نہیں، کچھ بھی نہیں!......"، زوار نے مایوسی سے سر ہلایا، "آگے گیراج سے لے کر فرنٹ گیٹ، اور پچھلے گیٹ کی جانب جتنے بھی کیمرے لگے ہیں، کسی میں عبداللہ نظر نہیں آیا۔...... ایسا لگتا ہے کہ وہ گھر میں ہی ہے، اگر وہ گھر سے باہر نکلتا تو لازماً کسی کیمرے کی نظر میں آتا......"۔

"...... مگر وہ گھر میں نہیں ہے......! ہم نے ہر جگہ دیکھ لیا ہے"، فاطمہ اس کا خیال رد کرتے ہوئے بولی۔

"...... میں جانتا ہوں......! مگر گھر میں اتنے کیمرے لگے ہوئے ہیں کہ کوئی شخص کسی بیرونی دیوار تک کسی نہ کسی کیمرے کی زد میں آئے بغیر نہیں جا سکتا...... حتیٰ کہ ملازمین کے کوارٹر بھی کیمروں کی رینج میں شامل ہیں...... جبکہ عبداللہ کہیں بھی نظر نہیں آرہا......"۔

"کہیں...... کہیں ایسا تو نہیں کہ......"، نبیلہ کوئی خیال ظاہر کرتے کرتے رک گئی۔

"ہاں...... کیا؟"، اس کو مسلسل خاموش دیکھ کر ولید کو پوچھنا پڑا۔

"...... ویسے ہی مجھے خیال آیا...... کہ ایسا تو نہیں ہو سکتا ناں کہ کوئی اسے کسی چیز میں چھپا کر گھر سے نکال کر لے گیا ہو...... یوں وہ کیمروں میں بھی نظر نہیں آئے گا......"، ہچکچاتے ہوئے بالآخر وہ کہہ گئی۔

"...... کوئی؟...... مگر کون؟...... زوار تم نے کیمروں کی ہسٹری میں کوئی اور غیر معمولی چیز دیکھی ہے؟ کسی دوسرے شخص کا گھر میں داخل ہونا؟ یا کوئی بڑی چیز گھر سے لے کر نکلنا؟......" ولید کا سوال ابھی ختم بھی نہ ہوا تھا کہ زوار نفی میں سر ہلاتا بول اٹھا۔

"...... ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔...... گھر سے آج بارہ بجے کے بعد پہلے ابّو نکلے ہیں اپنی گاڑی میں، پھر تین بجے زین موٹر سائیکل پر نکلتا ہوا نظر آتا ہے، اس کے بعد عمیر اور نذیر نکلے تھے گاڑی پہ، ان کی میٹنگ تھی آج کوئی...... جہاں انہیں جانا تھا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد زین واپس آتا ہوا نظر آتا ہے۔...... پھر شام ۵ بج کے ۱۷ منٹ پہ پہلے جویریہ، ہادیہ اور فاطمہ کی وین آئی تھی، اور ان کے ذرا دیر بعد اویس گھر آیا تھا...... اس وقت تک عبداللہ کی تلاش شروع ہو چکی تھی غالباً...... اس کے بعد یہ سب لوگ اس کو ڈھونڈنے کے لیے باہر جاتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن ان سب لوگوں میں سے کسی نے بھی عام شولڈر بیگ سے زیادہ کچھ بھی نہیں اٹھایا ہوا......"۔

"...... تو پھر ہو سکتا ہے کہ وہ گھر میں ہی کہیں ہو...... اسے کوئی ڈرگ دے کر بیہوش کر دیا گیا ہو تا کہ وہ کوئی آواز نہ نکال سکے اور......"، نبیلہ مزید اپنے خیالات کا اظہار کرتی کہ اویس بھنّا کر بول اٹھا۔

"مگر سوال یہ ہے کہ ایسے فلمی کام کوئی کیوں کرے گا...... اور وہ کون شخص ہے جس پر آں جناب کو شک ہے کہ وہ یہ سب کرے گا......؟"

"اور آپی...... ہم پورا گھر دیکھ چکے ہیں...... وہ کہیں بھی نہیں ہے...... ملازمین کے کوارٹر بھی دیکھ لیے ہیں اچھی طرح......"، فاطمہ نے یقین دلایا۔

"...... ارے بھئی!...... اگر کوئی اسے نشہ آور چیز دے کر بیہوش کرتا ہے تو لازماً وہ اسے ایسے چھپائے گا کہ کوئی کتنا ہی ڈھونڈ لے، اسے وہ نہ ملے...... کیا پتہ کسی بوری میں ڈال کر پچھلے سٹور

میں کہیں پیٹیوں کے پیچھے......"، نسرین نے تڑپ کر سر اٹھایا، آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو بہہ نکلے۔

"......نبیلہ...!وہ انسان کا بچہ ہے، کوئی سوئی تو نہیں ہے کہ ڈھونڈنے سے نہ ملے"، صولت بیگم نے نسرین کا ہاتھ تسلّی آمیز انداز میں دباتے ہوئے نبیلہ کو گھرکا۔

"......امّی!"، نسرین آنسوؤں سے لبالب آنکھیں لیے بولی، اس کے چہرے پر جیسے زمانوں کا دکھ رقم تھا۔ "امّی!......ارشد کا ہاتھ ہے اس میں لازماً......!"صولت بیگم بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئیں۔ یہ وہ خیال تھا جو ان سب ہی کے ذہنوں میں منڈلا رہا تھا، اور وہ سب ہی اسے پیچھے دھکیلنے کی حتی المقدور کوشش کر رہے تھے۔ مگر اب نسرین کے کہہ دینے سے وہ یکدم ہی حقیقت بن کر آنکھوں کے سامنے ناچنا شروع ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆☆

رات پوری آنکھوں میں کٹی۔ ابو بکر و جاوید صاحب کے گھر پہنچنے کے بعد ایک بار پھر عبد اللہ کی تلاش از سرِ نو شروع ہو گئی تھی۔ گھر کے ملازمین سے تفصیلی پوچھ گچھ کے بعد جاوید صاحب زین، اویس، ولید اور زوار کو لے کر آس پڑوس میں عبد اللہ کو ڈھونڈنے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ ابو بکر صاحب اپنی نگرانی میں دوبارہ پورے گھر کی تلاشی لے رہے تھے۔ عبد اللہ نہ سہی، اس کا پتہ بتانے والا کوئی اور نشان ہی مل جاتا......کچھ تو اندازہ ہوتا کہ وہ کہاں گیا۔ اب تک کی معلوم کہانی سے تو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ گھر میں بیٹھا بیٹھا یکدم غائب ہو گیا ہو۔

گھر کی تمام خواتین ابو بکر صاحب کے ساتھ عبد اللہ کو ڈھونڈنے میں مشغول تھیں۔ عثمان صاحب کو فائزہ بیگم نے زبردستی دوا کھلا کر سلا دیا، ورنہ وہ بھی ہر دس منٹ بعد بے چین ہو کر ان سے تازہ صورتحال معلوم کرنے کا مطالبہ کرتے۔ ساڑھے گیارہ کے لگ بھگ جاوید صاحب اور لڑکوں کی واپسی ہوئی تو ان کے پاس بھی بتانے کے لیے کچھ نہ تھا۔ محلّے کا چوکیدار، ہمسائے، ٹاؤن انتظامیہ، چوکیوں پر کھڑے گارڈ، کسی نے بھی سفید شرٹ اور نیلے پاجامے میں ملبوس چھوٹا بچہ نہیں دیکھا تھا۔ نہ ہی کسی نے ایسا کوئی مشکوک شخص دیکھا تھا جو کسی بچے کو لے جا رہا ہو۔ واقعتاً ایسا محسوس ہونے لگا تھا گویا عبد اللہ بیٹھے بٹھائے ہوا میں تحلیل ہو گیا تھا۔

جاوید صاحب کا مشورہ تھا کہ اب مزید تاخیر کے بجائے گمشدگی کی ایف آئی آر درج کرائی جائے۔ وہ اس سلسلے میں تھانے کا چکر بھی لگا چکے تھے، مگر مسئلہ یہ تھا کہ تھانیدار کا کہنا تھا کہ ان کے گھر کے مخصوص حالات و قوانین کے مطابق سربراہِ خانہ کے علاوہ کسی کے پاس ایف آئی آر کٹوانے کا اختیار نہیں۔ اور باوجود کوشش کے عمیر سے رابطہ نہ ہو پا رہا تھا۔ زوار کی بے شمار کالز کے بعد عمیر نے دس سیکنڈ پر مبنی ایک صوتی پیغام بھیجا تھا کہ وہ شہر کے ڈی سی کے ساتھ ایک نہایت اہم ملاقات میں مصروف ہے، ممکن ہے رات کو واپس بھی نہ آ سکے۔ اسے ڈسٹرب نہ کیا جائے، وہ جس قدر جلد ممکن ہو سکا، اس سے خود رابطہ کر لے گا۔ اس کے بعد غالباً اس نے اپنا فون ہی آف کر دیا تھا۔

اب کرنے کے لیے کچھ نہ تھا۔ وہ سب لاؤنج میں ہی عمیر کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ نسرین اور صولت بیگم ایک صوفے پر، ان کے مقابل سنگل صوفے پر ابّا جی......جاوید صاحب کو ابو بکر صاحب نے زبردستی آرام کرنے بھیج دیا، اور پھر ولید کی یقین دہانی پر کہ عمیر کے آتے ہی یا عبد اللہ کے بارے میں کوئی بھی خبر ملتے ہی وہ ان کو فوراً جگا دے گا، ابو بکر صاحب بھی اپنے کمرے میں چلے گئے۔ ولید وہیں ایک فلور کشن پر نیم دراز ہو گیا۔ آہستہ آہستہ گہری ہوتی رات میں بینش اور فائزہ بھی اپنے اپنے گھروں اور بچوں کو دیکھنے کے لیے اٹھ گئیں۔ کسی کے پاس دوسرے کو کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ تسلّی دیتے تو کیا......بچہ دوپہر سے غائب تھا، اس کا کچھ اتہ پتہ بھی کسی کو معلوم نہیں تھا۔ اب بارہ گھنٹے سے زیادہ وقت ہو گیا تھا اسے غائب ہوئے......بچہ بھی وہ جو ماں کے بغیر ایک پل بھی گزارنے کا عادی نہیں تھا۔

نسرین کو کچھ دیر آرام کرنے کی تلقین کرتیں بالآخر صولت بیگم بھی اٹھ گئیں۔ اب فجر میں تھوڑا ہی وقت رہ گیا تھا۔ جو کام تدبیر نہیں کر سکتی تھی، وہ دعا کر سکتی تھی۔ انہیں اپنے ربّ پہ بھروسہ تھا۔ وہ عبد اللہ کی صحیح سلامت و بخیر و عافیت واپسی کی دعا، اپنے رب سے مانگنے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

کانٹوں پر گھسٹنا کس کو کہتے ہیں، نسرین کو ان چند گھنٹوں میں بہت اچھی طرح معلوم ہو گیا تھا۔ عبد اللہ کے بغیر ایک ایک لمحہ گزارنا گویا کٹھن ترین کام بن گیا تھا۔ وہ آنکھیں موندے صوفے کی پشت سے سر ٹکائے، پاؤں اوپر کیے بیٹھی تھی، مگر بند آنکھوں کی سکرین کے پیچھے پورا منظر رواں تھا۔ اس کا بیٹا، ننھا منّا ساڑھے چار سالہ عبد اللہ...... پھولے پھولے گالوں والا...... چمکتی مسکراتی آنکھوں والا......نجانے وہ کہاں ہو گا...... کس حال میں ہو گا۔ اس نے دوپہر سے کچھ کھایا پیا بھی ہو گا یا نہیں؟!وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا، وہ بہت اچھی طرح جانتی تھی۔ اور کھانے کا تو وہ ایسا چور تھا کہ وہ خود بھی کتنے گھنٹے منتیں کر کر کے اسے کھانا کھلاتی تھی......پھر اب......ماں کے بغیر کب اس نے کچھ کھایا ہو گا۔

گرم گرم سیال جیسے آنسو ایک بار پھر اس کے گالوں پر بہہ نکلے۔ بمشکل اپنی سسکی دباتے اس نے آنکھیں کھول کر ابّا جی کی طرف دیکھا۔ وہ رات بھر سے اپنے سنگل صوفے پر بیٹھے تھے اور کسی کے کہنے پر ٹس سے مس نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت وہ کمر کے پیچھے رکھے تکیے سے ٹیک لگائے اونگھ رہے تھے، کہیں وہ اس کے رونے کی آواز سے جاگ نہ جائیں، یہ سوچ کر نسرین بنا آواز پیدا کیے وہاں سے اٹھ گئی۔ نبیلہ و فاطمہ کے کمرے میں جا کر وضو کیا اور جائے نماز بچھا لیا۔ کتنی دیر وہ سجدے میں پڑی اپنے اللہ سے مناجات کرتی رہی، اسے کچھ خبر نہ ہوئی۔ کہیں سے

عبداللہ کی خیریت معلوم ہو جاتی، کوئی اسے اس کا بیٹا واپس لا دیتا......اسے اور کچھ نہیں چاہیے تھا۔

کتنی عجیب تھی وہ......اپنی ازدواجی زندگی کے حادثے سے دوچار ہونے کے بعد وہ اکثر سوچا کرتی تھی کہ وہ کس قدر خالی ہاتھ ہے۔ کچھ بھی اس کے پاس نہیں۔ نہ اپنا گھر، نہ شوہر، نہ زندگی...... والدین کے در پہ پڑی وہ کس قدر کم مایہ و حقیر انسان ہے۔ مگر یہ تو اب معلوم ہوا تھا کہ عبداللہ کی صورت میں پورا جہان تھا اس کے پاس......پورا جہان!وہ کھو گیا تھا تو ایسا لگ رہا تھا پوری دنیا کھو گئی ہے......اور کچھ بھی نہیں بچا!

اور اگر......اگر وہ واپس نہ آیا، ......وہ اسے ڈھونڈ نہ پائے تو پھر؟......کیا کرے گی وہ؟......کہاں سے لائے گی اپنے بچے کو؟......کس سے فریاد کرے گی؟ اندیشوں، وہموں، فکروں کا ایک طوفان تھا جو اس کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھے۔ آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گالوں پر بہے چلے جا رہے تھے، مگر لبوں سے کوئی بھی دعا نکلنے سے قاصر تھی۔ کیسے حادثے سے دوچار ہوئی تھی وہ......کس بھنور میں پھنس گئی تھی کہ جس سے نکلنے کا کوئی راستہ سمجھ ہی نہ آ رہا تھا۔

دعا کے لیے اٹھے اس کے ہاتھ گود میں پڑے تھے۔ اور وہ خالی خالی نظروں سے ان کو تکتے ہوئے خود کہیں بہت دور تھی۔ اس نے اپنے پاس نبیلہ کو بیٹھتے ہوئے محسوس کیا......دیکھا نہیں......بس محسوس کیا۔ وہ اس کے شانوں پر بازو پھیلائے تسلّی کے کوئی نرم الفاظ کہہ رہی تھی۔ فاطمہ اس کے لیے گلاس میں کچھ گھول کر لائی تھی، ......شاید کوئی سکون آور دوا......یا سادہ پانی......وہ نہیں جانتی تھی۔ کوئی اور بھی تھا......ولید......یا شاید زوار، جو اسے نرمی سے اٹھا کر بیڈ پر لیٹنے کو کہہ رہا تھا۔ کھلی آنکھوں کے باوجود اسے ان سب میں سے کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کی نظروں کے سامنے اگر کوئی چہرہ تھا تو وہ عبداللہ کا تھا، سرخ و سفید گالوں والا، جو روٹھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا، بلا رہا تھا......۔

☆☆☆☆☆

''نسرین!......نسرین!!''، نجانے وہ کتنی دیر غافل سوتی رہی تھی۔ آنکھ کھلی تو صولت بیگم اس کے اوپر جھکی اسے جگانے کی سعی کر رہی تھیں۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

''......عبداللہ!......عبداللہ کا کچھ پتہ چلا؟......''، کھڑکی سے چھن چھن کر آتی روشنی صبح کے پوری طرح پھیل جانے کا پتہ دے رہی تھی۔ نسرین کو ہوش میں آتے ہی پہلا خیال عبداللہ کا آیا، صبح ہو گئی تھی، اب عبداللہ کا بھی کچھ پتہ چل جانا چاہیے، اس نے بے چین و مضطرب انداز میں ماں سے پوچھا۔

''نن......نہیں بیٹا!''، صولت بیگم نظریں چرا گئیں، ''وہ......ارشد آیا ہے، ......تم سے ملنا چاہتا ہے، ......جلدی آ جاؤ، لاؤنج میں بیٹھا ہے......''۔

''ارشد......!!؟''، نسرین نے متحیر نظروں سے انہیں دیکھا۔

''ہاں......اسے بھی عبداللہ کی گمشدگی کی خبر مل گئی ہو گی یقیناً......ظاہر ہے وہ باپ ہے، اس کا آنا بنتا ہے......تمہارے ابّو نے سوچا اس صورتحال میں اس سے ملنے سے انکار کرنا مناسب نہیں......''۔ نسرین مزید تفصیل سنے بغیر بستر سے اٹھ گئی۔ دوسرے بستر پر فاطمہ اور نبیلہ خاموشی سے بیٹھی سب دیکھ سن رہی تھیں۔ آج شاید کسی کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ فاطمہ نے الماری سے بڑی چادر نکال کر اسے تھمائی، جسے اچھی طرح اوڑھتے ہوئے نسرین اپنے حواس مجتمع کرنے کی کوشش کرتی ہوئی صولت بیگم کی اقتدا میں باہر نکل گئی۔

لاؤنج کا ماحول انتہائی گھمبیر تا لیے ہوئے تھا۔ بیرونی دروازے کے قریب ولید اور زوار ایسے کھڑے تھے گویا کسی نے انہیں پہرے پر متعین کیا ہو۔ لاؤنج کے وسط میں رکھے صوفوں پر ابو بکر صاحب اور جاوید صاحب براجمان تھے۔ اپنے سنگل صوفے پر لاٹھی ہاتھ میں لیے، کمر بالکل سیدھی رکھے ہوئے اور انتہائی ٹینس حالت میں ابا جی بیٹھے تھے۔ ان کی گردن کا تناؤ ان کے تنے ہوئے اعصاب کا پتہ دے رہا تھا۔ صولت بیگم نسرین کو لیے اس خالی صوفے کی طرف بڑھ گئیں جو شاید انہی دو کے لیے خالی کیا گیا تھا۔ ان کے مقابل صوفے پر وہ بیٹھا تھا۔ اور لاؤنج کے مجموعی تنے ہوئے ماحول میں ایک وہی تھا جو شاید نہایت آرام و سکون سے بیٹھا تھا۔ ہونٹوں پر ایک پر سکون، فاتحانہ مسکراہٹ......آنکھوں میں مسرت و اطمینان کی چمک......وہ غالباً کچھ پوچھنے نہیں، بتانے آیا تھا۔

''کیسی ہو نسرین؟......''، دوستانہ مسکراہٹ اس کی جانب اچھالتے ہوئے اس نے اطمینان سے پوچھا۔

''......اپنے مطلب کی بات کرو برخوردار......''، ابا جی نے رعب دار آواز میں کہا۔ اگلے الفاظ ''اور یہاں سے رخصت ہو جاؤ''، وہ شاید مصلحتاً پی گئے تھے، لیکن جملے کا مفہوم سمجھنا مشکل نہیں تھا۔

''......جی......جی......میں بالکل آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا!''، وہ سر ہلاتا ہوا تابعداری سے بولا۔ پھر ساتھ رکھی تپائی سے اس نے وہ بڑا سا خاکی لفافہ اٹھا کر نسرین کی طرف بڑھایا۔ نسرین نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے لفافہ تھام لیا۔ وہ اسے کھولے بغیر الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی، کہیں کچھ بھی نہ لکھا تھا جو اس کے ملفوفات پر کوئی روشنی ڈالتا۔

''کیا ہے یہ؟''، اس کی خشک و روکھی آواز خود اس کے اپنے لیے بھی اجنبی تھی۔

''......کھول کر دیکھ لو''، وہ شاید مسکرایا، ''......ڈائیورس پیپرز ہیں......تمہارے حسبِ منشاء!......اور ظاہر ہے، پوری ڈیڈ کی کاپی بھی ہے اس میں۔ مہر کی رقم جو میں نے تمہیں ادا کرنی تھی، اس کا چیک ہے، اور جو دوسری ڈیل ہم نے کی ہے، (باقی صفحہ نمبر 86 پر)

سوشل میڈیا کی دنیا سے......

یہاں درج فاضل لکھاریوں کے تمام افکار سے ادارہ 'نوائے غزوۂ ہند' کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

جمع و ترتیب: بشام سالِم

توحید | شیخ حامد کمال الدین نے لکھا

غار میں:

إن الله معنا ''ہمارے ساتھ اللہ ہے''

مچھلی کے پیٹ میں:

لا اله الا أنت ''نہیں کوئی معبود تیرے سوا''

کہف میں:

لن ندعوا من دونه إلها ''نہیں ہم پکارنے کے اُس کے سوا کوئی معبود''

جیل میں:

ما كان لنا أن نشرك ''نہیں ہم اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے''

#توحید ہر دم نجات، تدبیر، شفا، سہارا۔۔۔

ملحد لاجک | مہتاب عزیز نے لکھا

قربانی پر ذبح ہونے والے جانور معصوم، کیوٹ، بے بس اور بے زبان ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ ظلم ہے۔

سارے بدمعاش، اڑیل، مارنے، حملہ کرنے، شور مچانے والے جانور کاٹ کر اُن کا گوشت میکڈونلڈ، کے ایف سی، سب وے، پاپا جونز، وال مارٹ وغیرہ پر لایا جاتا ہے۔ اس لیے اُس پر اعتراض نہیں۔

#ملحد_لاجک

سیاسی صورتحال | ابو بکر قدوسی نے لکھا

ایک شخص کو ڈرم میں، یعنی بہت بڑے ڈرم میں بند کر دیں،

اس ڈرم کو کسی پہاڑی سے ڈھلوان کی طرف لڑکھا دیں۔

اس میں موجود بندہ کبھی اس دیوار سے ٹکرائے گا اور کبھی دوسری کے ساتھ۔۔۔

ڈرررررم، ٹھاہہہہ، ڈرممممم ٹھاہ۔۔۔۔۔

سمجھ اس کو کچھ نہیں آئے گی کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے!

اور...... غور سے سمجھیں!

اس کو سمجھ یہ بھی نہیں آئے گی کہ اس کو جانا کہاں ہے۔۔۔!

یہ مذہبی طبقات کی موجودہ سیاست کی صورتحال ہے!!!

اعلان: کمنٹس آف ہیں، جیسے ڈرم میں موجود عوام کی آنکھیں۔

بد دعا | فیض اللہ خان نے لکھا

دفاع، کرپشن، پنشن اور مہنگائی کے بوجھ سے پاکستان ٹائٹینک کی طرح ڈوب رہا ہے، جو جتنا جلد اسے چھوڑے گا فائدے میں رہے گا!

پرویز مشرف معلوم انسانی تاریخ کا پہلا آدم زاد ہے کہ درازی عمر کی دعا بھی بد دعا قرار پائی۔

جس کا کام اسی کو ساجھے | حافظ ہشام الٰہی ظہیر نے لکھا

اسلام دشمن مافیا کا سوال: مغرب چاند پر پہنچ گیا اور مولوی طہارت سکھاتا رہا؟

جواب: مغرب میں پادری اپنا کام کر رہے ہیں اور سائنس دان اپنا۔۔۔

ہمارے یہاں مولوی تو اپنا کام کر رہے ہیں لیکن سائنس دان اپنا کام چھوڑ کر مولویوں والا کام اپنے کنٹرول میں لینے کی کوشش میں ہیں، اس لیے وہ دونوں میں ناکام ہیں۔

امریکی پٹھو | کاشف نصیر نے لکھا

وار آن ٹیرر میں امریکہ کا اتحادی بننا، امریکہ کو دو فضائی اڈے بشمول تمام ایئر اسپیس دینا، بندے پکڑ پکڑ کر بیچنا اور انٹیلیجنس شئیرنگ کس کا کارنامہ تھا۔ ان سب کے بدلے نان نیٹو اربوں ڈالر کی امداد اور مشرف کو مہنگے تحفے۔

امریکی پٹھو اور غدار کسے کہتے ہیں؟

اصل مطالعہ پاکستان | طارق حبیب نے لکھا

ایک کالج ٹیچر سے بجٹ کے حوالے سے بات ہو رہی تھی، وہ حکومت سے بہت نالاں تھے۔ ان سے پوچھا اگر حکومت آپ کی توقعات پر پوری نہ اتری تو کیا کریں گے۔ (باقی صفحہ نمبر 118 پر)

اَجنبی...!

اشعار: وسیم حجازیؔ

اُداس جن پر ہے خود اُداسی
بھری زمیں کے اکیلے باسی

قصور ان کا وفا نبھانا
اندھیری شب میں دیا جلانا
ستم گری کی روش مٹانا
اسی میں خود کو بھی بھول جانا

نصیب ان کا ہے زندہ قبریں
لگی ہیں امت پہ ان کی نظریں
لہو میں بھیگی ہیں ان کی خبریں
بتائیں گی کیا یہ چند سطریں

کسی کے وہ بھی ہیں جاں سے پیارے
کسی کا سایہ، جگر کے پارے
انہوں نے لیکن یہ رشتے سارے
رہِ خدا میں خدا پہ وارے

جواں ہیں بوڑھے ہیں سب پہ قدغن
کسی بڑے کے ادب پہ قدغن
ہر اک تقاضے طلب پہ قدغن
اشارے ممنوع تو لب پہ قدغن

وہاں بھی آتا ہے ماہِ رمضاں
ہلالِ فطر اور عیدِ قرباں
غمی خوشی کی تمام گھڑیاں
مگر اکیلے بجبرِ زنداں

جہاں جہاں پر اسیر ہیں وہ
وہاں پہ حق کے سفیر ہیں وہ
کہے یہ دنیا فقیر ہیں وہ
بنا کے عقبیٰ امیر ہیں وہ

کٹھن ہے لمحہ اسارتوں کا
اذیتوں کا حقارتوں کا
مگر یقیں ہے بشارتوں کا
خدا سے کی گئی تجارتوں کا

ہمارا مقصد کشمیر میں اسلامی نظام کا قیام ہے!

’’کشمیر کو آزاد کر کے ہم کیا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ دیکھیے! ہمارے یہاں ’آزادی‘ کے ایک خاص اسلامی مفہوم (کا اعتبار) ہے۔ جو کہ قرآن وسنت اور علما کے فہم سے ثابت ہے۔ یعنی اسلامی سرزمین کو اس کے باشندوں کو واپس دلوانا...... اس کو اس لیے واپس دلوانا کہ یہ زمین اس کے باشندوں کی ہو جائے، تاکہ وہ اس زمین پر اُس دین کے مطابق حکومت کر سکیں جس سے ان کا تعلق ہے...... اور وہ دینِ اسلام ہے!‘‘

شهيد مجاهد فقيه **شيخ ابو يحيى ليبى** رحمه الله